ابنِ صفی

لد نمبر

28

جاسوسی دنیا

85- دھواں اٹھ رہا تھا

86- فرہاد ۵۹

87- زہریلا آدمی

پیشرس

مجھ سے فرمائش کی گئی ہے کہ میں پیشرس میں کتابوں کے متعلق لکھنے کی بجائے پڑھنے والوں سے باتیں کیا کروں! کتابیں تو بہرحال پڑھی جاتی ہیں اور پڑھنے والے خود ہی کتاب کے مواد سے متعلق اچھی یا بُری رائے قائم کرنے کی صلاحیت سے محروم نہیں ہوتے! اس کتاب کے بارے میں مصنف کا نوٹ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

مجھے آپ کی اس دلیل سے متفق ہونا ہی پڑے گا۔ میں جانتا ہوں آپ کیا چاہتے ہیں؟ خطوط پر تبصرے۔ لیکن ان تین صفحات میں اُن سارے خطوط پر تبصرہ مشکل ہے، جو ہر ماہ موصول ہوتے ہیں! کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑتا ہے۔ ایسے خط کا انتخاب جو سب کی دلچسپی کا باعث بن سکے۔

یہ خط چاٹگام سے آیا ہے۔ پورا پتہ تحریر نہیں کیا گیا! موضوع ظلمات کا دیوتا کی ناپسندیدگی ہے۔ حالانکہ یہ کتاب عام طور پر پسند کی گئی ہے! بعض حضرات صرف اسی ناگزیر خامی کے شاکی ہیں جس کا تذکرہ خود میں نے ہی اس کے پیش رس میں کیا تھا۔ زیادہ تر حضرات کا کہنا ہے کہ وہ خامی نہیں بلکہ خوبی ہے! اگر کسی کہانی کا انجام متوقع ہو تو پھر بات ہی کیا رہی!

بہر حال مجھے دونوں قسم کے پڑھنے والوں سے اتفاق ہے۔ لیکن میں ان چاٹگامی بھائی سے کسی طرح متفق نہیں ہوسکتا، جنہوں نے مجھے کتابیں لکھنا ترک کر کے ترکاری بیچنے کا مشورہ دیا ہے۔

میاں میں اتنا بدھو بھی نہیں ہوں کہ تاؤ میں آ کر سچ مچ ترکاریاں ہی بیچنا شروع کردوں۔ میں جانتا ہوں کہ بچی ہوئی ترکاریاں باسی کہلاتی ہیں۔ سڑ جاتی

ہیں اور پھر ان کی کوئی قیمت نہیں ہوتی..... لیکن کتابیں..... ہا..... دس سال تک پڑی رہنے کے باوجود بھی پوری ہی قیمت پر فروخت ہوتی ہیں! مجھے آپ کا یہ مشورہ خلوص پر مبنی نہیں معلوم ہوتا۔ اس لئے میں اس پر عمل بھی نہیں کروں گا۔

پھر آپ نے لکھا ہے ''ساتھ ہی یہ بھی عرض ہے کہ آپ نے میرے مشورے پر عمل شروع کردیا تو مجھے بہت افسوس ہوگا۔ مگر یہ بھی پسند نہیں کروں گا کہ آئندہ بھی آپ کتاب لکھتے ہی رہیں۔''

عقل خبط کردی آپ نے تو۔ یعنی مجھے ترکاریاں بیچتے دیکھ کر بھی آپ کو افسوس ہوگا اور آپ یہ بھی نہیں چاہتے کہ میں کتابیں لکھتا رہوں۔ تو پھر کیا خیال ہے میں آپ کی محبت میں فاقے شروع کردوں۔

اپنے بیان کے مطابق آپ مجھے گالیاں بھی نہیں دے سکتے کیونکہ مجھ پر کوئی گالی فٹ نہیں ہوتی! گالی فٹ نہیں ہوتی تو آپ یہ نتیجہ نکال بیٹھے کہ مجھے گالی دینا خود گالی کی توہین ہے۔

لیکن آپ نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ قطعی غیر سائینٹیفک ہے۔ گالی بُری چیز ہے آپ بھی جانتے ہیں۔ اس لئے گالی کی توہین کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ البتہ مجھ سے منسوب کی جانے والی کسی گالی کی عزت افزائی کا تصور آپ کے ذہن کے عقبی حصے میں ضرور موجود ہے، لیکن چونکہ سماجی نقطہ نظر سے گالی کی عزت افزائی کا تصور ہی لغو ہے اسلئے آپ گالی کی توہین کا اندیشہ ظاہر کر کے جان چھڑانا چاہتے ہیں۔

خدا کرے اس جواب سے آپ بالکل ''فٹ'' ہوجائیں..... ورنہ کچھ دنوں کے بعد آپ پر کسی قسم کے ''فٹ'' کا بھی حملہ ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں آپ کو کسی ماہر سائیکوانیلسٹ کی خدمات حاصل کرنی پڑیں گی (سودا مہنگا رہے گا)۔''

بھئی اپنا نام تو صاف لکھا کیجئے۔ پہلی نظر میں ''بدھو دا'' معلوم ہوتا ہے! غور کرو تو ''رولس رائیس'' پڑھا جاتا ہے! ذرا ترچھا کر کے دیکھو تو ''چلو واپس'' گھسیٹا

ہوا معلوم ہوتا ہے!

جی نہیں! قطعی نہیں..... میں نے آپ کی کسی بات کا بُرا نہیں مانا! آپ ایک مصنف کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کرنے کے لئے قطعی آزاد ہیں! کیونکہ وہ آپ ہی کے لئے کتابیں لکھتا ہے۔ اپنے لئے نہیں! مگر بھائی یہ ضروری نہیں ہے کہ اگر ترکاریوں کا بزنس آپ کے لئے منفعت بخش ثابت ہوا ہے تو میں بھی اس میں پھل پھول سکوں گا۔

ویسے میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ خط صرف تبصرے کے شوق میں لکھا گیا ہے اور میں مطمئن ہوں کہ آپ ''ظلمات کا دیوتا'' کے بعد یہ کتاب بھی ضرور پڑھیں گے اور آپ وہ فلم بھی ضرور دیکھیں گے جس کی کہانی پر میں آج کل work کر رہا ہوں۔

آخر میں زیرِ نظر کہانی کے متعلق بھی اتنا کہہ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ صرف اسرار و سراغ کی کہانی ہے۔ اس میں آپ ''ڈھول دھپہ'' قطعی نہیں پائیں گے۔

میری کتابیں بعض حضرات کو اس لئے بھی پسند نہیں آتیں کہ اکثر اُن میں ''ڈھول دھپہ'' سرے سے ہوتا ہی نہیں۔ اس کی بجائے دوسرے زاویوں سے کہانی کی دلچسپی برقرار رکھنے کی کوشش کرتا ہوں اور بحمد للہ اس پر مطمئن ہوں کہ اگر آپ میری کسی کتاب پر تالیاں نہیں پیٹ سکے تو اُسے ''بورنگ'' قرار دینا بھی آپ کے بس سے باہر ہوگا۔ تقریباً ایک سو بائیس کہانیاں اب تک لکھ چکا ہوں، لیکن آپ ایسی دو کہانیوں کے نام نہیں لے سکیں گے جن کے پیش کرنے کے انداز میں آپ کو یکسانیت نظر آتی ہو۔!

ابن صفی

۵/اکتوبر ۱۹۵۹

چھلاوہ

قاسم بہت شدت سے بور ہو رہا تھا۔ بور ہو رہا تھا اس لئے گھر کا رخ کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔ دن بھر آفس میں سر کھپانے کے بعد گھر کے تصور ہی سے اس کی روح فنا ہو رہی تھی۔

آفس کی افتاد نئی تھی۔ اُن دنوں اچانک اسکے باپ کو خیال آ گیا تھا کہ اس کا اس طرح گھر پڑے رہنا تو ٹھیک نہیں ہے کیوں نہ اُسے اکاؤنٹس ہی کا کام سکھانے کی کوشش کی جائے۔

قاسم.....اور اکاؤنٹس! گویا قاسم کے باپ نے بھی بالکل اسی کے سے انداز میں سوچنے اور کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کی تھی۔ بہر حال انہوں نے اسے اپنے چیف اکاؤنٹنٹ کے سپرد کر کے تاکید کر دی تھی کہ اگر وہ کام سیکھنے میں حیل و حجت کرے تو انہیں فوراً اطلاع دی جائے۔

چیف اکاؤنٹنٹ نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ قاسم شائد اکاؤنٹس کے علاوہ دنیا کا ہر کام کر سکے! لیکن وہ عاصم صاحب کا فیصلہ تھا۔ اس لئے قاسم اور چیف اکاؤنٹنٹ دونوں ہی کی شامتوں نے امداد باہمی کے اصول پر سمجھوتہ کر لیا۔ لیکن دفتر میں تو بہر حال بیٹھنا ہی پڑتا تھا۔ کچھ تھوڑی سی مغز ماری بھی کرنی پڑتی تھی۔ لیکن وہ کچھ اس قسم کی ہوتی۔

''دو اور دو چار اور چھ دس.... آٹھ.... اٹھارہ.... دو بیس..... بیس.... بیس.... ابا جان خبیث.....

ہت تیری کی پھر سالا بھول گیا....او اکاؤنٹنٹ صاحب....یہ سالا....نہیں چلتا معاملہ۔"

"مسٹر قاسم خدا کے لئے میری بے عزتی نہ کرائیے گا۔" چیف اکاؤنٹنٹ کہتا۔

"اے تو پھر کیا کروں۔" قاسم آنکھیں نکالتا۔ "جوڑتے جوڑتے سالا دماغ سے گائب ہوجاتا ہے۔ بتاؤ کوئی ترقیب۔"

بھلا بیچارہ اکاؤنٹنٹ کیا ترکیب بتاتا۔ اس کے ذہن میں قاسم کے لئے صرف اسی ایک شعبے کا تصور تھا کہ وہ گلے میں ایک ڈھولک لٹکائے اور کچھ گا بجا کر فلمی گیتوں کی کتابیں چلتی ہوئی سڑکوں پر بیچ لیا کرے..... بہرحال وہ ترکیب سوچنے لگتا اور قاسم پھر رجسٹر پر جھک پڑتا۔ جوڑتے جوڑتے ذہنی رو بہک جاتی اور وہ بھول جاتا کہ اس کے علاوہ اور کوئی بھی کمرے میں موجود ہے۔ بس پھر آس پاس بیٹھنے والے سنتے!

"آٹھ دو دس..... تین تیرہ..... صفر..... ہائے میری جان صفر..... یار تم بڑے پیارے ہو۔ تمہیں نہیں جوڑنا پڑتا..... ہت تیری کی پھر گائب..... پھر شروع سے..... آٹھ دو دس تین تیرہ..... صفر..... اور نو..... تیرہ اور نو..... نو سالا صورت حرام..... ہونق کھڑا ہے منہ اٹھائے۔ جماؤں ایک لات کمر پر سالے نہیں تو..... ہائے..... پھر گائب۔" وہ جھلا کر پیشانی پر ہاتھ مارتا۔ اکثر ہنسنے والوں کی آوازیں بھی نکل جاتیں..... اور وہ چونک کر صرف چیف اکاؤنٹنٹ کو خونخوار نظروں سے گھورنے لگتا۔

"آپ الگ کمرے میں بیٹھیں گے۔" وہ پوچھتا۔

"کال کوٹھری میں بند کردو نا۔" قاسم دہاڑتا اور لوگ ایک ایک کر کے باہر نکل جاتے کیونکہ ہنسی روکنا ان کے لئے مشکل ہوجاتا تھا۔

یہ ایک دن کی مصیبت نہیں تھی، روز ہی یہی ہوتا تھا! آج ہوسکتا ہے کہ اس سے زیادہ کچھ ہوا ہو۔ بہرحال وہ بہت شدت سے بور ہو رہا تھا۔ لہٰذا اس بوریت کے عالم میں وہ اس "گلہری خانم" کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا تھا جس کی بدولت اُسے "تین تیرہ" کے پھیر میں آنا پڑا تھا۔

اُسے یقین تھا کہ اس پر یہ مصیبت اُس کی بیوی ہی لائی ہے اس لئے بہت زیادہ بوریت

کے عالم میں اُس سے مڈبھیڑ ہوجانا کسی دوسری مصیبت کا پیش خیمہ بھی ثابت ہوسکتا تھا کیونکہ وہ تو ہر وقت ہی اُس کے باپ کو فون کردینے پر تلی بیٹھی رہتی تھی! اِدھر اُس نے کسی بات پر نتھنے پھلائے، آنکھیں نکالیں اور اُدھر وہ جھپٹی فون کی طرف۔

یہی وجہ تھی کہ وہ دن بھر کی بوریت رفع کئے بغیر گھر نہیں جانا چاہتا تھا۔

ایسے وقت حمید کے علاوہ اور کس کا خیال آتا! لہٰذا اس نے اپنی لمبی سی کار فریدی کی کوٹھی کی طرف موڑ دی۔ مگر مایوسی ہی کا منہ دیکھنا پڑا۔ حمید گھر پر موجود نہیں تھا۔

اب اس نے سوچنا شروع کیا کہ اس وقت اس سے کہاں ملاقات ہوسکے گی؟ لیکن اس سوال کا کوئی یقینی جواب اُسے نہ سوجھا۔ کچھ بھی ہو، یہ بوریت تو حمید سے مل بیٹھنے ہی کی صورت میں رفع ہوسکتی تھی۔

بس پھر اُس نے شہر کی ساری مشہور تفریح گاہیں چھان مارنے کی سکیم بنا ڈالی۔

* * *

کیپٹن حمید کی موٹر سائیکل تارجام والی سڑک پر تیز رفتاری کے ریکارڈ توڑ رہی تھی اور اس کا ذہن "لعنت لعنت لعنت لعنت" کی گردان کر رہا تھا۔

جھلاہٹ کی وجہ یہ تھی کہ تارجام پولیس اسٹیشن پر تقریباً پانچ گھنٹے تک مکھیاں مارنی پڑی تھیں۔ دس بجے سے تین بجے تک ایک ایسے آفیسر کا انتظار کرنا پڑا تھا جس کے پاس کچھ اہم کاغذات تھے اور ان کاغذات کو بحفاظت فریدی تک پہنچانا تھا۔

کاغذات لے کر جو وہ وہاں سے بھاگا تھا تو پھر پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا اور ذہن تو "لعنت لعنت" کی گردان دس ہی بجے سے کرتا رہا تھا۔

اس نے پیچھے مڑ کر دیکھنے کی زحمت نہیں گوارا کی تھی ورنہ یہی سوچتا، کاش کھوپڑی کے

پچھلے حصے پر بھی دو آنکھیں ہوا کرتیں۔

ساری کوفت دور ہو جاتی اور وہ موٹر سائیکل کی رفتار اتنی کم ضرور کر دیتا کہ پچھلی کار آگے نکل جاتی اور پھر وہ اطمینان سے اس کا تعاقب کرتا رہتا۔

کار ڈرائیو کرنے والی بڑی دلکش تھی۔ لیکن ایسا نہیں معلوم ہوتا تھا کہ اسے موٹر سائیکل سے آگے نکل جانے کی فکر رہی ہو۔

حمید کی موٹر سائیکل یکساں رفتار سے دوڑتی رہی۔

جیسے ہی وہ نیا گرہ ہوٹل والی سڑک کی کراسنگ پر پہنچا بائیں جانب سے آنے والی کار اس طرح رکی کہ حمید کو اپنی سات پشتیں یاد آ گئیں۔ اس نے بھی پورے بریک لگائے تھے اور اس کا سر سامنے والی کار کی کھڑکی سے ٹکراتے ٹکراتے بچا تھا۔

ہوش آنے پر قاسم کا ہونق سا چہرہ دو بالشت کے فاصلے پر نظر آیا۔ اس کی آنکھیں خوف سے پھیلی ہوئی تھیں اور بھاڑ سا منہ کسی ویران غار کے دہانے کا منظر پیش کر رہا تھا۔

پچھلی گاڑی بھی قریب ہی آ کر رکی۔ اس کے بریک بھی کافی بلند آواز سے چرچرائے تھے۔ لیکن یہ دونوں تو بس ایک دوسرے کو گھورے جا رہے تھے۔ حمید کے ہونٹ سختی سے ایک دوسرے پر جمے ہوئے تھے اور قاسم کا منہ اب بھی پھیلا ہی ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسی حالت میں اس کی روح قبض کر لی گئی ہو۔ آنکھوں کی پتلیاں تک حرکت نہیں کر رہی تھیں۔

"کوئی مرا بھی یا نہیں۔" یک بیک مترنم سی آواز فضا میں گونجی اور وہ دونوں ہی چونک پڑے۔ حمید تیزی سے مڑا۔

وہ متوسط قد کی ایک خوبصورت لڑکی تھی۔ نسلاً دیسی ہی ہو سکتی تھی لیکن لباس مغربی طرز کا تھا۔

حمید نے لمبی سانس لی اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "اب تو دونوں ہی کو مردہ سمجھئے۔"

پھر اپنا چرمی ہینڈ بیگ اٹھانے کے لئے جھکا۔

لڑکی کے چہرے پر جھلاہٹ اور خوف کے ملے جلے آثار نظر آ رہے تھے۔ وہ تیزی سے قاسم کی گاڑی کی پشت پر آئی اور اس کے نمبر دیکھنے لگی۔

"میں رپورٹ درج کراؤں گی۔" اس کی آواز غصیلی تھی۔ "اندھے ہو کر ڈرائیو کرتے ہیں آپ نے اس طرح گاڑی کیوں روکی تھی۔"

"غاڑی..... غاڑی..... جی ہاں۔" قاسم نے خاموش ہو کر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ اس وقت اس کا حلیہ عجیب تھا۔ کبھی تو ایسا لگتا جیسے مسکرانے کی کوشش کر رہا ہو اور کبھی ایسا بُرا منہ بن جاتا جیسے بیچ سڑک پر سینکڑوں جوتے پڑ گئے ہوں۔

"اس جھٹکے نے میرے اعصاب پر بُرا اثر ڈالا ہے۔" وہ دانت پیس کر بولی۔ "میں ضرور رپورٹ درج کراؤں گی..... اس طرح آدمی کا ہارٹ فیلیور بھی ہو سکتا ہے۔"

"ججج..... جی ہاں..... اور قیا۔" قاسم سر ہلا کر بولا۔

"جی.....!" لڑکی آنکھیں نکال کر دہاڑی۔ "آپ اتنے اطمینان سے اس کا اعتراف بھی کر رہے ہیں۔"

"گلتی کی معافی چاہتا ہوں۔" قاسم بلبلایا..... پھر دفعتاً حمید کی طرف دیکھ کر جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "اے تم بھی تو کچھ بولو۔"

وہ شدت سے نروس ہو گیا تھا اور اسے توقع تھی کہ حمید "معاملہ برابر" کر کے اُسے اس پھاڑ کھانے والی لڑکی سے نجات دلا دے گا۔ مگر حمید نے قطعی طور پر خاموشی اختیار کر لی تھی۔

"تم پرلے سرے کے بے حیا بھی معلوم ہوتے ہو۔" لڑکی بولی۔ "اس شخص کو اپنی طرف داری پر آمادہ کر رہے ہو۔ سے ابھی ختم ہی کر دیا ہوتا۔"

قاسم نے پھر بڑی بے بسی سے حمید کی طرف دیکھا لیکن حمید کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ وہ زندہ ہی ہے یا مر چکا۔

قاسم نے پلکیں جھپکائیں اور سوچا اب عافیت اسی میں ہے کہ خود بھی بیہوش ہی ہو جائے۔ لہٰذا اس نے سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر حلق سے ایسی ہی کراہ نکالی جیسے کسی گدھے نے ریکنے کیلئے اسٹارٹ لیا ہو اور پھر ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑ کر نشست کی پشت گاہ پر گردن ڈال دی۔

ایسا کرتے وقت منہ پھیلا رہ گیا تھا اس لئے اب اُسے بند کرنے کی بھی ہمت نہ پڑی۔

حمید بدقت تمام ہنسی ضبط کر سکا۔البتہ اب وہ لڑکی کے چہرے پر حیرت کے آثار دیکھ رہا تھا۔

''یہ کیا ہوگیا.....!'' وہ قاسم کو گھورتی ہوئی بولی۔

''شاک.....میرا خیال ہے کہ جھٹکے نے اس کے اعصاب پر بھی بُرا ہی اثر ڈالا تھا۔'' حمید نے تشویش کن لہجے میں کہا۔

''مگر اُس نے ایسی حرکت کی ہی کیوں تھی۔''

''خدا جانے.....!'' حمید نے شانوں کو جنبش دی۔ پھر جلدی سے بولا۔''اوہ کچھ کرنا چاہئے۔کہیں سچ مچ مر ہی نہ جائے۔موٹے آدمی.....ذرا.....مشکل ہی سے اس قسم کے شاک برداشت کر سکتے ہیں۔''

اُسے یاد آ گیا تھا کہ اس کے ہینڈ بیگ میں کونین مکسچر کی ایک شیشی بھی پڑی ہوئی تھی۔

بہر حال اُسے سوجھی.....اور قیامت کی سوجھی۔

ہینڈ بیگ سے شیشی نکال کر اس کا ڈھکن گھما ہی رہا تھا کہ لڑکی نے پوچھا۔''یہ کیا ہے۔''

''کونین مکسچر.....!'' حمید نے اتنی آہستگی سے کہا کہ قاسم نہ سن سکے۔وہ تو جانتا ہی تھا کہ موقع کی نزاکت ہی نے اُسے بیہوش ہونے پر مجبور کیا ہوگا۔

''بھلا اس سے کیا ہوگا۔'' لڑکی نے حیرت ظاہر کی۔

''مرنے کے بعد کم از کم ملیریا سے تو محفوظ ہی رہے گا۔'' حمید نے کہا اور آگے بڑھ کر پوری شیشی اس کے منہ میں انڈیل دی۔

پھر تو ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کوئی گوریلا سوتے سے چونک کر پاگل ہوگیا ہو۔

پہلے حلق سے ایک طویل ''خرخراہٹ'' بلند ہوئی تھی اور پھر وہ اوبکائیاں لیتا ہوا سیدھا ہوگیا تھا۔

''ابے.....اُوع.....اُوع.....سالے.....سالوع.....غاؤں.....ارے باپ رے.....زوع.....!''

گاڑی کا دروازہ کھول کر اس نے باہر نکلنے کی کوشش کی۔لیکن بوکھلاہٹ میں منہ کے بل

نیچے چلا آیا۔

لڑکی بے تحاشہ ہنس رہی تھی۔مگر حمید ایسا منہ بنائے کھڑا تھا جیسے اس سے کوئی بڑی حماقت سرزد ہوئی ہو۔ یک بیک قاسم اٹھ کر اس کی طرف جھپٹا اور حمید اچھل کر بھاگا۔ قاسم کچھ اس درجہ بدحواس ہوگیا تھا کہ اپنے ڈیل ڈول کا بھی احساس نہ رہا اور اس نے باقاعدہ طور پر دوڑ لگانے کی ٹھان لی.....کچھ دور تک دوڑا بھی،لیکن حمید کو پالینا کم از کم اس کے بس کا روگ تو نہیں تھا۔ جھلاہٹ بڑھ گئی اور پھر اُس نے دوڑتے ہی دوڑتے جھک کر پتھر اٹھانے کی کوشش کی اور ایک بار پھر ڈھیر ہوگیا۔

اس کے حلق سے مختلف قسم کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ خالص قسم کی گالیاں ہی رہی ہوں،مگر قاسم کو اتنا ہوش کہاں تھا کہ ذہن میں آئی ہوئی گالیاں زبان کی جنبش کا ساتھ دے سکتیں۔

وہ پھر اٹھا اور اس بار اس نے حمید پر پتھر برسانے شروع کر دیئے۔حمید بائیں جانب کھیتوں میں اترتا چلا گیا تھا۔قاسم جھکتا دونوں ہاتھوں سے پتھر سمیٹتا اور جب سیدھا کھڑا ہوتا تو ہاتھ میں صرف ایک ہی پتھر رہ جاتا بقیہ نیچے جا گرتے۔ ایک پتھر پھینک کر وہ پھر جھک پڑتا۔ بالکل پاگلوں کی سی حالت تھی۔

تقریباً دس منٹ تک یہی کچھ ہوتا رہا۔ پھر حمید نے محسوس کیا کہ لڑکی جا چکی ہے۔ کھیل کی دلچسپی ختم ہوگئی۔ اس نے سوچا کہ اب اس ارنے بھینسے کو قابو میں لانا چاہئے ورنہ یہیں صبح بھی ہوجائے گی۔

''بس.....بس.....صاحبزادے۔'' حمید ہاتھ اٹھا کر چیخا۔''وہ چلی گئی۔''

''میں تمہیں مار ڈالوں غا۔'' قاسم ہانپتا ہوا بولا۔وہ بُری طرح تھک گیا تھا اور خود بھی یہی چاہتا تھا کہ معاملہ کسی طرح رفع دفع ہوجائے لیکن خود سے ہاتھ روک لینا بھی شان کے خلاف تھا۔

''ابے سمجھنے کی کوشش کیا کرو۔بس چڑھ دوڑے بھینسوں کی طرح۔'' حمید آگے بڑھتا ہوا بولا۔

''میں کچھ نہیں سمجھوں غا.....تم سالے دغاباز ہو۔''

"مگر تم نے اس طرح گاڑی روکی ہی کیوں تھی۔"

"اچھا کیا تھا..... پھر روقوں غا..... دیکھتا ہوں تو تی سالا کیا کر لیتا ہے۔"

"سالی.....!" حمید نے تصحیح کی۔ "وہ رپورٹ ضرور درج کرائے گی۔ نمبر نوٹ کر کے لے گئی ہے اور تم مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔ شہر ہی کی طرف گئی ہے۔ پرنسٹن کا تھانہ راستے میں پڑے گا۔ سمجھے بیٹا! بس اب نکل چلو۔"

حمید قریب آتا جا رہا تھا۔ ادھر پھر قاسم کا ذہن منہ کی کڑواہٹ کی طرف منتقل ہو گیا تھا اور پھر "تھو تھو..... اُوع اُوع.....!" اسٹارٹ ہو گئی تھی۔ اور وہ اُکڑوں بیٹھنے کی کوشش کرتا ہوا ایک بار پھر ڈھیر ہو گیا تھا۔ حمید نے قریب پہنچ کر اُسے اٹھایا۔

"ہائے..... میری تقدیر ہی گوبر ہو گئی ہے۔" قاسم ہانپتا ہوا کراہا۔ بُرا سا منہ بنا کر اوبکائی لی..... اور پھر دونوں ہاتھوں سے سر پیٹتا ہوا بولا۔ "نہ گھر میں چین نہ باہر چین..... اور ہائے یہ سالا..... ڈیبٹ کریڈٹ..... سالے ابا جان کب تک زندہ رہو گے۔"

"جب تک میرا دل چاہے گا زندہ رہوں گا۔"

"نہیں جلد ہی مرو گے۔" قاسم نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ پھر سنبھل کر بولا۔ "قیا قہا۔"

"کچھ نہیں..... چلو..... تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں معلوم ہوتی۔ واقعی ایسی زندگی سے تو یہی بہتر ہے کہ تم مر ہی جاؤ۔"

"اور قیا..... آں..... قیوں! ابے تم خود مر جاؤ..... چلے ہیں تیل پر پانی چھڑکنے.....!"

"جلتی پر تیل چھڑکنا محاورہ ہے۔" حمید بولا۔

"تیل پر ٹھینگا چھڑکنا محاورہ ہے..... تمہارے باپ سے مطلب۔" قاسم حلق پھاڑ کر دہاڑا۔ "تم نے مجھے قیا پلا دیا تھا..... اُوع..... آخ تھو..... تھوع۔"

"چلو..... گاڑی ہٹاؤ بیٹا! تم نے سڑک روک رکھی ہے.....!" حمید اس کے شانے پر تھپکی دیتا ہوا بولا۔ "طاقت کی دوائی پلائی تھی..... ورنہ ہارٹ فیل ہو جاتا۔"

قاسم بُرا سا منہ بنائے بڑبڑاتا ہوا سہہ راہے کی طرف چلنے لگا۔ منہ کی کڑواہٹ بڑھتی ہی

جا رہی تھی۔

"ارے.....!" یک بیک حمید اچھل پڑا۔

"قیا ہوا.....!"

مگر حمید کے تو حواس ہی غائب ہو چکے تھے۔ وہ قاسم کے سوال کا جواب کیا دیتا۔ ہینڈ بیگ غائب تھا۔ وہ اُسے موٹر سائیکل کی ٹنکی ہی پر چھوڑ گیا تھا۔

اُسے اُن کاغذات کا خیال آیا جو اُس نے فریدی کیلئے ایک آفیسر سے حاصل کئے تھے۔ وہ قاسم کو چھوڑ کر تیزی سے سہہ راہے کی طرف جھپٹا۔ لیکن مایوسی ہی ہوئی۔ ہینڈ بیگ حقیقتاً غائب تھا۔ قاسم کی گاڑی بھی دیکھ ڈالی..... مگر وہاں کہاں ملتا۔ اُسے اچھی طرح یاد تھا کہ وہ اُسے اپنی آٹو سائیکل کی ٹنکی ہی پر چھوڑ گیا تھا۔

"تو پھر..... وہ لڑکی.....!"

"اے..... قیا ہوا..... بتاتے کیوں نہیں۔" قاسم نے قریب پہنچ کر پوچھا۔

"میرا ہینڈ بیگ۔"

"میں قیا جانوں۔"

"ابے تو تجھ سے کون پوچھ رہا ہے۔" حمید جھلا گیا۔

اس نے موٹر سائیکل سنبھال لی۔ اُسے یقین تھا کہ ہینڈ بیگ لڑکی ہی لے گئی ہے۔ اس نے اسے شہر والی سڑک پر گاڑی موڑتے دیکھا تھا۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ بھی شہر کی ہی طرف جا رہا تھا۔ یہ سوچے بغیر کہ اتنی تیز رفتاری کسی حادثے کا باعث بھی بن سکتی ہے۔

گرفتاری

دوسری شامت اور اس شامت کا تعلق بھی قاسم ہی کی ذات سے تھا۔حمید کی روانگی اس طرح ہوئی تھی کہ قاسم کے فرشتے بھی اس کا تعاقب نہ کر سکتے۔

بہر حال کچھ دیر بعد وہ بھی شہر ہی کی طرف پلٹا اور بہت محتاط ہو کر ڈرائیو کر رہا تھا۔

ضرورت ہی کیا تھی کہ وہ فریدی کی کوٹھی کا رخ کرتا؟ مگر معاملہ تھا ایک خوبصورت لڑکی کا جو حمید کا ہینڈ بیگ لے بھاگی تھی اس لئے آگے کی کہانی بہر حال دلچسپی سے خالی نہ ہوتی اور پھر وہ ایک ایسی لڑکی تھی جس نے قاسم کو بھی تو بے تحاشہ سنائی تھیں۔

اتنی عقل وہ بھی رکھتا تھا کہ ہینڈ بیگ لڑکی ہی لے گئی ہوگی۔ وہاں اور تھا ہی کون! کوئی چوتھا آدمی ہوتا تو یہ جاننے کی کوشش ضرور کرتا کہ کار اور موٹر سائیکل کے مالک کہاں گئے۔

بہر حال وہ اس وقت کوٹھی میں پہنچا، جب فریدی فون کے قریب بیٹھا حمید کے بارے میں کسی اطلاع کا منتظر تھا۔

اس نے اسے اندر ہی بلوالیا۔ قاسم آنے کو تو چلا آیا تھا، کارڈ بھی اندر بھجوا دیا تھا کہ حمید موجود ہے یا نہیں۔ ملازم اُسے اچھی طرح پہچانتا تھا اس لئے کارڈ لیتے وقت اس نے بھی نہیں پوچھا تھا کہ اُسے کس سے ملنا ہے۔

اچانک فریدی کا سامنا ہوا اور قاسم بوکھلا گیا اور چھوٹتے ہی اس کی زبان سے نکلا۔ ''ہینڈ بیگ ملا یا نہیں۔''

''کیسا ہینڈ بیگ۔''

''او..... ہی ہی ہی..... حمید بھائی نے نہیں بتایا کیا۔''

''بیٹھ جاؤ۔'' فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

قاسم نروس ہو گیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ پتہ نہیں فریدی کو حالات کا علم تھا یا نہیں۔ بہر حال اس نے کسی قدر سنبھلتے ہوئے پوچھا۔ ''حمید بھائی کہاں ہیں؟''

''کسی ہینڈ بیگ کے متعلق تم نے پوچھا تھا۔'' فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''اوہ..... جی ہاں..... وہ ایک لونڈیا..... اررہپ..... لڑکی لڑکی..... جی ہاں وہ لے بھاگی تھی حمید بھائی کا ہینڈ بیگ۔''

''کب کی بات ہے۔''

''آج کی..... ابھی کی..... حمید بھائی.....!''

''تمہیں کیسے علم ہوا۔''

بدقت تمام اس نے پوری کہانی اگلوائی اور اس کے چہرے پر گہری تشویش کے آثار نظر آنے لگے۔ آخر اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔ ''لڑکی کا حلیہ بتا سکو گے۔''

''جی بڑی خوبصورت تھی!'' قاسم نے جلدی سے کہا اور دانت نکال دیئے۔

''یہ حلیہ ہے۔''

''اللہ قسم بڑی خوبصورت تھی۔ حمید بھائی سے پوچھ لیجئے گا۔ میں جھوٹ قیوں بولنے لگا۔''

''شہر میں ہزاروں خوبصورت لڑکیاں ہوں گی۔ کوئی ایسی خاص بات بتاؤ جس کی بناء پر اسے پہچانا جا سکے۔''

''خاص بات..... خاص بات۔'' قاسم یاد داشت پر زور دیتا ہوا بولا۔ ''جی خاص بات قیا بتاؤں..... بس نیچے سے اوپر تک سب خاص ہی باتیں تھیں۔''

فریدی نے ایک طویل سانس لی اور شدید ترین الجھنوں کے باوجود بھی مسکرا پڑا۔

''اچھا تو اس کی گاڑی ہی کے متعلق بتاؤ کہ کس قسم کی تھی۔'' اس نے کہا۔

''سرخ رنگ کی اسپورٹس کار تھی شائد۔ جی ہاں وہی تھی..... اور لڑکی کا لباس بھی سرخ ہی تھا..... سرخ اسکرٹ۔''

''غیر ملکی تھی۔''

''جی نہیں۔'' اردو میں باتیں کر رہی تھی۔

’’میں پوچھ رہا ہوں وہ دیسی تھی یا غیر ملکی۔ بہتیرے غیر ملکی دوسری زبانوں کے لہجوں پر بھی قادر ہوتے ہیں۔‘‘

’’ملبلقل دیسی تھی..... جی ہاں..... دیسی ہی تھی۔‘‘

’’حمید تارجام ہی کی طرف واپس گیا تھا یا شہر کی جانب۔‘‘

’’شہر ہی کی طرف آئے تھے۔‘‘

’’کیا وقت رہا ہوگا۔‘‘

’’شام تھی..... سورج غروب نہیں ہوا تھا۔ کیا کوئی گھپلے والی بات ہے قرنل صاحب۔‘‘

’’بس اب تم جاؤ..... اس واقعہ کا تذکرہ اگر کسی سے کیا تو نتیجے کے تم خود ذمہ دار ہوگے۔‘‘ فریدی نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ اس وقت آٹھ بج رہے تھے۔

’’یعنی کہ..... مم..... مطلب.....!‘‘

’’کچھ نہیں۔‘‘ فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ’’اگر ضرورت پیش آئی تو باقاعدہ طور پر تمہارا بیان لیا جائے گا اس سے پہلے تم ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نہیں نکالو گے۔‘‘

’’جی اچھا..... مم..... مگر حمید بھائی کہاں ہیں۔‘‘

’’اس فکر میں نہ پڑو..... جاؤ! جو کچھ میں نے کہا ہے اس کے خلاف نہ ہونے پائے۔‘‘

قاسم کے جانے کے بعد اس نے فون پر ایکسچینج سے ’’طویل فاصلے‘‘ کی کال کیلئے کہا۔

’’تارجام۔‘‘

’’اوکے سر.....!‘‘ دوسری طرف سے آواز آئی۔ لائن اتفاق سے خالی ہی مل گئی تھی۔

تارجام پولیس اسٹیشن سے رابطہ قائم کر کے اس نے انچارج کو مخاطب کیا۔ اس سے پہلے بھی ایک بار اس نے پوچھ گچھ کی تھی، لیکن اس بار سوالات کی نوعیت دوسری تھی۔

’’کسی نے حمید کو وہاں سے روانہ ہوتے بھی دیکھا تھا۔‘‘ اس نے پوچھا۔

’’اُوہ..... جی ہاں۔ میں ہی انہیں گیٹ تک چھوڑنے گیا تھا۔‘‘ دوسری طرف سے جواب ملا۔

’’کیا آس پاس سرخ رنگ کی کوئی اسپورٹس کار بھی موجود تھی۔‘‘

’’اسپورٹس کار..... کیوں؟ جی ہاں میرا خیال ہے کہ میں نے سرخ رنگ کی ایک اسپورٹس کار دیکھی تھی۔ گیٹ کے سامنے والے پمپنگ اسٹیشن پر..... غالباً وہ لڑکی پٹرول لے رہی تھی۔‘‘

’’لڑکی۔‘‘

’’اوہ جی ہاں۔‘‘ دوسری طرف سے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا گیا۔ ’’دیکھئے بات دراصل یہ ہے کہ شائد میں اس کار کی طرف دھیان بھی نہ دیتا لیکن لڑکی کا اسکرٹ بھی سرخ رنگ کا تھا۔‘‘

’’حمید کس وقت روانہ ہوا تھا وہاں سے۔‘‘

’’تین بجے۔‘‘

’’اچھا پونے تین بجے سے سوا تین بجے تک پٹرول لینے والی گاڑیوں کے نمبر حاصل کیجئے۔ ممکن ہے کسی نمبر کے متعلق یقین کے ساتھ بتایا جا سکے کہ وہ اسی اسپورٹس کار کا ہے۔ میرا خیال ہے کہ جس چیز نے آپ کی توجہ اس کی جانب مبذول کرائی تھی وہی پمپنگ اسٹیشن کے کسی کارندے کی یادداشت کو بھی جھنجھوڑ سکے گی۔‘‘

’’مگر وہ لوگ نمبر اور وقت کب نوٹ کرتے ہیں۔‘‘

’’کیا؟‘‘ فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔ ’’ان کا فرض ہے کہ وہ ایسا کریں۔ نہیں کرتے تو آپ اُن سے جواب طلب کر سکتے ہیں۔ مگر شائد آپ کو بھی اس سرکلر کا علم نہیں جو ساحلی علاقوں کے پمپنگ اسٹیشنوں کے لئے جاری کیا گیا تھا۔‘‘

’’مجھے نہیں معلوم جناب۔‘‘ لہجے میں ہچکچاہٹ تھی۔

’’یہ لاعلمی افسوس ناک ہے۔ خیر..... ہاں تو سنئے۔ تین ماہ پہلے ایسے تمام پمپنگ اسٹیشنوں کے لئے جو ساحلی علاقوں میں ہیں یہ احکامات جاری کئے گئے تھے کہ وہ گاڑی کے نمبر اور فلنگ کا وقت ضرور نوٹ کریں۔ ایسا نہ کرنا خلاف قانون سمجھا جائے گا۔‘‘

’’اوہ..... تب تو نمبر آسانی سے مل سکے گا۔‘‘

’’آدھے گھنٹے کے اندر درج کئے جانے والے نمبر کافی ہوں گے۔ اُن میں سے جو نمبر تارجام ٹریفک کے تحت ہوں ان کے متعلق معلومات حاصل کیجئے..... میرا خیال ہے کہ اس کام

کے لئے صرف ایک گھنٹہ کافی ہوگا اور اگر کسی نمبر کے متعلق وثوق کے ساتھ معلوم ہو سکے کہ اسی گاڑی کا ہے تو تار جام کی ٹریفک کے تحت نہ ہونے کی صورت میں فوراً مجھے آگاہ کیجئے۔"

"بہت بہتر۔"

فریدی نے سلسلہ منقطع کر کے قدرے توقف کے ساتھ پر کسی کے نمبر ڈائیل کئے۔

"ہیلو..... فریدی اسپیکنگ..... کیپٹن حمید لاپتہ ہے۔ فی الحال اسے شہر ہی میں تلاش کرو..... ہاں..... ہاں..... نہیں تفریح گاہوں میں پائے جانے کے امکانات نہیں ہیں۔"

سلسلہ منقطع کر کے اس نے سگار سلگایا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر لیڈی انسپکٹر ریکھا کے نمبر ڈائیل کئے۔ دوسری طرف سے فوری طور پر جواب ملا۔

"ہنری گیل کیس کا فائیل اس وقت تمہارے پاس ہے یا آفس میں۔" فریدی نے پوچھا۔

"فف فائیل۔" ریکھا ہکلائی پھر مضطربانہ انداز میں بولی۔ "میں بڑی مصیبت میں پھنس گئی ہوں کرنل۔ وہ فائیل میں نے آج ہی کھو دیا۔ اب میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کروں۔"

"چپ چاپ یہاں چلی آؤ۔ تمہیں پہلے ہی سے اطلاع دینی چاہئے تھی۔" فریدی پرسکون لہجے میں بولا۔

حمید آندھی اور طوفان کی طرح کراسنگ سے روانہ ہوا تھا۔ اس سے ایک غیر ذمہ دارانہ حرکت سرزد ہوئی تھی۔ اُسے ہینڈ بیگ کی طرف سے لاپرواہ نہ ہونا چاہئے تھا۔

کاغذات اہم رہے ہوں یا نہ رہے ہوں۔ بہرصورت اُس کی ذمہ داری اُسی وقت ختم ہوتی جب وہ فریدی تک پہنچ جاتے۔

کاغذات کے متعلق اُسے یقین تھا کہ وہ اہم ہی ہوں گے۔ ورنہ اُسے کیوں بھیجا جاتا۔

یہ کام تو محکمے کا ایک معمولی مینیجر بھی کر سکتا تھا۔

بہر حال وہ پاگلوں کی طرح ڈرائیو کرتا رہا اور لعنت بھیجتا رہا اپنے اس رجحان پر جس کی بدولت اس حادثے کا شکار ہوا تھا۔

یکے بعد دیگرے کئی خیالات اُس کے ذہن میں چکراتے رہے۔ اگر لڑکی نے کاغذات ہی کے لئے ہینڈ بیگ پر ہاتھ صاف کیا تھا تو وہ کوئی دوسرا طریقہ بھی اختیار کرتی۔ کچھ نہ کچھ سوچ کر ہی وہ اس کے پیچھے لگی ہوگی، اور یہ اتفاق ہی تھا کہ قاسم اس طرح آ کودا..... حالات نے لڑکی کا ساتھ دیا اور وہ کسی کدوکاوش کے بغیر ہی کاغذات پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہوگئی۔

مگر اب اس کا کیا حشر ہوگا۔ یہ بدحواسی کاغذات تک تو نہیں پہنچا سکتی۔ کیا راستے ہی میں کہیں وہ سرخ رنگ کی اس اسپورٹ کار کو پکڑ سکے گا؟ اگر نہیں..... تو..... یہ بھاگ دوڑ اُسے کہاں لے جائے گی۔ گاڑی کا نمبر بھی اس نے نہیں دیکھا تھا۔ شہر میں اسی شناخت اور رنگت کی سینکڑوں گاڑیاں ہوں گی۔

کچھ بھی ہو! وہ خالی ہاتھ فریدی کا سامنا نہیں کر سکتا۔ کس منہ سے اسے اطلاع دیتا کہ ایک لڑکی اُسے بیوقوف بنا گئی تھی۔ یہ ناممکن ہے۔ اس نے سوچا۔ وہ بذات خود فریدی کو اس کی اطلاع نہ دے سکے گا۔

موٹر سائیکل فراٹے بھرتی رہی۔ سڑک سنسان پڑی تھی۔ کہیں کہیں اِکا دُکا پیدل چلنے والے دیہاتی نظر آ جاتے اور حمید رفتار کم کر کے ان سے سرخ رنگ کی کسی گاڑی کے متعلق پوچھتا۔

پھر یک بیک اسے ایک ایسا آدمی نظر آ گیا کہ موٹر سائیکل روک ہی دینی پڑی۔ یہ بھی دیہاتی ہی تھا جس کے کاندھے پر رکھے ہوئے لٹھ کے سرے پر حمید کو اپنا ہینڈ بیگ جھولتا دکھائی دیا۔

ہینڈ بیگ کے حوالے پر وہ بوکھلا گیا اور اس نے بتایا کہ وہ ایک تیز رفتار گاڑی سے اس کے منہ پر کھینچ مارا گیا تھا۔

حمید نے تیزی سے ہینڈ بیگ کا جائزہ لے ڈالا۔ سب کچھ موجود تھا سوائے ان کاغذات کے..... کاغذات نکال لئے گئے تھے۔

وہ پھر چل پڑا..... دیہاتی کے بیان کے مطابق وہ اب بھی اس کی دسترس سے باہر
تھی۔ خیال تھا کہ شہر پہنچنے سے پہلے ہی وہ اُسے جالے گا۔

یک بیک اُسے قاسم پر بھی غصہ آنے لگا۔ آخر اس مردود نے اس طرح گاڑی روکی ہی
تھی؟ لیکن وہ مردود بھی فی الحال پہنچ سے باہر ہی تھا۔ ورنہ وہ اس کی حجامت بنا کر رکھ دیتا۔

اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ اس نے ہیڈ لیمپ روشن کر دیا لیکن اسپورٹس کار کا دور دور تک
نہیں تھا۔

وہ شہر میں بھی داخل ہو گیا اور پہلی ہی کراسنگ پر رک کر ٹریفک کانسٹیبل سے سرخ
کی اسپورٹس کار کے متعلق پوچھنے لگا۔

"ہاں..... سارجنٹ صاحب اُس کا پیچھا کر رہے ہیں۔" ٹریفک کانسٹیبل نے
گھورتے ہوئے کہا۔ "کیوں؟"

"کدھر گئی ہے۔"

ٹریفک کانسٹیبل نے بائیں جانب اشارہ کیا۔ مزید پوچھ گچھ کی ضرورت ہی نہیں تھی
غالباً تیز رفتاری کی بناء پر کسی ٹریفک سارجنٹ نے اُسے چیک کرلیا ہوگا۔ روکنے کی کوشش
ہوگی لیکن تعمیل نہ ہونے پر اس کا تعاقب کرنا پڑا ہوگا۔

حمید نے اپنی گاڑی بائیں جانب موڑ دی۔ ایک ہی فرلانگ کے بعد سڑک کے کنارے
بھیڑ نظر آئی..... سرخ اسپورٹس کار کی جھلکیاں بھیڑ کے اندر سے بھی نظر آ رہی تھیں۔ حمید
اطمینان کا سانس لیا اور موٹر سائیکل بھیڑ کے قریب ہی روکی۔ ٹریفک سارجنٹ اپنی کاپی پر
لکھ رہا تھا اور ایک بھدی سی وضع کا بے ہنگم آدمی اُس کے قریب کھڑا زیرِ لب بڑبڑا رہا تھا۔

حمید موٹر سائیکل چھوڑ کر گاڑی کی طرف بڑھا۔ لیکن وہ لڑکی تو کہیں بھی نہ دکھائی دی۔

"لڑکی کہاں ہے۔" حمید نے قریب پہنچ کر پوچھا۔

سارجنٹ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ شائد وہ اسے پہچانتا تھا۔

اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی لیکن پھر وہ سنجیدگی سے بولا۔ "آپ

لڑکی کے متعلق پوچھ رہے ہیں جناب۔"

"جو گاڑی ڈرائیو کر رہی تھی۔"

"لڑکی....." اس نے حیرت سے کہا۔ "جی نہیں۔ یہ گاڑی تو یہ حضرت ڈرائیو کر رہے تھے۔"

حمید نے قریب کھڑے ہوئے آدمی کو غور سے دیکھا۔ یہ ایک بدشکل یوریشین تھا۔

"یہ گاڑی ایک لڑکی ڈرائیو کر رہی تھی۔" حمید نے آنکھیں نکال کر سخت لہجے میں کہا۔

یوریشین نے ٹھنڈی سانس لی اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "اب تو اس مصیبت میں
پھنس ہی گیا ہوں۔ آپ مجھے لڑکی بھی سمجھ سکتے ہیں جناب۔"

"میں تمہاری کھال بھی کھینچ سکتا ہوں۔ سارجنٹ اسے روکے رکھو۔ میں گاڑی کی تلاشی
لوں گا۔"

پچھلی سیٹ پر اُسے پرانے کاغذات میں لپٹی ہوئی کوئی چیز نظر آئی۔ اس نے اُسے اٹھا کر
اخبار کی تہہ کھول ڈالی اور دوسرے ہی لمحے میں اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

یہ ایک فائل تھا جس پر اس کے محکمے کی مہر تھی اور اوپر نیلی روشنائی سے "ہنری گیل
کیس" تحریر تھا۔ فائل کھولنے پر دوسرے کاغذات کے درمیان وہ لفافہ بھی مل گیا جو اس کے
بیگ سے اڑایا گیا تھا۔ اس نے فائل کو دوبارہ اخبار میں لپیٹ کر سیٹ ہی پر ڈال دیا اور
سارجنٹ سے بولا۔

"یہ آدمی زیرِ حراست ہے۔"

"کیوں جناب؟" یوریشین کا لہجہ غصیلا تھا۔

"اس کا جواب تمہیں حوالات ہی میں مل سکے گا۔" حمید نے کہا۔ پھر سارجنٹ سے بولا۔

"پرنسٹن کے سیکنڈ آفیسر کو دو کانسٹیبلوں سمیت یہاں بھیج دو۔ میرا نام لینا۔"

"میں چالان لکھ چکا ہوں جناب۔" سارجنٹ بولا۔

"پرواہ مت کرو! وہ تمہارا کیس ہے۔ اس نے اپنا نام کیا لکھوایا ہے۔"

"ہنری گیل.....!"

حمید اچھل پڑا۔ تو یہ ہنری گیل تھا جس کے خلاف اس کا محکمہ ان دنوں گہری تفتیش کر
تھا۔ حمید کو اس کیس کے متعلق تفصیلات کا علم نہیں تھا۔ مگر اتنا تو جانتا ہی تھا کہ اس کے خلا
ابھی تک اس قسم کے ثبوت مہیا نہیں ہو سکے تھے جن کی بناء پر اُسے گرفتار کیا جا سکتا۔

بیس منٹ کے اندر ہی اندر ہنری گیل کو سرخ کار سمیت پرنسٹن اسٹریٹ کے تھانے پ
پہنچا دیا گیا۔

• حمید نے تھانے ہی سے فریدی کو فون کیا اور دوسری طرف سے اُسے لیڈی انسپکٹر ر
کی آواز سنائی دی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ وہ ہولڈ آن کرے۔ فریدی باہر جانے کے لئے لبا
تبدیل کر رہا ہے۔ ریکھا نے اس کی آواز پہچان لی تھی اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہی تھی
وہ کہاں اور کس حال میں ہے۔ حمید نے اُسے کچھ نہ بتایا۔ لیکن اندازہ کر لیا کہ فریدی حالا
سے آگاہ ہو چکا ہے۔ ویسے اس وقت کوٹھی میں ریکھا کی موجودگی اس کیلئے متحیر کن ضرور تھی۔

چند لمحوں کے بعد فریدی کی آواز آئی اور حمید نے چھوٹتے ہی کہا۔ "میں نے ہنری گیل
حراست میں لے لیا ہے۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "جہاں کہیں بھی ہو فوراً واپ
آؤ۔ مجھے حالات کا علم ہو چکا ہے۔"

"اب دوسرے حالات ہیں۔" حمید بولا۔ "کیا آپ پرنسٹن کے تھانے تک آنا پسن
کریں گے۔ ہنری گیل کو ایسے مواد سمیت گرفتار کیا ہے کہ اُسے دنیا کی کوئی عدالت بری
کر سکے گی۔ اوہ..... آپ فکر نہ کیجئے۔ شائد آپ کو قاسم سے اطلاع ملی ہو۔ مگر اس وقت و
کاغذات بھی میرے ہی قبضے میں ہیں جو میں نے تارجام میں حاصل کئے تھے۔"

"اچھا..... ٹھہرو..... میں آ رہا ہوں۔" فریدی نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

حمید نے ریسیور کریڈل میں ڈال کر ایک طویل سانس لی۔

ہنری گیل حوالات کا سلاخوں دار دروازہ ہلا ہلا کر چیخ رہا تھا۔ "مجھے کیوں بند کیا گ
ہے..... یہ دھاندلی نہیں چلے گی۔"

دھواں

پرنسٹن کا سیکنڈ آفیسر کئی بار دانت پیس کر اٹھا تھا لیکن حمید نے اسے روک دیا تھا۔ وہ نہیں
چاہتا تھا کہ فریدی کی آمد سے قبل ہنری گیل پر کسی قسم کی سختی کی جائے۔ ویسے اس کا غل غپاڑہ
اسے بھی بے حد گراں گذر رہا تھا۔

پھر فریدی کی آمد پر گیل نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ فریدی نے گیل سے گفتگو کرنے
سے پہلے سارے حالات سنے تھے اور اب وہ سلاخوں کے قریب کھڑا اُسے گھور رہا تھا۔ گیل کبھی
اس کی طرف دیکھتا اور کبھی نظریں چرانے لگتا۔

بالآخر اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "مجھے حراست میں لینے کی وجہ بتائی جائے۔"

"تمہاری گاڑی سے ایک ایسا فائیل برآمد ہوا ہے جو میرے محکمے کے ایک دفتر سے چرایا
گیا تھا۔" فریدی نے آہستہ سے جواب دیا۔

"تو اب یہ چال چلی گئی ہے مجھے پھانسنے کے لئے۔" گیل غرایا۔

لیکن فریدی نے اس کے لہجے کی پرواہ کئے بغیر اپنی آواز میں نرمی برقرار رکھی۔ اس نے
کہا۔ "کیپٹن حمید نے آج تارجام میں ایک آفیسر سے کچھ ایسے کاغذات حاصل کئے تھے جن
کے ذریعہ تمہارے خلاف کافی ثبوت ملنے کے امکانات تھے لیکن ایک لڑکی نے اسے دھوکا دے کر
وہ کاغذات اسکے بیگ سے نکال لئے اور وہ کاغذات بھی تمہاری ہی گاڑی سے برآمد ہوئے ہیں۔"

"لڑکی.....!" گیل آہستہ سے بڑبڑایا۔ اب اس کی آنکھوں میں غصے کی لہروں کی
بجائے استعجاب کی جھلکیاں نظر آ رہی تھیں

فریدی پھر بولا۔ "وہ لڑکی اسی گاڑی میں تھی اور اس نے تارجام سے کیپٹن حمید کا تعاقب
شروع کیا تھا وہ اسی رنگ کے اسکرٹ میں تھی جس رنگ کی کار ہے۔"

"اوہ.....!" گیل کی آنکھیں پھیل گئیں اور وہ پلکیں جھپکائے بغیر فریدی کی طرف دیکھتا رہا۔

"تمہیں علم ہے کہ ہم تمہاری سماج دشمن سرگرمیوں کے متعلق تفتیش کر رہے تھے۔ یہ فائیل

بھی اس سے متعلق ہے.....اور یہ بھی چرایا گیا تھا۔"

"مم.....میں اب ڈوب گیا کرنل۔" گیل اس طرح بیٹھتا ہوا بولا جیسے یک بیک سر چکرا گیا ہو۔

"تم غلط نہیں کہہ رہے۔" فریدی مسکرایا۔ "اب ہم تمہاری گرفتاری کے لئے معقول جواز رکھتے ہیں، جن سرگرمیوں کے الزام میں ہم تمہیں گرفتار کرنا چاہتے ہیں ان کے متعلق ابھی تک واضح ثبوت نہیں فراہم کر سکے تھے اب یہ مسئلہ بھی آسان ہو جائے گا۔"

"کاش میں اس سؤر کے بچے سے واقف ہوتا۔" گیل دانت پیس کر بڑبڑایا۔ پھر سنبھل کر بولا۔ "میری کہانی پر یقین نہیں کیا جائے گا۔ میں جانتا ہوں۔ یہ بھی جانتا ہوں کہ اب رہائی ناممکن ہے۔ پھر بھی میں صفائی پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔ بُری طرح پھنس گیا ہوں.....اے خدا.....شائد میرے فرشتے بھی نہ سوچ سکتے کہ زینی اسی سؤر کے بچے کی ایجنٹ ہوگی۔"

"آہا.....تو کوئی کہانی بھی ہے۔" فریدی مسکرایا۔

اتنے میں حمید نے آگے بڑھ کر کہا۔ "مجھے اجازت دیجئے..... مجھے اپنے ذہن کی اوور ہالنگ کرنی ہے۔ آج کا دن بھی یادگار ہی تھا۔"

"تم جا سکتے ہو۔" فریدی نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ پھر گیل سے بولا۔ "اس کی پرواہ نہ کرو کہ مجھے تمہاری کہانی پر یقین آئے گا یا نہیں۔ شروع ہو جاؤ میں سب کچھ سننے پر تیار ہوں۔"

گیل نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا۔ اب وہ للچائی ہوئی نظروں سے فریدی کے سگار کی طرف دیکھ رہا تھا۔ بالآخر اس نے کہا۔ "کیا مجھے ایک سگریٹ مل سکے گی۔"

"اصول کے خلاف ہے۔ سلاخوں کے باہر ضرور مل سکتی۔"

"خیر.....میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہنا چاہتا کہ مجھے پھانسا گیا ہے۔ یا تو تم ہی لوگوں نے پھانسا ہے یا پھر اس سؤر کے بچے نے۔"

"سؤر کا بچہ.....صرف سؤر کا نہیں کہلاتا۔" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔ "پالنے والے اکثر کوئی نام بھی رکھتے ہیں۔"

"میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہے.....!"

"بڑی پرانی کہانی ہے گیل۔" فریدی نے طویل سانس لی۔ "کان پک گئے ہیں سنتے سنتے۔ ابھی کچھ ہی دن ہوئے سر سجاد نے بھی ایسی ہی ایک کہانی سنائی تھی لیکن کیا تم یقین کرو گے کہ اس کے لئے پھانسی کا پھندا تیار کیا جا چکا ہے۔"

گیل کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر کچھ دیر بعد بولا۔ "مجھے علم ہے۔ اُس نے آپ کو دھوکا دینے کی کوشش کی تھی۔ اگر ایسا ہی ہوا تو مجھے پھانسی کا پھندا قبول کرتے وقت قطعی افسوس نہ ہوگا.....ہاں ٹھیک ہے میری کہانی سر سجاد کی کہانی سے مختلف نہیں ہے۔"

"میرے پاس وقت کم ہے۔" فریدی نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"وہ ایک بلیک میلر ہے۔"

فریدی نے پھر طویل سانس لی۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ گیل کہتا رہا۔ "وہ ایسے لوگوں کو بلیک میل کرنے کی کوشش کرتا ہے جن کے خلاف پولیس کوئی ثبوت نہیں فراہم کر سکتی۔ تاک میں رہتا ہے کہ کب کسی کے خلاف پولیس تفتیش شروع کرے اور وہ اُسے بلیک میل کرنا شروع کر دے، اسکے پیغامات فون ہی پر ملتے ہیں۔ مجھ سے بھی اس نے کہا تھا کہ پولیس ابھی تک میرے خلاف ثبوت نہیں مہیا کر سکی، لیکن وہ مجھے گرفتار کرا سکتا ہے۔ ایسے ثبوت مہیا کر سکتا ہے کہ پولیس فوراً ہی ہتھکڑیاں لگا دے۔ اس نے مجھ سے پچاس ہزار کا مطالبہ کیا تھا.....میں نے دھتکار دیا۔"

"تم ایسے ہی چالاک ہو۔" فریدی سر ہلا کر بولا۔

"یقیناً.....!" گیل مسکرایا۔ "میرا دعویٰ ہے کہ جن الزامات کے تحت میرے خلاف تفتیش کی جا رہی ہے وہ قطعی غلط ہیں۔"

"ہاں.....آں۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "فی الحال انہیں تو الگ ہی رکھو۔"

"رکھنا ہی پڑے گا۔ کیونکہ میری کار سے ایسے کاغذات برآمد ہوئے ہیں جو آپ کے محکمے سے چرائے گئے تھے اور کاغذات بھی کیسے.....جن کا تعلق خود میرے ہی کیس سے تھا۔ میں نے اُسے دھتکار دیا تھا۔ اس لئے سلاخوں کے پیچھے نظر آ رہا ہوں۔ اب اس کا بزنس خوب چمکے

گا۔ دوسرے ڈریں گے، اور چپ چاپ بلیک میل ہوتے رہیں گے۔"

"کار تمہاری ہی ہے۔"

"جی ہاں! زینی نے مجھے فریب دیا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ اپنے ایک دوست کو بیوقوف بنانا چاہتی ہے۔ لہٰذا میں نیا گرا والی سڑک پر اُس کا انتظار کروں..... میرے پاس دو گاڑیاں ہیں۔ ایک یہ اسپورٹس کار اور ایک بڑی گاڑی۔ سپورٹس کار وہ لے گئی تھی..... اسکیم یہ تھی کہ وہ اپنے ایک دوست کا تعاقب کرتی ہوئی اُس جگہ تک آئے گی، جہاں مجھے اس کا انتظار کرنا تھا۔ اس کا دوست موٹر سائیکل پر ہوگا اپنی اسپورٹس کار اُس کے پیچھے دیکھ کر میں سمجھ جاؤں گا کہ اسی آدمی کو روکنا ہے۔ اُس نے یہ بھی کہا تھا کہ خواہ کتنی ہی دیر کیوں نہ ہو جائے میں اس کا انتظار کرتا رہوں۔ مگر یہ نہیں بتایا کہ اس کا مقصد کیا ہے۔ میں اس کے دوست کو کیوں روکوں! اور وہ صرف تعاقب ہی پر کیوں اکتفا کرے گی اور وہاں کیوں رکوانا چاہتی ہے۔ بہر حال وہ تقریباً پانچ گھنٹے کے بعد وہاں پہنچی تھی۔ میں سڑک کے کنارے اپنی دوسری گاڑی میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ تنہا تھی اور کچھ پریشان سی نظر آرہی تھی۔ موٹر سائیکل پر کوئی ایسا آدمی نہیں تھا جسے مجھے روکنا پڑتا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں جلدی سے اسپورٹ کار میں بیٹھ کر شہر کی طرف روانہ ہو جاؤں۔ اس سے ایک ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے..... وہ میری دوسری کار میں پھر تارجام ہی کی طرف واپس جائے گی تا کہ سچویشن کا اندازہ کر سکے۔ اس کی ہیجانی کیفیت دیکھ کر میں بھی نروس ہو گیا تھا۔ میں نے بڑی گاڑی چھوڑ دی اور اسپورٹس کار میں بیٹھ کر شہر کی طرف چل پڑا۔ میں آپ سے کیا بتاؤں..... یہ کتنا بڑا گدھا پن تھا۔ میرے اس فعل میں قوت فیصلہ کو دخل نہیں تھا۔ بس اسے اضطراری حرکت ہی کہوں گا۔ راستے میں مجھے خطرے کا احساس ہوا لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ وہ تارجام کی طرف واپس جا چکی تھی۔ میں نے سوچا کہ بس مارا مار گھر پہنچ جاؤں۔ پتہ نہیں وہ کیا کر کے آئی ہو۔ تیز رفتاری کی بناء پر ایک چوراہے پر مجھے رکنے کا سگنل بھی ملا تھا لیکن میں اتنا نروس ہو چکا تھا کہ اس کی طرف دھیان تو دیا لیکن گاڑی نہ روک سکا۔ بالآخر سارجنٹ نے تعاقب کر کے مجھے روکا۔ اور..... اور یہ مصیبت نازل ہو گئی۔"

فریدی چند لمحے خاموشی سے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ "وہ کس قسم کے لباس میں تھی۔"

"زرد رنگ کی ساری میں۔ کبھی میں نے اس سے کہا تھا کہ وہ زرد رنگ میں بہت اچھی لگتی ہے۔ لہٰذا وہ ہمیشہ زرد ہی ساری میں مجھ سے ملتی ہے۔"

"نہیں..... واپسی پر وہ کس لباس میں تھی۔"

"اُسی ساری میں جناب۔"

"لیکن کیپٹن حمید نے اُسے سرخ اسکرٹ میں دیکھا تھا۔"

"اب تو فراڈ ہی ٹھہرا..... سب کچھ ممکن ہے۔" گیل نے ٹھنڈی سانس لی۔

"تم بہت چالاک آدمی ہو! کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ اس طرح بیوقوف بن گئے ہو۔"

"میری شکل دیکھئے۔ آج تک کسی بدصورت لڑکی نے بھی میری پرواہ نہیں کی۔ وہ مجھ سے مانوس ہو گئی تھی۔ بچوں کی سی حرکتیں کرتی تھی اور مجھے ذہن پر زور دیئے بغیر سب کچھ برداشت کرنا پڑتا تھا۔ اس کی ناز برداری کرنی پڑتی تھی۔ سنا ہے کہ ارسطو جیسے فلسفی کو بھی ایک بار ایک خوبصورت لڑکی نے گھوڑا بنا دیا تھا۔"

"وہ تم سے کب ملی تھی۔"

"چھ ماہ پہلے کی بات ہے۔"

"بلیک میلر کا پہلا پیغام کب ملا تھا۔"

"شائد پندرہ دن گذرے۔"

"بہر حال..... تم دونوں کے تعلقات قریبی تھے۔"

"ایسا نہ ہوتا تو وہ مجھے اُلو کیسے بنا سکتی۔"

"تمہارے ساتھ ہی رہتی تھی۔"

"جی نہیں..... شاپور بلڈنگ کے آٹھویں فلیٹ میں۔ یہ عمارت روکسی اسکوائر میں ہے۔"

فریدی نے پتہ نوٹ کیا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "اب تم اپنا یہی بیان لکھوا دو۔"

"میں تیار ہوں۔"

فریدی نے انچارج کو اشارہ کیا اور اپنی موجودگی ہی میں بیان لکھوا کر اُس پر گیل کے دستخط لیے۔

پھر تھوڑی دیر بعد وہ شاپور بلڈنگ کے قریب نظر آیا۔

حمید گھر پہنچتے ہی بستر پر ڈھیر ہو گیا اور سوچ رہا تھا کہ ان الجھنوں سے چھٹکارا پانے کے بعد بڑی شاندار نیند آنی چاہیے۔ اُسے اس کی فکر بھی نہیں تھی کہ ہنری گیل نے کس قسم کا بیان دیا ہوگا کیونکہ وہ تو یہی چیختا رہا تھا کہ اُسے زبردستی پھانسا گیا ہے۔

''جہنم میں جائے۔'' اس نے بڑبڑاتے ہوئے کروٹ بدلی اور ہاتھ بڑھا کر تپائی سے پائپ اٹھایا۔ پھر تمباکو کا ڈبہ بھی اٹھانے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اور وہ جھنجھلا کر اٹھ بیٹھا۔

ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں دہاڑا۔ ''ہیلو....!''

''اوہ....تو گھر ہی پر ہو۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''لیکن بے خبر سو رہا ہوں۔'' حمید دانت پیس کر بولا۔

''روکسی اسکوائر میں شاپور بلڈنگ ہے۔ اس کے آٹھویں فلیٹ میں فوراً پہنچو۔''

''پہنچ گیا۔'' اس نے جھلا کر ریسیور پٹخ دیا۔

کال فریدی کی تھی اس لئے اٹھنا ہی پڑا۔ دوسری طرف وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ فریدی پرنسٹن کے تھانے سے یک بیک روکسی اسکوائر کیسے جا پہنچا۔

تقریباً بیس منٹ بعد وہ بھی روکسی اسکوائر کی اسی سڑک پر نظر آیا جس پر شاپور بلڈنگ واقع تھی۔

آٹھویں فلیٹ میں داخل ہوتے وقت اس نے دستک دے کر کسی سے اجازت طلب

کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی اندر موجود ہوگا ورنہ فلیٹ ہی میں پہنچنے کے لئے کیوں کہتا۔

فریدی کے علاوہ اُسے وہاں اور کوئی بھی نہ دکھائی دیا۔ وہ ایک سوٹ کیس کھولے ہوئے کپڑوں کی تہیں الٹ رہا تھا۔

''دروازہ بند کر کے بولٹ کر دو۔'' اس نے سر اٹھائے بغیر کہا۔

حمید دروازہ بند کر کے مڑا۔ فریدی سوٹ کیس کو فرش ہی پر چھوڑ کر اٹھ گیا تھا۔

''میرے ساتھ آؤ۔'' اس نے کہا۔

وہ دوسرے کمرے میں پہنچے اور حمید بیساختہ اچھل پڑا..... وہ سنگھار میز پر رکھی ہوئی ایک تصویر کو گھور رہا تھا۔

''ٹھیک ہے۔'' فریدی مسکرایا۔ ''میں نے تمہیں اسی لئے بلایا ہے۔ غالباً یہ اسی لڑکی کی تصویر ہے.....کیوں؟''

''سو فیصدی وہی ہے۔'' حمید نے پلکیں جھپکائیں اور ایک ٹھنڈی سانس لی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ایسی دلکش لڑکیاں شاذ و نادر ہی اس کی نظروں سے گذری تھیں۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کی آنکھیں سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد اس نے پوچھا۔ ''کیا واپسی کے سفر میں جب تم بیگ کے لئے دوڑ لگا رہے تھے سیاہ رنگ کی کوئی لمبی سی گاڑی بھی ملی تھی۔''

''ہاں شائد۔''

''اور کوئی عورت ہی اُسے ڈرائیو کر رہی تھی۔''

''ہاں تھی تو۔'' حمید نے تحیر آمیز لہجے میں کہا۔ ''آپ کو کیسے معلوم ہوا۔''

''کیا وہ.....وہی لڑکی تھی جس نے تمہارا بیگ اڑایا تھا۔''

''ناممکن.....ہرگز نہیں.....وہ تو اسی اسپورٹس کار میں تھی۔''

''تو تم اسے نہیں پہچان سکے تھے۔''

"ناممکن! بوکھلاہٹ کے عالم میں بھی عورتیں مجھے صاف نظر آتی ہیں۔ شائد میں آپ
اس کا پورا حلیہ بتا سکوں۔ آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک تھی، زرد ساری اور سرخ بلاؤز۔"

"گڈ.....!" فریدی مسکرایا۔ "اگر اسکرٹ پر ساری لپیٹ لیجائے تو بلاؤز ہی معلوم ہوگا۔"

"مگر یہ کیسے ممکن ہے، گاڑی دوسری تھی۔ اب کیا میں سرخ و سیاہ میں تمیز نہیں کر سکتا۔"

"اس حد تک تو تم کافی باتمیز ہو لیکن وہ تھی وہی لڑکی۔"

فریدی نے مختصراً گیل کا بیان دہرایا۔

حمید نے فوراً ہی کچھ نہیں کہا۔ لیکن وہ بہت کچھ کہنا چاہتا تھا۔ اس کے لئے گیل کی کہ
میں کہیں نہ کہیں کوئی ایسی کمزوری ضرور موجود تھی، جو اس کے جھوٹے ہونے کی دلیل بن سک
بالآخر اس نے پوچھا۔ "آپ کو یقین آ گیا ہے اس کہانی پر؟"

"فی الحال یہ سوال ہی فضول ہے۔"

"لڑکی کے لباس کی تبدیلی کا کیا جواز ہو سکتا ہے۔ میرے سامنے وہ سرخ رنگ
اسکرٹ میں آئی تھی اور گیل نے دونوں ملاقاتوں پر اسے زرد ساری میں دیکھا تھا۔"

"یہ سوال بھی غیر اہم ہے۔ اس قسم کے سوالات اس وقت کئے جا سکتے ہیں جب ہم
کہانی پر یقین کر لیں۔"

"پھر آپ نے سیاہ رنگ کی کار اور کسی لڑکی کا تذکرہ کیوں چھیڑا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ
اسی کے بیان کا ایک حصہ تھا۔"

"لڑکی کے وجود پر شبہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ تمہارا ہینڈ بیگ لے بھاگی تھی۔ البتہ
میں اس کے رول کے متعلق غلط بیانی سے کام ضرور لیا جا سکتا ہے۔"

"پھر آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔"

"خود کو یہ باور کرانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ اگر اب وہ لڑکی کہیں نظر آ جائے تو تمہا
فرشتے بھی اُسے نہ پہچان سکیں گے۔"

"یہاں اس تصویر کی موجودگی یہی ثابت کرتی ہے۔ گیل کو تمہارے حوالے کرنے

بعد وہ سیدھی یہیں آئی تھی۔ کیونکہ گیل کی بڑی گاڑی باہر موجود ہے۔ اگر اُسے آئندہ اپنے
پہچان لئے جانے کی ذرہ برابر بھی پرواہ ہوتی تو وہ اس تصویر کو یہاں نہ چھوڑ جاتی۔"

"آہا تو کیا وہ میک اپ میں تھی۔"

"میں اسی امکانات پر غور کر رہا تھا۔ یہاں مجھے پلاسٹک میک اپ کا کچھ سامان بھی ملا
ہے۔ لیکن ابھی تک کوئی ایسی چیز نہیں ملی جس سے اس کی اصلیت پر روشنی پڑ سکتی۔ پڑوسی بھی
اُسے زینی ہی کے نام سے جانتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ وہ صرف چھ ماہ پہلے اس فلیٹ میں
آئی تھی، یہی مدت گیل اس سے اپنی دوستی کی بھی بتاتا ہے اور یہ صندوق..... یہ تو رہ ہی گیا۔"

فریدی میلے کپڑوں کے ڈھیر کی طرف بڑھا جس سے کسی صندوق کا ایک گوشہ جھانک رہا
تھا۔ ٹھوکر سے کپڑے ہٹائے۔ صندوق مقفل تھا۔ اس نے جیب سے ایک باریک سا اوزار نکالا
اور اسے قفل کے سوراخ میں ڈال کر خفیف سی جنبش دی۔ کھٹا کا ہوا۔ لیکن یہ قفل کھلنے کی آواز تو
ہرگز نہیں ہو سکتی تھی۔ یک بیک حمید نے صندوق کے رخنوں سے دھواں پھوٹتے دیکھا۔ فریدی
اچھل کر پیچھے ہٹ چکا تھا۔ دفعتاً اس نے نتھنے سکوڑے اور تیزی سے اٹھتا ہوا بولا۔

"نکلو..... یہاں سے..... گیس.....!"

تھیلے کی کہانی

وہ باہر نکل کر طویل برآمدے میں کھڑے ہو گئے۔ برآمدہ سنسان پڑا تھا۔ حمید نے
مضطربانہ انداز میں فریدی سے کہا۔ "کہیں ہم نے غلطی تو نہیں کی۔"

"اس کا قوی امکان ہے۔" فریدی بڑبڑایا۔ پھر دروازے میں دوبارہ قدم رکھتے ہوئے
نتھنے سکوڑے اور آگے بڑھتا چلا گیا۔

پھر دوسرے کمرے میں بھی حمید نے کسی قسم کی بو نہیں محسوس کی۔ صندوق سے دھواں نکلتے

وقت گیس کی بو سے اس کا دماغ بھی چکرا گیا تھا۔

دونوں پھر اسی کمرے میں آ پہنچے جہاں وہ صندوق تھا۔ اب یہاں بھی گیس کی بو محسوس
کی جاسکی۔ صندوق آنچ کی شدت سے تپ کر سرخ ہو گیا تھا۔ اگر کپڑوں کا ڈھیر فریدی
الگ نہ ہٹا دیا ہوتا تو اس میں یقینی طور پر آگ لگ گئی ہوتی۔ وہ دم بخود کھڑے صندوق
گھورتے رہے۔

"اچھی بات ہے دوست۔" فریدی طویل سانس لیکر بڑبڑایا۔ "وہی ہوگا جو تم چاہتے ہو۔"

"میں.....!" حمید چونک پڑا۔ "میں تو آج کل ایک بستر اور ایک پلنگ کے علاوہ اور
بھی نہیں چاہتا۔ مگر یہ صندوق.....!"

"یہاں کے تمام صندوقوں میں صرف یہی ایک ہمارے لئے بہت اہم ہوسکتا تھا۔"

"مگر یہ ہوا کیا۔"

"ہمارے لئے بہتر ہی ہوا ہے۔" فریدی بولا۔ "ورنہ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ صندوق
دھماکے کے ساتھ پھٹتا اور ہمارے چیتھڑے اڑ جاتے۔"

"کیا قفل نہیں کھل سکتا تھا۔"

"اس دھوئیں کا انحصار قفل کے کھلنے ہی پر تھا۔ صندوق میں کوئی ایسی چیز تھی جسے خطر
کے وقت یہاں سے ہٹا نہ سکنے کی صورت میں تلف کر دینا ہی بہتر ہوتا۔ گیس کی معمولی سی مقدا
اس لئے رکھی گئی تھی کہ قفل کھولنے والا بوکھلا کر صندوق کے پاس سے ہٹ جائے یا ڈھکن
اٹھانے کی ہمت نہ کر سکے۔ پھر دوبارہ اُسے سنبھلنے میں جو وقت صرف ہو اتنی ہی مدت میں
صندوق تپ اٹھے اور وہ ساری اشیاء راکھ کا ڈھیر ہو جائیں جنہیں تلف کر دینا ہی بہتر تھا۔"

"مگر یہ ٹھنڈا کیسے ہوگا.....!" حمید بڑبڑایا۔

"بیٹری اگزاسٹ ہونے سے پہلے ناممکن ہے۔"

"بیٹری.....!" حمید نے حیرت سے کہا۔

"آہا تو پھر کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ جادو کی آگ تھی! صندوق میں تین چیزیں یقینی طور

ں گی۔ ایک بیٹری..... ایک ہیٹر..... اور ایک گیس سلنڈر۔ قفل کا کھٹکا ہی بیٹری کے سوئچ کا
کام بھی کرتا ہوگا۔ بیٹری آن ہوئی۔ ہیٹر نے کام شروع کر دیا۔ گیس سلنڈر کا منہ کھل گیا.....
ہوسکتا ہے کہ صندوق میں کوئی دوسرا قفل ہو جس کے استعمال سے بیٹری پر اثر نہ پڑتا ہو۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ تقریباً پندرہ منٹ تک انہیں صندوق کے ٹھنڈے ہونے کا انتظار کرنا پڑا۔

پھر فریدی نے اُسے چھو کر دیکھا۔ وہ اب بھی گرم تھا..... بہرحال ڈھکن اٹھتے ہی اس
کے بیان کی تصدیق ہوگئی۔

"یہ دیکھو.....!" فریدی بولا۔ "یہ تین فائر پروف خانے۔ ایک میں بیٹری ہے دوسرے
میں ہیٹر اور تیسرے میں گیس سلنڈر..... اور یہ راکھ کا ڈھیر۔ مگر یہ کاغذات تو ہرگز نہیں ہوسکتے
ورنہ راکھ تہوں کی شکل میں ملتی۔"

حمید اب بھی کچھ نہ بولا۔ وہ بھی یہی سوچ رہا تھا کہ ان کے ساتھ اتنی شرافت کا برتاؤ
کیوں کیا گیا۔ اگر کسی چیز کو تلف ہی کرنا تھا تو صندوق کو ہاتھ لگانے والے کے پرخچے اڑ سکتے
تھے۔ اس بیٹری کا تعلق کسی بم یا ڈائنا میٹ سے ہوتا۔

"کیا سوچ رہے ہو۔" فریدی نے پوچھا۔

"یہی کہ اس صندوق میں بم بھی ہوسکتا تھا۔"

"ہاں قطعی ہوسکتا تھا مگر مجرم..... ان واقعات کی پبلسٹی چاہتا ہے۔"

"اوہ تو آپ گیل کے بیان ہی کی روشنی میں سوچ رہے ہیں۔"

"سوچنا ہی پڑے گا۔"

"اگر گیل خود ہی ان حرکات کا ذمہ دار ہو تو.....!"

"تب بھی اس سارے سٹ اپ کا مقصد پبلسٹی ہی ہوسکتا ہے۔ میں مجرم کی یہ خواہش ضرور
ری کروں گا۔ گیل کا بیان اور یہاں کے واقعات من و عن اخبارات میں شائع ہوں گے۔"

"اور گیل کا کیا ہوگا۔"

"وہ حراست ہی میں رہے گا۔ ضمانت نہ ہونے دونگا۔ ریمانڈ کی توسیع کراتا رہوں گا۔"

"تو اس کا یہی مطلب ہوسکتا ہے کہ آپ کو اس کے بیان پر یقین آ گیا ہے اور آ
دوسرے آدمی کے امکانات پر غور کر رہے ہیں۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ کچھ دیر بعد وہ اس کمرے میں آئے جس میں فون تھا۔ فری
اپنے محکمے کے فنگر پرنٹ سیکشن کے نمبر ڈائیل کیے۔ وہ انچارج سے گفتگو کر رہا تھا۔

حمید اس لڑکی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اگر گیل کا بیان صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس
مطلب ہوگا کہ وہ اس کا اور حمید کا ٹکراؤ کرانا چاہتی تھی۔ وہ اُسے روکتا اور زینی اپنی گاڑ
اتر کر ہینڈ بیگ جھپٹ لے جاتی۔ گیل محکمہ سراغ رسانی سے نپٹنے کے لئے وہیں رہ جاتا
طرح بھی وہ مقصد تو حاصل ہی ہو جاتا جس کے لئے یہ سب کچھ کیا گیا تھا، یعنی گیل اس
میں دھر لیا جاتا کہ اس نے محکمہ سراغ رسانی کے ایک آفیسر سے ایسے کاغذات چھیننے
تعلق خود اسی کے کیس سے تھا..... بہر حال لڑکی غیر متوقع طور پر اس سے پہلے ہی کامیاب
تھی۔ اس لئے اس نے اسکیم بدل دی اور گیل دوسری طرح پکڑا گیا..... مگر..... اوہ.....
سے زیادہ اہم سوال تو اب بھی غور طلب ہے۔

اس نے فریدی کی طرف دیکھا، جو ریسیور رکھ کر سگار سلگا رہا تھا۔

"آخر..... وہ کون ہوسکتا ہے۔"

"کون.....!" فریدی چونک پڑا۔

"جس کے ذریعہ کسی کو میری آج کی مصروفیات کی اطلاع ملی تھی۔"

"اب تم نے ایک ڈھنگ کا سوال اٹھایا ہے؟" فریدی مسکرایا۔ "میں نے کل شام
ہی میں تمہیں اس کے متعلق ہدایات دی تھیں۔ ہنری گیل کیس کا فائیل ریکھا کے پاس تھا
وہ بھی آفس ہی سے غائب ہوا تھا اور یہ چوری بھی کل ہی دس بجے سے چار بجے تک کی
ہوئی تھی۔"

"اس سلسلے میں آپ کس پر شبہ کر رہے ہیں۔"

"فی الحال کسی پر بھی نہیں۔"

"مجھ پر شبہ کیجئے اور پھانسی دلوا دیجئے۔ ابھی تک کھانا بھی نصیب نہیں ہوا۔" حمید بڑبڑایا
وہ اس وقت بہت زیادہ تھکن محسوس کر رہا تھا۔ ذوق تجسس اپنی جگہ پر..... اس کا تعلق خالی
معدے اور تنداسی آنکھوں سے نہیں ہوتا۔

"دس منٹ میں وہ لوگ یہاں پہنچ جائیں گے۔" فریدی نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے
کہا۔ "بسواس اس وقت ڈیوٹی پر ہے۔ وہ اپنی نگرانی میں یہاں کام کرائے گا اور ہم کسی ایسی جگہ
کھانا کھائیں گے جہاں تمہاری بدذوقی کی بھی تسکین ہوسکے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ اتنی سنسنی خیزیوں سے دوچار ہونے کے باوجود بھی اسکا ذہن اونگھ رہا تھا۔

کچھ دیر بعد انسپکٹر بسواس اپنے سیکشن کے عملے کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ فریدی نے اُسے
نشانات کی تلاش کے سلسلے میں چند ضروری ہدایات دیں اور وہ صندوق بھی اسی کی تحویل میں
دے کر صدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

لنکن ایک بار پھر شہر کی سڑکوں پر دوڑ رہی تھی اور حمید پائپ کے ہلکے ہلکے کش لے رہا
تھا۔ بس یونہی شغل کے طور پر..... ورنہ دھواں حلق سے نیچے اتارنے کی ہمت کس میں تھی۔

کچھ دیر بعد لنکن ریالٹو کلب کے سامنے رکی اور حمید کو ایسا ہی محسوس ہوا جیسے ایک لمبا کش
براہ راست خالی معدے میں اترتا چلا گیا ہو۔

ریالٹو اور کرنل ہارڈ اسٹون..... حمید کو وہم بھی ہوسکتا تھا کہ وہ کسی ایسی تفریح گاہ میں کھانا
کھائے جہاں تقریباً درجن نیم برہنہ تتلیاں میزوں کے درمیان تھرکتی پھرتی ہوں۔

اس نے اس طرح آنکھیں پھاڑ کر فریدی کی طرف دیکھا جیسے اس کے سر پر سینگ نکل
آئے ہوں۔

❖

ہال کے اسٹیج پر تین لڑکیاں ساؤتھ امریکن "چاچا" پیش کر رہی تھیں اور حمید غیر شعوری طور
پر بیٹھے بیٹھے متحرک رہا تھا۔

ابھی انہوں نے کھانا ختم نہیں کیا تھا۔

"کیوں.....!" دفعتاً فریدی نے سر اٹھا کر کہا۔ "بدذوقی کی تسکین ہوئی یا نہیں۔"

"بدذوقی.....خدا آپ کو جمالیاتی حس عطا کرے۔ ہائے یہ بجلیاں.....!"

"جو عموماً بھس بھری ہوئی کھوپڑیوں ہی پر گرتی ہیں۔ بیٹے خاں تمہاری یہ روحانی تو
ذہنی بے راہروی کا نتیجہ ہے۔ آدمی بنو.....عورت جمالیاتی حس کی تسکین کا باعث نہیں بن

"تب تو آپ کو خدا ہمدرد دواخانہ بھی عطا کرے۔"

"سنجیدگی اختیار کرو۔ یہ جو تم پر بوریت کے دورے پڑتے ہیں اسی رجحان کا نتیجہ

"ختم کیجئے.....!" حمید سر ہلا کر بولا۔ "کیا آپ میری بدذوقی کی تسکین ہی
یہاں آئے ہیں۔"

"نہیں.....مجھے اپنے ذوق کی تسکین بھی کرنی تھی۔"

"ساؤتھ امریکن چاچا پسند آیا۔"

"وہ تمہارے لئے تھا۔ مجھے تو ایک اینگلو برمیز دادا کی تلاش ہے۔"

"کیا مطلب.....اوہو.....میرا خیال ہے کہ ریالٹو کا منیجر بھی اینگلو برمیز ہی ہے گر
تو نہیں ہے کہ آپ دادا کہہ سکیں۔"

"ایسے شریفوں میں شمار ہے اُس کا جو اوپر سے خوبانی اور اندر سے اخروٹ ہوتے

"ارے ذرا.....یہ دیکھئے کتنا اچھا ناچ رہی ہے۔"

"دیکھے جاؤ.....!" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

کھانا ختم کرکے وہ اٹھے۔ فریدی منیجر کے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ حمید
سلگانے کے لئے رک گیا۔ لیکن پھر دونوں ساتھ ہی کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ فریدی
دروازے پر ہلکی سی دستک دی تھی اور اندر سے کسی نے گونجیلی آواز میں کہا تھا۔ "کم اِن"

ڈیکن ایک بھاری بھرکم اینگلو برمیز تھا۔ آواز میں کرختگی تھی، لیکن آنکھیں بچوں
تھیں اور غالباً یہی وجہ تھی کہ اس کے چہرے پر ہمیشہ معصومیت ہی نظر آتی تھی۔ وہ فریدی

کر بُری طرح چونکا تھا۔ لیکن پھر ایسا بن گیا تھا جیسے اسے پہچانتا ہی نہ ہو۔ حمید نے اس کی
حالت میں دونوں قسم کے فوری تغیرات باآسانی مارک کئے تھے۔ ڈیکن نے یونہی رسمی سے
انداز میں ان کا خیر مقدم کیا۔

"فرمائیے جناب! میں کیا خدمت کر سکتا ہوں.....اُوہ تشریف رکھئے۔" اس نے کرسیوں
کی طرف اشارہ کیا۔

"خدمات کی پیشکش تو میری طرف سے ہونے والی ہے۔" فریدی مسکرایا۔

"اوہ.....اچھا.....!" ڈیکن بیٹھتا ہوا تھکی تھکی سی آواز میں بولا۔ "مجھے افسوس ہے کہ
سپلائی کے سارے آئیٹم مختلف ٹھیکیداروں کو تقسیم کئے جا چکے ہیں۔ آپ نے دیر کر دی.....ویسے
مچھلیوں کے آئیٹم میں شائد کچھ گنجائش نکل سکے۔"

حمید کو تاؤ آ گیا اس نے کہا۔ "ہم گنجی کھوپڑیوں اور انڈوں کی کاشت کرتے ہیں۔"

ڈیکن کا ہاتھ غیر ارادی طور پر شفاف کھوپڑی پر رینگتا ہوا پھر گود میں آ گرا اور اس کے
چہرے کی رنگت بدل گئی لیکن قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتا فریدی بول پڑا۔

"میں تم سے یہ قطعی نہیں پوچھوں گا کہ بلیک میلنگ کی وجہ کیا ہے؟"

"جی.....کیا مطلب.....ڈیکن نے آنکھیں نکالیں، میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ لوگ کون
ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔"

"چلو میں اس پر بھی یقین کرنے کو تیار ہوں کہ تم ہمیں نہیں پہچانتے۔"

"میں بہت مصروف آدمی ہوں اور گاہکوں کے مذاق سے لطف اندوز ہونا میرے فرائض
میں داخل نہیں ہے۔" اس نے خشک لہجے میں کہا۔

"اگر یہ مذاق ہے تو تم بھی گیل ہی کی طرح گھر پہنچ جاؤ گے۔"

"گیل.....کیا مطلب.....!"

"اگر تم مجھے نہیں پہچانتے.....تو.....!" فریدی کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالتا ہوا
بولا پھر اپنا وزیٹنگ کارڈ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "غالباً اب تم ہمارے مذاق سے

لطف اندوز ہونے کی صلاحیت پیدا کر سکو گے۔"

"اُوہم..... خدا مجھ پر رحم کرے..... فرمایئے جناب! معاف کیجئے گا یہ میری بدنصیبی ہے
کہ میں آپ کا صورت آشنا نہیں تھا۔ ویسے اس شہر میں کون ہے جو آپ کے نام سے واقف نہ ہو!"

"خیر تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہنری گیل اس وقت حوالات میں ہے۔" فریدی نے
کیس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تم یہ بھی جانتے ہو گے کہ وہ ان دنوں بہت پریشان
تھا۔ حالانکہ پریشانی کی کوئی معقول وجہ نہیں ہو سکتی تھی۔ تم سمجھ رہے ہونا۔"

"کسی حد تک! ہاں غالباً اس نے مجھ سے تذکرہ کیا تھا کہ اس کے خلاف تفتیش ہو رہی
ہے۔ لیکن وہ پریشان تو نہیں تھا جناب۔"

"اوہ تو پھر اُس نے پریشان نہ ہونے کی وجہ بھی بتائی ہوگی۔"

"آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔" ڈیکن کے لہجے میں حیرت تھی۔

"نہیں ارادہ ہے کہ خود ہی بتادوں۔ ہمارے پاس اس کے خلاف ایسے ثبوت نہیں ہیں
جن کی مضبوطی پر ہم اسے عدالت میں پیش کر سکتے۔"

"تو پھر کیسے حراست میں لیا اُسے۔"

"اُس نے اپنے کیس کا فائیل چوری کرایا تھا۔"

"چوری کرایا تھا۔" ڈیکن کی آنکھیں دوبارہ پھیل گئیں۔ "میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ کیسے ممکن ہے۔"

"اگر یہ ناممکن ہے تو پھر کسی اور نے خود ہی چوری کر کے اس کے قبضے سے برآمد کرا دیئے
ہوں گے۔ سارے کاغذات اُسی کے کیس سے تعلق رکھتے تھے۔"

"یہ تو بڑا آسان سانسخہ ہے۔" ڈیکن مسکرایا۔ "جن کے خلاف ثبوت نہ مل سکیں انہیں
اس طرح اندر کر دیا جائے۔"

"تم اس کے متعلق صبح کے اخبارات میں بہت کچھ دیکھو گے..... اُس نے گیل کو
بلیک میل کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن گیل نے اس کی پرواہ نہیں کی تھی۔ اس نے سوچا تھا
جب پولیس ہی اس کے ثبوت فراہم نہیں کر سکتی تو وہ بلیک میلر کیا بگاڑ لے گا۔ بلیک میلر نے

اُسے وارننگ دی تھی کہ وہ چشم زدن میں اُسے گرفتار کرادے گا۔ گیل نے ہنس کر ٹال دیا۔ لیکن
اب وہ حقیقتاً حوالات میں ہے۔"

ڈیکن کی پیشانی پر سلوٹیں اُبھر آئیں۔ وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"مگر آپ مجھے یہ کہانی کیوں سنا رہے ہیں۔"

"یہ واقعہ اُن تمام لوگوں کیلئے ایک بہت بڑی دھمکی ہے جو بلیک میلر کی پرواہ نہیں کرتے۔"

"تو آپ کا خیال ہے کہ مجھے بھی کوئی بلیک میل کر رہا ہے۔"

"یقیناً.....!"

"آخر کس بناء پر.....!"

"تمہارے فائیل پر بھی نظر ثانی کی جا رہی ہے۔"

"میرا فائیل.....!" ڈیکن چونک پڑا۔ "اوہ تو کیا میرا شمار بھی گیل ہی جیسے لوگوں میں ہوتا ہے۔"

"تمہارے لئے نئی اطلاع ہو سکتی ہے لیکن ہمارے محکمے میں اتنے بھولے لوگ نہیں
پائے جاتے۔"

ڈیکن پھر خاموش ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے۔ کچھ دیر بعد بھرائی
ہوئی آواز میں بولا۔ "میرے لئے یہ مصیبت نئی نہیں ہے۔ مجھے پانچ ہزار روپے ماہانہ ادا کرنے
پڑتے ہیں۔"

"گڈ..... سگار لو.....!" فریدی نے ڈبہ پھر آگے کھسکایا۔

"شکریہ! میں تمباکو نہیں پیتا۔" ڈیکن آنکھیں چراتا ہوا بولا۔ "لیکن ابھی آپ نے کہا تھا
کہ میں بلیک میلنگ کی وجہ نہیں پوچھوں گا۔"

"اور اب بھی اسی بات پر قائم ہوں۔"

"پتہ نہیں وہ کون ہے..... ہر ماہ پانچ ہزار وصول کرتا ہے لیکن میں اُسے پکڑنے میں
کامیاب نہیں ہو سکا۔"

"ادائیگی کس طرح ہوتی ہے۔"

"جھریالی کی پہاڑیوں میں ایک چٹان ہے۔ اُسی پر روپے رکھ دیئے جاتے ہیں۔ وہ ہر ماہ ایک مخصوص تاریخ کو پلاسٹک کا ایک تھیلا بھجواتا ہے۔ تاکید ہوتی ہے کہ روپے اسی میں رکھ کر معینہ مقام پر رکھوا دیئے جائیں۔ میں نے پچاس پچاس آدمی چٹان کے آس پاس چھپائے ہیں لیکن تھیلے کو اٹھانے والے کی پرچھائیں تک نہیں نظر آئی۔ تھیلا حیرت انگیز طور پر غائب ہوجاتا ہے۔"

"وقت کا تعین بھی ہوتا ہوگا۔"

"جی ہاں عموماً اندھیری رات ہوتی ہے۔ لیکن چٹان کی پوزیشن ایسی ہے کہ اندھیرے میں بھی کم از کم سایہ تو نظر آ ہی سکتا ہے، خواہ کوئی لیٹ کر رینگتا ہی ہوا کیوں نہ چٹان تک پہنچے۔"

"اس کے پیغامات تم تک کیسے پہنچتے ہیں۔"

"ٹائپ کئے ہوئے خطوط مجھے اسی میز پر ملتے ہیں اور جب ادائیگی کی تاریخ قریب ہوتی ہے تو تھیلا بھی اسی طرح آتا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ یہاں تک پہنچانے والا کون ہے۔ اس بار ابھی تک تھیلا نہیں آیا۔"

"جب آئے تو مجھے ضرور مطلع کرنا..... میں وعدہ کرتا ہوں کہ جس سلسلے میں تمہیں بلیک میل کیا جارہا ہے اس کے لئے تمہارے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے گی۔"

قاسم کی تصویر

حمید کا خیال تھا کہ اس سے زیادہ شاندار کیس آج تک ان کے پاس نہیں آیا۔ ان دنوں ایسے ہی کیس اُسے پسند آتے تھے جن کی گاڑی کسی طرح آگے نہ بڑھ سکے۔ ایک کڑی کے بعد دوسری کڑی کا ملنا محال ہوجائے۔ گیل حوالات میں تھا۔ اس کی کہانی کی کافی تشہیر ہوچکی تھی۔ لیکن کیس کی گاڑی ریالٹو کے منیجر ڈیکن سے آگے نہ بڑھ سکی۔ پورا ہفتہ گذر گیا مگر اس

نے بلیک میلر کی طرف سے وہ تھیلا وصول ہونے کی اطلاع نہ دی جس کے ذریعہ رقم اس تک پہنچائی جاتی تھی۔ ڈیکن کے بیان کے مطابق یہ تاخیر خلاف معمول تھی۔ گذشتہ مہینوں میں ایک مقررہ تاریخ پر تھیلے اس تک پہنچتے رہے تھے لیکن اس بار اس تاریخ کو بھی گذرے ہوئے یہ چوتھا دن تھا۔

کام تو اُسی وقت شروع ہوتا جب ڈیکن تھیلے کی وصولیابی کی اطلاع دیتا۔ اس لئے حمید کا راوی چین ہی چین لکھتا تھا۔

لیکن وہ اپنی اس سرشت کو کام چوری پر محمول نہیں کرسکتا تھا۔ بھئی کام ہو تو ضرور کرو، لیکن خواہ مخواہ سر کھپاتے رہنے سے کیا فائدہ..... وہ کام ہی کیا کہ اوڑھنا بچھونا ہو کر رہ جائے۔ آفس سے نکل آنے کے بعد بھی اگر فائیلیں ہی سر پر سوار رہیں تو اسے صحیح الدماغی کیسے کہا جائے گا۔

بہرحال وہ فریدی کی طرح کا دیوانہ نہیں ہوسکتا تھا۔ زندگی کو تو وہ بازی طفلانہ ہی سمجھتا تھا لیکن کام کے دیوانوں میں اُسے مردانگی کی جھلک نہیں دکھائی دیتی تھی۔ اُسے تو وہ سچ مچ دیوانگی ہی سمجھتا تھا اس لئے یہ شعر اس کی نظروں میں قطعی لغو تھا۔

زندگی یوں تو فقط بازی طفلانہ ہے
مرد وہ ہے جو کسی کام میں دیوانہ ہے

وہ سوچتا یہ بھی کوئی دیوانگی میں دیوانگی ہے..... دیوانگی تو وہ ہے کہ لیلیٰ کا کتا بھی کہہ اٹھے

کوئی پتھر سے نہ مارے میرے دیوانے کو

مگر وہ تو اس وقت کسی لیلیٰ کے ہاتھی کا منتظر تھا اور سوچ رہا تھا کہ ایک ہفتے کے بعد کوئین کمپچر کی تلخی یک بیک رفع کیسے ہوگئی۔ کچھ دیر پہلے اس نے اسے فون کیا تھا کہ وہ آرہا ہے، حمید منتظر رہے۔

پھر وہ آیا اور بڑے ٹھسے سے آیا..... سلیقے سے پریس کئے ہوئے سوٹ میں ملبوس تھا۔ شوخ رنگوں کی ٹائی تھی اور حمید نے اس کے گالوں پر پاؤڈر کی ہلکی سی تہہ بھی محسوس کی۔ جوش مسرت سے آنکھیں چمک رہی تھیں۔ دانت نکلے پڑ رہے تھے۔

"خیریت.....!" حمید نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"مبلقل ..... تم اپنی کہو..... بیٹا۔"

"مؤنث ہے اس لئے کبھی رہتی ہے اور کبھی نہیں رہتی۔"

"میں نے قہا..... تم مجھے قیا سمجھتے ہو۔"

"چغد.....!"

"چغد بھی "چ" سے ہوتا ہے..... چلو ٹھیک ہے۔" قاسم کے دانت نکل پڑے۔

"کیا ٹھیک ہے۔" حمید نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

"اس کا نام چیری ہے۔" قاسم نے اس بار شرمیلی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "چ سے چیری چ سے چغد.....!"

"کس کا.....!"

"ہائے حمید بھائی ..... کیا بتاؤں..... یکین نہیں آتا..... اچھا یہ بتاؤ کوئی لڑکی ..... تمہیں اس طرح دیکھے..... اور اس طرح مسکرائے یعنی کہ یوں.....!"

اس نے آنکھیں نشیلی بنائیں اور بھونڈے پن سے مسکرا کر بولا۔ "تو تم قیا سمجھو گے۔"

"خود کو الو کا پٹھا سمجھوں گا۔" حمید بولا۔

"اے جاؤ..... سالے تم میرے معاملے میں اسی طرح کیڑے نکالنے لگتے ہو۔"

"پوری بات بتاؤ..... مطلب یہ تھا۔"

"ہائے کیا بتاؤں! اس بار میں بلقل مر جاؤں گا! ہائے کیا چال ہے..... پیچھے سے دیکھو تو ایسا لگتا ہے جیسے ڈیبٹ کریڈٹ..... ڈیبٹ کریڈٹ..... کرتی چلی جا رہی ہو۔"

"ڈیبٹ کریڈٹ.....!" حمید نے آنکھیں نکالیں۔

"ہات تیری.....!" قاسم نے پیشانی پر ہاتھ مارا۔ "یہ سالا ڈیبٹ کریڈٹ اس طرح کھوپڑی میں گھسا ہے کہ کسی طرح نکلتا ہی نہیں۔ خدا دشمن کو بھی سب کچھ دے مگر باپ نہ دے۔"

"کیا پی رکھی ہے تم نے؟"

"نہیں آج جرور پیوں گا۔ ٹھینگے پر ہے سب کچھ! ہاں نہیں تو! دفتر میں بیٹھ کر دن بھر

اکشھ باسٹھ کرو اور گھر واپس آؤ تو وہ گلہری خانم کھڑی ہیں منہ بنائے۔ اِتی دیر کہاں کر دی۔"

"آہا تو کیا تم اب دفتر میں بھی بیٹھنے لگے ہو۔"

"چلو..... پیارے بھائی..... بور نہ کرو..... سالے مجھے اکاؤنٹنسی سکھا رہے ہیں۔"

"کہاں چلوں۔"

"اے پول! وہیں تو آتی ہے۔" قاسم لہک کر بولا۔ "میں وہاں سے اٹھتا ہوں تو میرا پیچھا کرتی ہے اور میں الاقسم شرم کے مارے..... پانی پینے لگتا ہوں۔"

"پانی پانی ہونا محاورہ ہے۔"

"ٹھینگا ٹھینگا ہونا محاورہ ہے۔" قاسم جھلا گیا۔ "چلنا ہے تو چلو..... نہیں تو جہنم میں جاؤ۔"

"اگر وہ تمہارا پیچھا کرتی ہے..... تو ضرور چلوں گا۔"

"اور بتاؤں۔" قاسم چہک کر بولا۔ "پرسوں میں اس سے دور بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ بس اپنی جگہ سے اٹھی میرے پاس آئی اور آ کر کھڑی ہو گئی۔ میرے کاندھوں پر دونوں کہنیاں ٹیک کر جھکی تھی اور آہستہ سے بولی تھی تم بڑے پیارے لگتے..... ہی ہی ہی..... ابے ہاں۔ قیا سمجھتے ہو مجھے! یہ دیکھو۔"

اس نے جیب سے ایک تصویر نکالی اور حمید کی طرف بڑھا دی۔ یہ ایک لڑکی تھی جو قاسم کے کاندھوں پر کہنیاں ٹیکے جھکی کھڑی تھی اور قاسم کے چہرے سے یہی ظاہر ہو رہا تھا جیسے دم نکلا جا رہا ہو۔

"بس یہ ایسے ہی کھڑی تھی کہ کسی نے تصویر کھینچ لی!" قاسم بے حد خوشی ظاہر کرتا ہوا بولا۔

"کسی نے..... کیا تم اسے نہیں جانتے۔"

"اے..... میں قیا جانوں ہو گا کوئی سالا۔"

"پھر یہ تمہیں ملی کہاں سے.....!"

"ڈاک سے آئی ہے۔"

"آہا..... ہم۔" حمید نے معنی خیز انداز میں سر کو جنبش دی پھر خاموش ہو کر اُسے گھورنے لگا۔

"اے.... کھا جاؤ گے کیا۔ اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو۔"

"کل وہ ہوٹل میں ملی تھی۔"

"نہیں..... آج جرور ملے گی۔"

"قاسم ہوش میں رہ کر گفتگو کرو۔ اس تصویر کے ساتھ کوئی خط بھی تھا۔"

"رہا ہوگا سالا..... مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ دو ہزار کی تو بات ہے۔ مگر ہائے یہ جالم..... جرا دیکھو تو پیارے قیسی محبت سے لدی کھڑی ہے۔"

"دو ہزار کی کیا بات تھی۔"

"نہیں بتاؤں گا..... تم سالے گھپلا کر دو گے۔"

حمید اُسے پھسلانے کی کوشش کرنے لگا اور بدقت تمام راہ راست پر لا سکا۔

"قسم کھاؤ گھپلا نہیں قرو گے۔"

"تم بتاؤ تو پیارے..... میں ایسا انتظام کر دوں گا کہ اس سے تمہاری شادی بھی ہو جائے اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہو۔ اُسے کہیں اور مکان لے کر رکھنا۔"

"کھت میں لکھا ہوا تھا کہ مجھے ہر ماہ دو ہزار روپے دیا کرو۔ نہیں تو یہ تصویر تمہارے باپ کو بھیج دی جائے گی۔ میں نے کہا ٹھینگے سے۔ لے لو دو ہزار بیٹا۔ مگر یہ تصویر ہائے پھر دیکھو حمید بھائی..... قیسی مسکراہٹ..... جی چاہتا ہے قلیجے میں بھر لوں۔"

"ابے او عقل کے اندھے..... یہ ڈرامہ کھیلا گیا تھا تمہیں بلیک میل کرنے کے لئے۔"

"دیکھا! نکل آئی نہ سالی جاسوسی۔" قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ "ابے تم جل مرے ہو..... آگ لگ گئی ہے..... بس تم اپنے ہی کو گلفام سمجھتے ہو۔ لونڈیاں مریں تو صرف تم پر مریں۔ دوسرے کو دیکھا اور کباب ہو گئے۔"

"خیر دیکھا جائے گا.....!" حمید سر ہلا کر بولا۔ "اچھی بات ہے۔ میں کچھ نہ کہوں گا۔ تم شوق سے تصویر بجاتے پھرو۔ ہاں..... پلاسٹک کا کوئی تھیلا بھی آیا ہے۔"

"تم قیا جانو.....!" قاسم نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔ پھر دانت پیس کر بولا۔

"میری ٹوہ میں رہتے ہو۔ اللہ میاں نے چاہا تو غارت ہو جاؤ گے..... خدا کہتا ہے کہ دوسروں کی ٹوہ میں نہ رہو۔ تم رہتے ہو سڑ سڑ کر مرو گے..... دیخ لینا..... میں آیا تھا کہ کچھ رائے مشورہ کریں گے..... سالے جاسوسی لے بیٹھے۔"

"تھیلے میں روپے رکھ کر..... کہاں رکھنے کو کہا گیا ہے۔"

"تمہارے ابا کی قبر پر..... میں جا رہا ہوں..... مرا کرو۔"

لیکن ٹھیک اسی وقت فریدی ڈرائنگ روم میں داخل ہوا اور قاسم جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور وہ بے جان سا ہو کر صوفے کی پشت سے ٹک گیا۔

فریدی نے شائد گفتگو کا کچھ حصہ سن لیا تھا۔ حمید نے قاسم سے کہا۔ "اس معاملے کو اپنی ہی ذات تک محدود رکھنا تمہارے لئے خطرناک ہوگا۔ فرض کرو کل وہ تم سے دو لاکھ کا مطالبہ کرتا ہے۔"

"بس بس! ختم کرو۔ میرا معاملہ ہے کسی سے مطلب۔" قاسم جھینپے ہوئے انداز میں ہنسا۔

"کیا قصہ ہے۔" فریدی نے پوچھا۔ وہ ایک کرسی کے ہتھے سے ٹک کر سگار سلگا رہا تھا۔

"قاسم کے پاس ایک ایسی تصویر ہے.....!"

"ہوگی..... ہوگی..... تم سے مطلب۔ ماف کیجئے گا۔ میں جاسوسی نہیں کرانا چاہتا۔" اس نے فریدی کی طرف دیکھتے ہوئے جلدی جلدی پلکیں جھپکائیں۔

"تصویر تو میں یقیناً دیکھوں گا.....!" فریدی مسکرا کر بولا۔

"قق..... قیا..... جی نہیں..... معاف کیجئے گا۔"

"کیا حرج ہے۔ شرماؤ نہیں..... یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے۔"

"ہوتا رہتا ہے نا۔" یک بیک قاسم خوش ہو گیا۔ "دیخ لیجئے۔ آپ بھی دیخ لیجئے۔ کوئی میں نے تھوڑا ہی کہا تھا کہ مجھ پر لد کر کھڑی ہو جائے..... خود ہی آئی تھی۔ اب آئی ہے تو آئے..... دو ہزار خرچ ہوں تو دو لاکھ خرچ ہوں تو..... قسی کا قیا۔"

اس نے حمید کو گھورتے ہوئے جیب سے تصویر نکالی اور فریدی کی طرف بڑھا دی پھر دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر صوفے کی پشت سے ٹک گیا۔

''رکھو.....!'' فریدی نے کچھ دیر بعد تصویر اس کی گود میں ڈالتے ہوئے کہا۔ ''تھیلا خط کے ساتھ ہی آیا ہوگا۔''

''جج..... جی ہاں..... اب روپے تو دینے ہی پڑیں گے۔ ورنہ باوا جان یا اللہ۔'' اس نے ٹھنڈی سانس لی۔

''کہاں رکھو گے۔''

''جھریالی میں کوئی بھوری چٹان ہے..... وہیں۔''

''کب اور کس وقت۔''

''پرسوں..... رات کو آٹھ بجے۔''

''اچھا ہے..... کسی طرح جان بچاؤ۔ ورنہ تمہارے والد۔'' فریدی مسکرایا۔ ''خط تو شائد ٹائپ میں ہوگا۔''

''جی ہاں.....!'' قاسم پھر حمید کو گھورنے لگا۔

حمید نے اس کے ساتھ باہر جانے پر آمادگی ظاہر نہیں کی تھی۔ اس لئے وہ جلد ہی اٹھ گیا۔ ویسے اس نے ایسا ہی بُرا منہ بنا رکھا تھا جیسے حلوے کے دھوکے میں صابون کھا گیا ہو۔

''لڑکی کے متعلق کیا خیال ہے۔'' فریدی نے حمید سے پوچھا۔

''مجھے تو بالکل پسند نہیں آئی۔ ویسے آپ مجبور کریں تو دوسری بات ہے۔''

''کیا بکواس ہے۔'' فریدی جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''اوہو! شائد آپ کا سوال میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔''

''پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ..... نہیں۔''

''دیکھ چکے ہو۔''

''اپنی آنکھوں سے تو دیکھنے کا اتفاق ہرگز نہیں ہوا۔''

''صرف آنکھوں ہی کا معاملہ ہے..... خدوخال میں تبدیلی کی جاسکتی ہے۔ لیکن آنکھوں

کی بناوٹ پر اثر انداز ہونا آسان کام نہیں۔''

''اوہو..... تو کیا وہی لڑکی ہو سکتی ہے جس نے میرا ہینڈ بیگ اڑایا تھا۔''

''سو فیصدی وہی ہے۔ وہ تصویر جو اس کے فلیٹ سے ملی تھی اُسے سامنے رکھ کر دیکھو تو تمہیں تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔''

''اگر وہی ہے تو پھر اُسے رستم کی بھتیجی ہی سمجھنا چاہئے۔'' حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔

''اب میں باوثوق طور پر کہہ سکتا ہوں کہ گیل ہی کے لئے پھندہ تیار کرنا پڑے گا۔ اس نے اپنا بزنس چمکانے کے لئے یہ حرکت کی ہے۔ اب ایسے حالات پیدا کئے جائیں گے کہ عدالت اُسے شبہے کا فائدہ دیتے ہوئے بَری کر دے۔''

''حالات کے ساتھ ہی ریمانڈ کی توسیع بھی ہوتی رہے گی خواہ ایک سال گذر جائے گیل کو حوالات میں سڑا دیا جائے گا۔''

''میری دانست میں یہ کوئی بہت بڑا گروہ ہے اور شائد یہ کیس بھی اپنی نوعیت کا ایک ہی ہے۔ پہلے کبھی ہمارا سابقہ کسی ایسے مجرم سے نہیں پڑا تھا جس نے اپنے بزنس کو پبلسٹی پولیس کے ذریعہ کرائی ہو۔''

فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ ''تمہارا خیال صحیح ہے۔ ذرا یہ خط دیکھو جو ڈیکن کو ملا ہے۔''

خط انگریزی ٹائپ میں تھا۔

''ڈیکن! تم جانتے ہی ہو گے کہ پولیس ہنری گیل کے خلاف تفتیش کر رہی تھی۔ لیکن کوئی ایسا واضح ثبوت فراہم نہ کر سکی جس کی بناء پر اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگا سکتی۔ اب تمہیں اس کی اطلاع مل چکی ہوگی کہ وہ گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اس کی کہانی بھی تمہاری نظروں سے گذری ہوگی، جو حرف بحرف صحیح ہے۔ مجھ سے سرکشی کا انجام یہی ہوتا ہے۔ گیل نے محض اس بناء پر میرا حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا کہ پولیس بھی اس کے خلاف کوئی ثبوت فراہم نہ کر سکی تھی۔ مگر اب بتاؤ کہ وہ کہاں ہے..... مجھے اس پر ذرہ برابر بھی اعتراض نہیں ہے کہ تم نے کرنل فریدی کو

حالات سے آگاہ کردیا ہے۔ میرا خرچ مجھ تک پہنچنا چاہئے جس دن یہ بند ہوا وہی تمہاری آزادی کا آخری دن ہوگا۔ یہ خط بھی کرنل فریدی کو ضرور دکھانا۔"

حمید نے خط پڑھ کر طویل سانس لی اور فریدی کیطرف دیکھتا ہوا بولا۔ "یہ تو کھلا ہوا چیلنج ہے۔"

"مسخرہ پن۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "اس ترقی کے دور میں کم از کم اتنا تو ہونا ہی چاہئے کہ مجرم قانون کو چیلنج کرتے پھریں۔ آدمی نے زندگی کے ہر شعبے میں ترقی کی ہے پھر اس میں کیوں محروم رہتا۔"

"کیا آپ بھی اسے چیلنج ہی سمجھتے ہیں۔"

"نہیں..... آج کا مجرم اتنا احمق نہیں ہوسکتا۔ اس کا مقصد پولیس کو مرعوب کرنا نہیں ہے بلکہ یہاں بھی بزنس ہی کے داؤ پیچ کارفرما ہیں۔ جملوں کی تشکیل پر غور کرو۔ اُسے اس کی پرواہ نہیں ہے کہ فریدی کو رازدار بنالیا گیا ہے۔ اسے تو وہ رقم ہر حال میں ملنی چاہئے جو وہ اس سے وصول کرتا رہتا ہے۔ یعنی اس کی نظروں میں صرف بزنس ہی کی اہمیت ہے۔ جسے پولیس بھی نہ روک سکے گی۔ مقصد ہے ڈیکن کو مرعوب کرنا اور ہر حال میں رقم وصول کرتے رہنا۔"

"اگر وہ لڑکی ہاتھ آجائے تو.....!"

"تم پھر ہاتھ سے جاتے رہو گے۔" فریدی مسکرایا۔

"آپ نے اب تک کیا..... کیا اس سلسلے میں۔" حمید چڑ گیا تھا۔

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔

"ہیلو.....!" اس نے ریسیور اٹھا کر کان کی طرف لے جاتے ہوئے کہا۔ "یس..... اٹ از فریدی..... کیا کون ڈیکن..... اُوہ..... اچھا..... میں آرہا ہوں۔"

اس نے بڑی تیزی سے ریسیور رکھا اور حمید سے بولا۔ "گاڑی نکالو۔ جلدی کرو۔"

"آج اتوار ہے۔"

"بکومت..... ڈیکن خطرے میں ہے۔"

تین منٹ کے اندر ہی اندر انکی گاڑی کمپاؤنڈ کے پھاٹک سے گذر رہی تھی۔ ریالٹو تک پہنچنے

میں سات منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔ گاڑی کی رفتار خاصی تیز تھی اور اتفاق سے انہیں کسی کراسنگ پر رکنا بھی نہیں پڑا تھا۔ ڈیکن کے آفس کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ ہیڈ ویٹر نے بتایا کہ وہ اندر ہی ہوسکتا ہے، لیکن حمید کو وہاں ایسے آثار نہیں نظر آئے جنہیں وہ سراسیمگی کا نتیجہ سمجھ سکتا۔"

فریدی نے بڑھ کر دروازے پر دستک دی اور اندر سے ایسی آواز آئی جیسے کوئی کراہا ہو۔

"ڈیکن.....!" اس نے آواز دی۔

لیکن اندر سے صرف کراہیں سنائی دیتی رہیں۔ پھر وہاں بھیڑ اکٹھی ہونے لگی اور فریدی نے دروازہ تڑوا دیا۔

سامنے ہی ڈیکن دونوں ہاتھوں سے سینہ دبائے بیٹھا کراہ رہا تھا۔ سر میز پر جھک آیا تھا..... فریدی نے اسے سیدھا کیا۔ کراہیں جاری ہی رہیں۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں، لیکن ان میں ویرانی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے کچھ دکھائی ہی نہ دیتا ہو۔ ہونٹ ہل رہے تھے، مگر کراہوں کے علاوہ اور کچھ نہ سنا جاسکا۔

اس کی بیوی

وہ لوگ جو باہر کھڑے تھے انہوں نے کمرے میں آنا چاہا لیکن فریدی کے اشارے پر حمید نے انہیں اس سے باز رکھا۔ وہ دروازے ہی پر رک گیا تھا۔

ڈیکن چھت کی طرف گھورے جا رہا تھا اور حلق سے گھٹی گھٹی سی کراہیں بھی نکل رہی تھیں۔ لیکن چہرہ بالکل سپاٹ تھا اس پر کرب کے آثار نہیں تھے۔

یک بیک اس کی آنکھیں سرخ ہوگئیں اور وہ سیدھا ہو کر فریدی کو اس طرح گھورنے لگا جیسے قتل ہی کردینے کا ارادہ رکھتا ہو اور اب وہ خاموش بھی ہوگیا تھا۔

پھر اس کا داہنا ہاتھ میز کی دراز میں رینگ گیا۔

"تم کرنل فریدی ہی ہو نا۔" وہ کسی درندے کی طرح غرایا تھا اور دوسرے ہی لمحے اس نے فریدی پر چھلانگ لگائی تھی۔ اس کے داہنے ہاتھ میں خنجر تھا۔

فریدی کو اس کے تیور پہلے ہی غیر معمولی نظر آئے تھے اس لئے وہ غافل نہیں تھا۔ ایک طرف ہٹتے ہوئے اس نے خنجر پر ہاتھ ڈال دیا اور ساتھ ہی داہنی ٹانگ بھی چلی۔

ڈیکن منہ کے بل فرش پر ڈھیر ہوگیا۔ فریدی اس کی پشت پر پیر رکھے داہنا ہاتھ مروڑ رہا تھا۔ بالآخر خنجر چھوٹ پڑا۔

ڈیکن کسی بھینسے کی طرح ڈکراتا رہا۔ فریدی اُسے چھوڑ کر الگ ہٹ گیا تھا اور اب جھک کر خنجر اٹھا رہا تھا۔

دروازے کے سامنے رکے ہوئے لوگ دم بخود تھے۔ ڈیکن اسی طرح چیختا رہا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بس اسی طرح فرش پر ہاتھ پیر مارتا رہا تھا جیسے پانی پر تیر رہا ہو۔

"اس کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے۔" فریدی نے حمید سے کہا۔ "پولیس ہسپتال فون کرو۔ جو ڈاکٹر بھی ڈیوٹی پر ہو، پندرہ منٹ کے اندر اندر یہاں پہنچ جائے۔"

پھر اس نے باہر والوں سے کہا۔ "براہِ کرم تشریف لے جایئے۔ اچانک ڈیکن کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے۔ کسی کے کسی سوال کا جواب نہیں دیا جائے گا..... ہیڈ ویٹر..... پردہ کھینچ دو۔"

حمید فون کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ گھنٹی بجی۔ فریدی نے اسے ٹھہرنے کو کہا اور خود بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو.....!" دوسری طرف سے بھرائی ہوئی سی آواز آئی۔ "غالباً کرنل فریدی۔"

"خیال غلط نہیں ہے۔"

"تمہارے لئے بھی تھوڑی سی دردسری مہیا کردی..... نہ کہنا! آخر بیچارے کو اس طرح مارنے کی کیا ضرورت تھی کہ مر ہی جاتا۔"

"کیا بکواس ہے۔"

"ڈیکن کی چیخیں فون پر بھی سن رہا ہوں۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔ "بس وہ ذرا

ہی دیر کا مہمان ہے۔ کئی آدمیوں نے تمہیں اس کو پیٹتے دیکھا ہوگا۔ کیا سمجھے۔"

"اوہ.....!" فریدی نے جلدی سے سلسلہ منقطع کر کے پولیس ہسپتال کے نمبر ڈائیل کیئے۔

"ہیلو..... ڈیوٹی پر کون ہے۔ ڈاکٹر رحمٰن..... براہِ کرم فوراً ریالٹو! میں فریدی بول رہا ہوں۔"

"پہلے کون تھا۔" حمید نے اس سے پوچھا۔

"فی الحال خاموش رہو۔" فریدی نے کہا اور ڈیکن کی طرف دیکھنے لگا جس کی چیخوں میں اب پہلی سی کرختگی نہیں رہی تھی۔ آواز آہستہ آہستہ مضمحل ہوتی جارہی تھی۔

وہ اب بھی سینے کے بل ہی پڑا ہاتھ پیر پھینک رہا تھا۔ دفعتاً فریدی تیزی سے جھک کر اس کی پشت پر کچھ دیکھنے لگا اور پھر بائیں شانے میں چبھی ہوئی ایک لمبی سی سوئی کھینچتا ہوا سیدھا ہوگیا۔

ڈیکن کی چیخیں پھر تیز ہوگئیں۔ فریدی سوئی کو چہرے کے برابر لا کر بغور دیکھ رہا تھا۔ حمید بھی قریب آ گیا۔

پھر اس کی نظر اس چھوٹے سے دروازے پر رکی جو ڈیکن کی کرسی کے پیچھے تھا۔ دیوار کا فاصلہ کرسی سے زیادہ نہیں تھا۔ کوئی بھی دروازے سے ہاتھ بڑھا کر ڈیکن کا شانہ چھو سکتا تھا۔ وہ اسی کرسی پر بیٹھا ہوا ملا تھا۔

"کیا یہ یونہی پڑا رہے گا۔" حمید نے پوچھا۔

"ڈاکٹر کے آنے تک تو میں یہی مناسب سمجھوں گا۔" فریدی نے کہا اور دروازے کی طرف متوجہ ہوجانا پڑا۔ فریدی نے اسے حالات سے آگاہ کرتے ہوئے وہ سوئی دکھائی جو ڈیکن کے شانے سے کھینچی تھی۔

ڈاکٹر نے فوری احتیاطی تدابیر اختیار کرنے میں دیر نہیں لگائی۔ اس کا خیال تھا کہ ڈیکن کسی ایسے زہر کا شکار ہوا ہے جو براہِ راست ذہن پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس سے موت واقع ہونے کا خدشہ نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ زہر اس سوئی ہی کے ذریعہ جسم میں داخل کیا گیا ہو۔

ڈاکٹر ایمبولینس ہی میں آیا تھا اس لئے ڈیکن کو وہاں سے لے جانے میں بھی کوئی

دشواری پیش نہیں آئی۔

کمرہ خالی ہونے پر فریدی پھر عقبی دروازے کی طرف متوجہ ہوا ہی تھا کہ ایک عورت تیزی سے اندر داخل ہوئی۔ اس کے چہرے پر اضطراب کی لہریں تھیں۔

"یہ کیا ہوا..... یہ کیا ہو رہا ہے۔" اس نے ہذیانی انداز میں کہا۔ عورت خوش شکل اور خوش لباس تھی۔ عمر تیس سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔

"آپ کون ہیں.....!" فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔

"تھیلما ڈیکن! ڈیکن کو کیا ہوا۔ اُسے کہاں لے گئے ہیں۔"

"آپ گاڑی پر ان کے ساتھ جا سکتی تھیں۔"

"گاڑی جا چکی تھی۔ میں ابھی پہنچی ہوں۔ سپروائزر نے مجھے فون کیا تھا کہ اس کمرے میں دو پولیس آفیسر موجود ہیں اور انہوں نے اسے مارا ہے۔"

"آپکو غلط اطلاع ملی ہے۔" فریدی نے کہا اور اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا رہا۔

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ وہ مجھ سے جھوٹ کیوں بولیں گے.....!" تھیلما نے فریدی کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ نہ جانے کیوں وہ اس سے نظریں چرا رہی تھی۔

"ڈیکن کو آپ کب سے جانتی ہیں۔" فریدی نے پوچھا۔

"اوہ..... یہ شائد مسز ڈیکن ہیں۔" حمید بول پڑا۔

"جی ہاں..... مگر آپ مجھے اس کے متعلق بتاتے کیوں نہیں۔"

"کچھ دیر پہلے اس نے مجھے فون کیا تھا کہ وہ خود کو خطرے میں محسوس کر رہا ہے۔"

"اب میں آپ سے یہی سوال کروں گی کہ آپ ڈیکن کو کب سے جانتے ہیں۔" تھیلما نے زہریلے قسم کے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"یہ سوال واقعی چکر دینے والا ہے۔" فریدی مسکرایا۔

"ڈیکن اور خود کو کسی قسم کے خطرے میں پا کر پولیس سے مدد طلب کرے گا..... ہونہہ"

"سبھی پولیس سے مدد طلب کرتے ہیں ایسے حالات میں۔"

"کیسے حالات میں۔"

"اس پر کسی قسم کا زہر آزمایا گیا ہے جس کے زیر اثر اس کا دماغ ماؤف ہو گیا ہے۔"

"زہر.....!" تھیلما کی آنکھیں بُرت سے پھیل گئیں اور فریدی نے اسے بتایا کہ وہاں پہنچنے پر انہوں نے اسے کس حال میں پایا تھا..... اور وہ کس انداز میں ان پر حملہ آور ہوا تھا۔ پھر وہ بولا "ہاں میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ ڈیکن اپنے معاملات خود ہی طے کر لینے کی صلاحیت رکھتا ہے..... لیکن یہ معاملہ۔"

تھیلما نے اس سے جملہ پورا کرنے کی درخواست نہیں کی۔ ایسا معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ اس نے کچھ سنا ہو۔ وہ تو کمرے کے چھوٹے سے عقبی دروازے کو گھورے جا رہی تھی، پھر یک بیک چونک پڑی اب اس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے۔

"چلیے..... خدا کے لئے چلیے۔" وہ ہذیانی انداز میں بولی۔ "میرے گھر چلیے۔"

فریدی نے پھر اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھا اور حمید کو اشارہ کیا کہ وہ خاموش ہی رہے۔ تھیلما کہتی رہی۔ "وہ حقیقتاً خطرے میں تھا۔ اس نے کبھی کسی سے کچھ نہیں کہا۔ چلیے میں آپ کو بہت کچھ بتاؤں گی۔"

"آپ میرے ساتھی کو لے جا سکتی ہیں۔"

"اور آپ.....!" عورت نے بیساختہ پوچھا۔

"میری دانست میں تو آپ یہیں سب کچھ بتا سکیں گی۔ بیٹھ جائیے۔" فریدی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"م..... میں..... یعنی کہ۔"

"ٹھیک ہے آپ یہ معلوم کئے بغیر کہ ڈیکن زندہ ہے یا مر گیا..... اس کے متعلق کچھ بتائیں گی۔"

"کیا مطلب.....!" وہ اچھل پڑی۔

"ہونا یہ چاہئے تھا کہ آپ پہلے ڈیکن کی خبر لیتیں۔ اس کی حالت قابل اعتماد نہیں تھی۔"

"اوہ.....تب تو مجھے جانا چاہیے۔" وہ بوکھلا کر دروازے کی طرف بڑھی۔

"ٹھہریئے۔" فریدی جیب سے نوٹ بک نکالتا ہوا بولا۔ ایک صفحے پر اس نے جلدی جلدی لکھا۔

"ڈاکٹر..... یہ مسز ڈیکن ہیں انہیں اس کے پاس جانے دو۔فریدی۔" پھر صفحہ پھاڑ کر اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا "پولیس ہاسپٹل۔"

تھیلما کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ اس نے کاغذ لیا اور تیزی سے باہر نکل گئی۔ فریدی کے ہونٹوں پر حقارت آمیز مسکراہٹ نظر آئی۔

"آپ نے اُسے ٹھہرنے کیوں نہیں دیا۔" حمید نے پوچھا۔

"میرا فرض تھا اُسے یاد دلانا کہ وہ اپنے شوہر سے بہت محبت کرتی ہے۔"

"اب مشکل ہی ہے کہ آپ سمجھ میں آنے والی باتیں کر سکیں۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

فریدی پھر دروازے کی طرف بڑھا۔

دروازہ دوسری طرف سے بند تھا۔ دفعتاً اس نے مڑ کر حمید سے کہا۔ "جلدی کرو، تمہیں اس عورت کا تعاقب کرنا ہے۔ گاڑی لے جاؤ۔ مگر نہیں کوئی ٹیکسی مل جائے تو بہتر ہے..... ہوسکتا ہے گاڑی پر اس کی نظر پڑی ہو۔"

حمید نے وجہ نہیں پوچھی۔ وہ باہر آیا۔ تھیلما ایک چھوٹی سی گاڑی میں بیٹھ رہی تھی۔ وہ اپنی گاڑی کی اوٹ میں ہوگیا۔

آس پاس کوئی ٹیکسی نہیں نظر آرہی تھی۔ تھیلما کی کار حرکت میں آگئی اور حمید کو لنکن ہی میں اس کا تعاقب کرنا پڑا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اب وہ بلیک میلر کیا چاہتا ہے۔ اگر یہ اسی کی حرکت تھی تو معاملہ کافی آگے بڑھ چکا تھا اور کسی طرح نہیں کہا جاسکتا تھا کہ ان حرکتوں کا مقصد صرف اپنے شکاروں کو مرعوب کرنا ہے۔ شکاروں کو مرعوب کرنے کے لئے تو گیل ہی والا واقعہ کافی تھا۔ اس وقت

جو کچھ بھی پیش آیا تھا اس کی روشنی میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا کہ اب وہ پولیس کو بھی مرعوب کرنا چاہتا ہے۔ ورنہ پھر اس طرح فریدی پر حملہ کرانے کا کیا مقصد ہوسکتا ہے۔ پہلے اس نے کسی طرح یہ بات ڈیکن پر جتا دی ہوگی کہ وہ کسی فوری خطرے سے دوچار ہونے والا ہے۔ ڈیکن نے بوکھلا کر فریدی کو فون کیا۔ پھر اس اطلاع اور ان کے وہاں پہنچنے کے وقفے میں کسی طرح وہ زہریلی سوئی اس کے شانے میں اتار دی گئی۔ کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ یقینی طور پر اس کے لئے عقبی ہی دروازہ استعمال کیا گیا ہوگا۔

پھر یک بیک وہ چونک پڑا۔ عقبی دروازے کے خیال کے ساتھ ہی اسے وہ سچویشن بھی یاد آگئی جب اس نے تھیلما کو عقبی دروازے کی طرف گھورتے دیکھا تھا۔ پھر وہ چونکی تھی اور نروس نظر آنے لگی تھی۔ اس کے بعد ہی درخواست کی تھی کہ وہ اس کے ساتھ گھر چلیں، جہاں وہ انہیں کچھ بتائے گی۔ لیکن فریدی نے ٹال دیا تھا.....اوہ.....تو کیا وہ اس عقبی دروازے سے ان کی توجہ ہٹانا چاہتی تھی.....نہیں چاہتی تھی کہ اسے کھولا جائے۔ فریدی نے جس انداز میں اسے ٹالا تھا اس سے تو یہی مترشح ہوتا تھا کہ وہ خود وہاں سے نہیں ہٹنا چاہتا.....تو یہ عورت کچھ بتانے پر آمادگی ظاہر کر کے دراصل کچھ چھپانا چاہتی تھی۔

تھیلما کی گاڑی ایک کراسنگ پر رکی.....اس کے پیچھے دو گاڑیاں اور بھی تھیں، پھر لنکن تھی.....حمید نے احتیاطاً اپنی گاڑی دو گاڑیوں کے پیچھے رکھی تھی۔ اس تعاقب کی وجہ یہی ہوسکتی تھی کہ فریدی کو شبہ تھا.....شبہ تھا کہ وہ سیدھی ہسپتال نہیں جائے گی یا پھر سرے سے اُدھر کا رخ ہی نہ کرے۔ شبہ بار آور ہو رہا تھا۔ اس نے ابھی ابھی پولیس ہسپتال کی قریب ترین راہ نظر انداز کی تھی۔

حمید اب قاسم کے متعلق سوچنے لگا تھا۔ پھر ذہنی رو اس بلیک میلر کے طریق کار کی طرف منتقل ہوگئی۔ آخر وہ رقم وصول کرنے کے لئے خصوصیت سے اپنے تھیلے کیوں بھیجتا ہے۔ وہ تھیلے کس قسم کے ہوتے ہوں گے۔ فی الحال ایک تھیلا قاسم کے پاس تھا۔ اگر فریدی چاہتا تو قاسم سے تھیلا حاصل کر کے بلیک میلر کے لئے کسی قسم کا جال بچھا سکتا تھا۔ لیکن اس نے اسے

روا روی میں ٹال دیا تھا۔ آخر کیوں؟ کیا اس لئے کہ ڈیکن یہ معلوم کرنے میں ناکام رہا تھا کہ جھریالی کی بھوری چٹان سے تھیلا کس نے اٹھایا تھا۔ ڈیکن..... ڈیکن.....!

حمید مضطربانہ انداز میں سیٹ پر کسمسایا۔ آٹو سگنل کی روشنی تبدیل ہوئی اور تھیلما کی گاڑی آگے بڑھ گئی۔ تعاقب جاری رہا..... ڈیکن..... ڈیکن..... ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ اس نے ایک کہانی سنائی تھی جس کی تصدیق قاسم کی کہانی سے بھی ہوگئی تھی۔ لیکن کیا خود ڈیکن ہی کہانی کی پشت پر نہیں ہوسکتا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ فریدی اتفاقاً اسی بلیک میلر سے جا ٹکرایا ہو اور بلیک میلر نے پہلے تو اسے اپنے طریقہ کار سے آگاہ کیا اور پھر کہانی میں مزید زور پیدا کرنے کے لئے..... سوئی..... پاگل پن اور حملے کا ڈرامہ پیش کردیا۔ اس طرح کسی ایسے خطرناک آدمی کا وجود بھی ثابت ہوگیا جو اُسے بلیک میل کر رہا تھا اور دوسری طرف خود اس کی بھی پوزیشن صاف ہوگئی اور تیسرا مقصد بھی حل ہوگیا ہو..... یعنی پولیس کو مرعوب کرنا۔ گویا وہ جب بھی چاہے اپنے خلاف تفتیش کرنے والوں کا صفایا کرسکتا ہے۔ اب اسی وقت اگر فریدی ہوشیار نہ ہوتا تو شاید اُسے بھی ہسپتال ہی کا رخ کرنا پڑتا..... ڈیکن..... ڈیکن.....!

حمید نے پھر مضطربانہ انداز میں پہلو بدلا۔

تھیلما کی گاڑی جھریالی کی سڑک پر مڑ رہی تھی۔ حمید نے سوچا کہ اب یہ تعاقب راز نہ رہ سکے گا کیونکہ جھریالی کی سڑک پر زیادہ ٹریفک نہیں ہوتا تھا۔ تھیلما نے ان کی گاڑی پر دھیان دیا ہو یا نہ دیا ہو لیکن انہیں تو بخوبی دیکھ چکی تھی..... پھر.....؟"

ٹیڑھا سوال تھا۔ کچھ بھی ہو..... اب تو تعاقب جاری رکھنا اشد ضروری تھا۔ آخر وہ ڈیکن کی خیریت معلوم کئے بغیر جھریالی کی طرف کیوں بھاگی جارہی تھی۔

جھریالی..... جہاں بھوری چٹان نام کی ایک جگہ تھی..... وہ جگہ جہاں بلیک میلر اپنے شکاروں سے رقومات وصول کرتا تھا۔

دفعتاً اسے یاد آیا کہ فریدی اپنی گاڑیوں میں اکثر ریڈی میڈ قسم کے میک اپ بھی رکھتا ہے۔ مثلاً ایسے مصنوعی دانت، جو اصلی دانتوں پر چڑھائے جاسکیں یا پلاسٹک کے ایسے خول

جنہیں ناک پر چڑھا کر حلئے میں کسی حد تک تبدیلی کی جاسکے۔ ایسی ناکوں کے ساتھ گھنی مونچھیں بھی ہوتی تھیں، جن سے کم از کم اوپری ہونٹ تو ڈھک ہی جاتا تھا۔

مگر اُسے اپنے سائز کی کوئی ناک نہ مل سکی۔ پھر مجبوراً وہی کرنا پڑا جس کے خیال ہی سے وحشت ہوتی تھی۔ یعنی مصنوعی دانتوں کے خول استعمال کرنے پڑے۔

اس نے عقب نما آئینے کی پوزیشن بدل کر اپنی شکل دیکھی۔ دو بڑے بڑے دانت نچلے ہونٹ پر سائبان کی طرح چھائے ہوئے تھے۔ شکل میں حیرت انگیز طور پر تبدیلی ہوئی تھی۔ بائیں ہاتھ سے کوٹ بھی اتارا۔ ٹائی کھینچ کر نیچے ڈال دی..... اور سوچنے لگا کہ اگر وہ ان دانتوں سمیت کسی کے خیالوں میں بس رہے تو خیالات کا کیا حشر ہو۔

تھیلما کی گاڑی کی رفتار اس سڑک پر خاصی تیز ہوگئی تھی۔ حمید نے اپنی گاڑی مناسب فاصلے پر رکھی۔

کچھ دیر بعد اس نے خود کو اس علاقے میں پایا جہاں غیر سرکاری سائنسی تجربہ گاہیں تھیں۔ ایک کی کمپاؤنڈ میں تھیلما کی گاڑی داخل ہورہی تھی۔ حمید اپنی گاڑی آگے نکالتا لئے چلا گیا۔ مگر اب اسے رکنا چاہئے تھا۔ اس نے اپنی گاڑی قریب ہی کی دوسری تجربہ گاہ کے سامنے چھوڑ دی اور اس تجربہ گاہ کی طرف پیدل ہی چل پڑا جہاں تھیلما گئی تھی۔

عمارت زیادہ بڑی نہیں تھی۔ سامنے کا کچھ حصہ صاف کر کے وہاں چھوٹا سا پائیں باغ ترتیب دیا گیا تھا ورنہ چاروں طرف مختلف قسم کی جھاڑیاں بکھری ہوئی تھیں اور کمپاؤنڈ کی حد بندی بھی یہی جھاڑیاں کرتی تھیں۔ چہار دیواری نہیں تھی۔

اس نے کچھ دیر رک کر اندازہ کیا کہ کس طرف کی جھاڑیوں میں گھس کر بہ آسانی عمارت تک پہنچ سکے گا۔ وہ پھر چل پڑا..... آس پاس سناٹا تھا اس لئے اس نے زیادہ احتیاط کی بھی ضرورت نہ محسوس کی۔ عمارت کی پشت پر ساری کھڑکیاں بند نظر آئیں۔ لیکن ان میں شیشے جڑے ہوئے تھے اس لئے اندر کا جائزہ بخوبی لیا جاسکتا تھا۔

اس طرف جھاڑیاں اتنی بلند تھیں کہ دوسری جانب سے دیکھ لئے جانے کا بھی اندیشہ نہیں

تھا..... یک بیک اس نے کسی عورت کی آواز سنی، جو کہہ رہی تھی۔

"تم نے بہت بُرا کیا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ اس کی حالت بہتر نہیں ہے۔"

پھر کسی مرد کی آواز آئی۔ "تمہیں وہم ہو گیا ہے ڈیئر۔ میں صرف محبت کرنا جانتا ہوں۔ رقابت سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور پھر میں تو یہاں سے ہلا بھی نہیں تھا۔"

"تمہارے کسی آدمی نے.....!" اس بار حمید نے تھیلما کی آواز پہچان لی۔

"مزید حماقت..... ایسے کام دوسروں کے ذریعے نہیں کرائے جاتے۔"

"آفیسر کہہ رہا تھا کہ اس پر کسی قسم کا زہر آزمایا گیا ہے جس کے اثر سے اس کا دماغ ماؤف ہو گیا ہے۔"

"اور تم یہاں دوڑی آئیں۔" مرد ہنس پڑا۔ "کیونکہ زہروں کے متعلق میری معلومات وسیع ہیں۔ جاؤ ڈارلنگ اُسے تمہاری ضرورت ہوگی۔ وقت برباد نہ کرو۔ اگر رقابت ہی کا معاملہ ہوتا تو وہ کبھی کا مر چکا ہوتا۔"

"ابھی کچھ ہی دن ہوئے تم دونوں جھگڑ بیٹھے تھے اور اس نے تمہیں دھمکیاں دی تھیں۔"

"میں نے تو نہیں دی تھیں۔ قریب آؤ۔ پریشانی کے عالم میں تم اور زیادہ حسین نظر آنے لگتی ہو۔ یہ سہمی سہمی سی آنکھیں کن کن جہانوں کی سیر کرا رہی ہیں۔ تھیلما کاش تم غیر فانی ہوتیں۔"

چوہے کا شکار

حمید نے مصنوعی دانتوں کا خول سنبھالتے ہوئے طویل سانس لی۔

وہ اس آدمی کی شکل دیکھنا چاہتا تھا لیکن اوپر اٹھ کر کھڑکی میں جھانکنے کی ہمت نہ کر سکا اُس طرح دیکھ لئے جانے کا خدشہ تھا۔ رات ہوتی تو خیر کوئی بات نہ تھی۔

"اونہہ..... تمہیں اس کی بھی پرواہ نہیں ہے کہ میں کتنی پریشان ہوں۔" کچھ دیر بعد تھیلما

کی آواز آئی۔ مرد کا قہقہہ بھرائی ہوئی سی آواز میں تھا۔ اس نے کہا۔ "پھانسی کے تختے پر بھی آدمی کو اپنے لئے کوئی کچھ وقت ضرور نکالنا چاہئے۔"

"تم پاگل ہو ڈاکٹر..... میں نے اکثر یہ بھی سوچا ہے۔"

"عام آدمیوں سے مختلف ہوں اس لئے تم مجھے پاگل بھی سمجھ سکتی ہو۔"

"ڈیکن کو ہمارے تعلقات پر شبہ ہے۔" تھیلما کی آواز آئی۔ "میرا خیال ہے تم سے وہ اسی بناء پر جھگڑا کر بیٹھا تھا۔ اس لئے تمہاری بے عزتی کی تھی۔ میں کیسے مان لوں کہ تمہارے سینے میں انتقام کی آگ نہ بھڑکی ہوگی۔"

"اگر اُسے تم سے نفرت ہوتی تو میں یقیناً اسے مار ڈالتا۔" مرد بولا۔ "لیکن یہ تو سوچو کہ وہ تم سے کتنی محبت کرتا ہے۔ کیا اس کی جاں بخشی کے لئے اتنا ہی کافی نہیں ہے۔ جو لوگ میری پسندیدہ چیزیں پسند کرتے ہیں مجھے ان سے خاص قسم کی اُنسیت ہو جاتی ہے..... خواہ وہ پسندیدہ چیز عورت ہی کیوں نہ ہو۔"

"تم بکواس کر رہے ہو۔"

"یقین کرو..... میں اس معاملے میں عام آدمیوں سے بہت مختلف ہوں۔ دل چاہے پاگل کہہ لو..... لیکن جو کچھ کہہ رہا ہوں اسے جھوٹ سمجھ کر تم مجھ پر ظلم کرو گی۔"

"پھر اس کے پاگل پن میں کس کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔"

"کسی کا بھی نہیں..... اس کا سا مزاج رکھنے والے خود بخود ہی پاگل ہو سکتے ہیں۔"

"آفیسر کہہ رہا تھا کہ ڈیکن نے اُسے فون پر اطلاع دی تھی کہ وہ خطرے میں ہے وہ وہاں پہنچا تو ڈیکن کی حالت غیر تھی۔ وہ کراہ رہا تھا۔ دفعتاً اس نے خنجر نکال کر آفیسر پر حملہ کر دیا..... وہ ہوش میں نہیں تھا..... اس نے اُسے قابو میں کر کے ہسپتال بھجوا دیا۔"

"تمہاری موجودگی میں ہسپتال بھجوا دیا تھا۔"

"نہیں..... میں دیر سے پہنچی تھی۔"

"ہسپتال گئی تھیں۔"

"میں سیدھی ادھر ہی آئی ہوں۔"

"تم نے بہت بُرا کیا کہ اس کی خبر لینے کی بجائے ادھر چلی آئیں..... واپس جاؤ..... جلدی کرو۔ اگر کسی نے تمہارا تعاقب کیا ہوگا تو جانتی ہو میں کتنی الجھنوں میں پھنس جاؤں گا۔"

"اوہ..... مجھے اس کا خیال ہی نہیں آیا تھا..... اُوہ..... اوہ..... یقیناً مجھے پہلے وہیں جانا چاہئے تھا..... مگر..... سنو! میرا خیال ہے کسی نے میرا تعاقب نہیں کیا۔"

"تم نے اس کی طرف دھیان ہی نہ دیا ہوگا۔ اتنی چالاک نہیں ہو۔ جاؤ جلدی کرو۔"

کچھ دیر بعد قدموں کی آواز سنائی دی۔ حمید جہاں تھا وہیں دبکا رہا۔ اب وہ اس آدمی کے متعلق معلومات فراہم کئے بغیر یہاں سے کیسے جاسکتا تھا۔

تھیلما شائد ذہنی طور پر اتنی الجھی ہوئی تھی کہ اس نے اپنے پیچھے آنے والی گاڑی کی طرف دھیان بھی نہیں دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی اور آہستہ آہستہ رینگتا ہوا بائیں جانب بڑھنے لگا۔

دانتوں کا خول نچلے ہونٹ پر بُری طرح چبھ رہا تھا۔ اس لئے اب اس نے اسے نکال کر جیب میں ڈال لیا۔ ویسے بھی اب اس کا کام تو ختم ہی ہو چکا تھا۔ وہ محض اس لئے استعمال کیا گیا تھا کہ کہیں مسز ڈیکن اسے پہچان کر وہاں کا قصد ہی ترک نہ کردے جہاں اُسے جانا تھا۔

اب وہ سوچ رہا تھا کہ کم از کم اس آدمی کو تو دیکھنا ہی چاہئے جس سے وہ ابھی گفتگو کررہی تھی۔

یک بیک اس نے کسی عورت کے چیخنے کی آوازیں سنیں اور تیزی سے آواز ہی کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

پائیں باغ میں ایک لڑکی بے تحاشہ دوڑتی پھر رہی تھی اور ایک بڑا سا چوہا اس کے پیچھے تھا۔ حمید کے لئے یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے کسی چوہے کو کتے کی طرح آدمی پر جھپٹتے دیکھا ہو۔ لڑکی چیختی ہوئی ادھر اُدھر کودتی پھر رہی تھی۔

پھر حمید یہ بھول گیا کہ وہ کون ہے اور یہاں آنے کا مقصد کیا تھا۔ اگر لڑکی سے محض مسخرا

پن سرزد ہو رہا تھا تب بھی وہ بہر حال ایک لڑکی ہی کا معاملہ تھا۔

حمید نے ریوالور نکال کر چوہے کا نشانہ لیا..... فائر ہوا اور چوہا اچھل کر دور جاپڑا۔

"خوب..... خوب..... بہت اچھے۔" برآمدے کی طرف سے آواز آئی۔

حمید اس جانب مڑا۔ لڑکی کچھ بڑبڑاتی ہوئی عمارت میں داخل ہو رہی تھی۔

حمید کے اس کارنامے کی داد دینے والا ایک طویل قامت آدمی تھا۔ سیاہ فرنچ کٹ ڈاڑھی اور باریک مونچھوں میں خاصا وجیہہ معلوم ہوتا تھا۔ رنگت سرخ وسفید تھی۔ عمر چالیس سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔

"ایسے بہادروں سے مل کر واقعی بڑی خوشی ہوتی ہے۔" وہ مصافحے کے لئے ہاتھ پھیلاتے ہوئے حمید کی طرف بڑھا۔

"ظاہر ہے ایسے چوہوں سے مل کر میرا کیا حال ہوتا ہوگا۔" حمید نے بھی اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ مصافحے میں گرم جوشی سے زیادہ طاقت کا اظہار تھا۔ حمید کو وہ فولادی پنجہ معلوم ہوا تھا، لیکن وہ خود بھی کمزور تو نہیں تھا۔ جوابی دباؤ بھی اس فولادی پنجے کے شایان شان ہی تھا۔

"قاضی کے گھر چوہوں کے متعلق آپ نے سنا ہی ہوگا۔" حمید نے اس کے لہجے میں زہریلا پن محسوس کیا۔

"جی ہاں! یہ چوہا بھی یہی کہتا معلوم ہو رہا تھا..... کہ..... رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن۔" حمید نے جواب دیا۔

"آس پاس والے بخوبی جانتے ہیں کہ میں اپنی حدود میں بغیر اجازت داخل ہونے والے اجنبیوں سے کیسا برتاؤ کرتا ہوں۔ آپ کو یہاں فائر کرنے کی جرأت کیسے ہوئی۔"

"ابھی تو آپ میرے اس دلیرانہ اقدام کی تعریف کررہے تھے۔"

"اوہ..... ٹھیک ہے..... میں بھول گیا تھا۔ اب وہ آپ پر عاشق ہوجائے گی۔ یہ لڑکیاں اسی تاک میں رہتی ہیں کہ کب کوئی ان کیلئے کسی قسم کا دلیرانہ کارنامہ انجام دے اور وہ کھٹاک

سے عاشق ہو جائیں.....!" اس نے مسکرا کر کہا۔ لیکن لہجے میں زہریلا پن بدستور موجود تھا۔

"تب تو قاضی کے یہاں کی بلیاں بھی کم از کم وکٹوریہ کراس تو حاصل ہی کر چکی ہوں گی۔"

"بکواس بند کرو۔" اس نے یک بیک غصیلے لہجے میں کہا۔ "تم نے ایک ایسے چوہے کو مار ڈالا ہے جس پر میرے تقریباً پانچ ہزار روپے صرف ہوئے تھے۔"

"اس کی رسید تمہیں کسی پاگل خانے سے دلوادی جائے گی۔"

"کیا مطلب.....؟"

حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور اسے گھورتا ہوا بولا۔

"تھیلما ڈیکن کو تم کب سے جانتے ہو۔" اور قبل اس کے کہ وہ کوئی جواب دیتا اپنا کارڈ بھی اس کی طرف بڑھا دیا۔

کارڈ پر نظر پڑتے ہی اس نے ایک طویل سانس لی اور پھر اس کے چہرے سے غیظ و غضب کے آثار یکسر غائب ہو گئے۔

"شائد پچھلے دو سال سے۔" وہ حمید کا کارڈ واپس کرتا ہوا مسکرایا۔

"وہ ابھی یہاں کیوں آئی تھی۔"

"سوال ایسا ہے جس کا جواب شائد آپ اپنی رپورٹ میں تحریر کرنا پسند نہ کریں۔"

"فی الحال میں آپ کا یہی جواب درج کروں گا۔" حمید جیب سے نوٹ بک نکالتا ہوا بولا۔ "آپ کا نام۔"

"طاہر سعید..... ڈاکٹر طاہر سعید..... ماہر حشرات الارض۔"

یہ نام حمید پہلے بھی سن چکا تھا۔ ڈاکٹر طاہر سعید مشہور شخصیتوں میں سے تھا، لیکن حمید نے اپنے چہرے پر حیرت کے آثار پیدا نہ ہونے دیئے۔ نوٹ بک کے صفحے پر اس کی پنسل چلتی رہی۔ ولدیت اور پتہ نوٹ کرنے کے بعد اس نے دوسرے سوالات شروع کر دیئے لیکن یہ نہیں ظاہر ہونے دیا کہ وہ کچھ دیر پہلے ان دونوں کی گفتگو سن چکا تھا۔

اسی طرح وہ اندازہ لگا سکتا کہ ان معاملات میں اس شخص کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے۔ مگر

ڈاکٹر طاہر نے غلط بیانی سے کام نہیں لیا۔ تھیلما کی آمد کا اصل مقصد بتاتے ہوئے اس نے کہا۔

"اس عورت نے میری اور اپنی پوزیشن خراب کر لی ہے۔ اندر چلئے میں آپ کو اسی لڑکی کے ہاتھوں کی چائے پلواؤں گا جو اس عرصہ میں آپ پر اچھی طرح عاشق ہو چکی ہو گی۔"

"آپ ایک ذمہ دار آفیسر کو اپنا بیان دے رہے ہیں۔" حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

"چھوڑو یار..... آفیسر کسی دوسری مشین میں ڈھل کر نہیں آتے ہیں۔ نپولین تم سے بھی زیادہ خونخوار آدمی تھا۔"

حمید نے پلکیں جھپکائیں۔ اپنے ٹائپ کا پہلا ہی آدمی اس وقت اس کے ہاتھ لگا تھا۔ ہو سکتا تھا یہ وہی ہو جس کی انہیں تلاش تھی۔ لیکن تھا دلچسپ۔ اس نے سوچا چلو یہ بھی سہی۔ ہو سکتا ہے اسی وقت اس پر ہاتھ ڈالنے کا موقع نصیب ہو جائے۔

اس نے اس کے ساتھ اندر جانے میں ہچکچاہٹ نہ ظاہر کی۔

وہ اسے ایک کمرے میں لے آیا۔ یہاں معمولی سا فرنیچر تھا۔ ڈاکٹر نے کرسی کی طرف اشارہ کیا اور خود بھی بیٹھتے ہوئے گھنٹی کے بٹن پر انگلی رکھ دی جو میز کے ایک پائے میں نصب تھا۔ عمارت کے کسی دور افتادہ حصے میں گھنٹی کی آواز گونجی۔ حمید کا داہنا ہاتھ کوٹ کی جیب میں تھا اور ریوالور کے دستے پر گرفت اتنی ہی مضبوط تھی کہ ضرورت پڑنے پر پلک جھپکتے نکالا جا سکے۔

کچھ دیر بعد وہی لڑکی بائیں جانب والے دروازے میں دکھائی دی۔ ڈاکٹر نے ہاتھ اٹھا کر اسے کچھ اشارہ کیا اور وہ الٹے پیروں واپس گئی۔

"ہاں تو میں کہہ رہا تھا.....!" وہ حمید کی طرف مڑا۔ "میں اور ڈیکن گہرے دوست تھے، تھیلما مجھے بھی پسند ہے۔ ہو سکتا ہے ہمارے درمیان جھگڑے کا باعث وہی بنی ہو۔ اگر ڈیکن میرا دشمن ہو گیا ہے تو تھیلما نے فرض کر لیا کہ میں بھی اس کے خون کا پیاسا ہوں۔"

"قدرتی بات ہے۔"

"قدرتی بات.....!" ڈاکٹر نے طویل سانس لی۔ "جو بات آج قدرتی ہے کل نہ رہے گی۔ کل چوہا آدمی کی آہٹ پر بھاگتا تھا آج تم نے اسے آدمی پر جھپٹتے دیکھا ہے۔ آج ایسے

معاملات میں رقابت قدرتی بات ہے لیکن کل نہ ہوگی۔"

"لیکن یہ چوہا میری سمجھ میں نہیں آ سکا۔"

"میں یہاں ایسے تجربات کر رہا ہوں جن کے تحت آدمی کو حشرات الارض کی تباہکاری سے نجات دلائی جا سکے۔ لیکن جانتے ہو کیا ہو رہا ہے۔ مثال کے طور پر چوہوں کو لے لو۔ ہر سال ہمیں ہزاروں ٹن اناج سے محروم کر دیتے ہیں۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ نہ صرف انہیں فنا کر دیا جائے بلکہ ان کی پیدائش ہی روکنے کی کوشش کی جائے۔"

"بڑا نیک کام ہے۔" حمید سر ہلا کر بولا۔

"لیکن میں محسوس کر رہا ہوں کہ یہ ناممکن ہے۔ جو تدابیر اختیار کرتا ہوں وہ موجودہ نسل کو کسی حد تک کمزور کر دیتی ہیں لیکن اس کی دوسری پشت انہیں تدابیر کا جم کر مقابلہ کرتی ہے دراصل ان کے خلاف ویسی ہی قوت دافعہ لے کر پیدا ہوتی ہے پھر ان کے خلاف دوسری تدابیر اختیار کرنی پڑتی ہیں۔ لیکن تیسری پشت انہیں بھی بے کار کر دیتی ہے۔ جس نسل پر میں نے تجربہ کیا تھا اس کی آٹھویں پشت کا کارنامہ تم ابھی دیکھ چکے ہو۔ یہ اتنی شیر ہے کہ آدمی پر جھپٹ پڑتی ہے۔"

"بڑی عجیب بات ہے۔"

"عجیب نہیں بلکہ قدرتی بات ہے۔ تمہیں اس سمندر میں بھی مچھلیاں ملیں گی جس کی ٹھنڈک سے جم جاتی ہے۔ لیکن کسی تالاب کی مچھلی کو برف کی سل پر ڈال دو تو وہ ختم ہو جائے گی، کیونکہ اتنی ٹھنڈک کے خلاف اُس میں قوت دافعہ موجود نہیں ہے۔ لیکن اگر تم روزانہ تالاب کی مچھلیوں کو برف کی سل پر ڈالتے رہو..... کم از کم اتنی دیر تک کہ ان کی زندگی خطرے میں پڑ جائے پھر انہیں ہٹا لو وہ مرنے نہ پائیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ ان کی تیسری یا چوتھی پشت برف کی سل پر گھنٹوں پھدکتی پھرے گی۔"

حمید سوچنے لگا کہ آخر وہ اتنی بکواس کیوں کر رہا ہے۔ صورت سے تو جھکی نہیں معلوم ہوتا آنکھوں میں ذہانت اور قوت ارادی کی جھلکیاں بھی موجود ہیں۔ ایسی آنکھیں رکھنے والے عموماً

ٹھوس اور کم گو ہوتے ہیں۔ وہ ایسی چہکتی ہوئی شوخ آواز میں گفتگو نہیں کر سکتے۔

آخر اس نے کہا۔ "کیا میں چوہوں کے متعلق معلومات حاصل کرنے آیا ہوں۔"

"مطلب یہ ہے کہ ڈیکن جیسے لوگ میری نظروں میں چوہوں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔ اس نے مجھے پھانسنے کے لئے ایک گھٹیا پلاٹ بنایا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس کا پردادا کسی قانونی شکنجے میں جکڑا جا سکا ہو۔ لیکن اسے گرفت میں لینا مشکل ہوگا کیونکہ اسے قانون کی حدود ہی میں رہ کر قانون شکنی کرنا آ گیا ہے۔ وہ ان الفاظ سے بخوبی کھیل سکتا ہے جو کسی قانون کی تشکیل کرتے ہیں۔"

"کیا مطلب.....!"

"اس کے پردادا کے وقت سے اب تک تعزیری قوانین میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی لیکن یہ اپنے پردادا سے کہیں زیادہ ذہین ہیں۔ ایسا ہی چوہا ہے جو آدمی پر بھی جھپٹ سکے، جو چوہا تم نے ابھی دیکھا تھا اسے ختم کرنے کے لئے میں وہی تدابیر اختیار کر رہا ہوں جو اس سے پہلے کی سات پشتوں کے لئے کرتا رہا تھا۔ شروع کی دو پشتیں کسی قدر کمزور ہو گئی تھیں، ان میں کچھ مرے بھی تھے لیکن بعد کی نسلیں جم کر اُن تدابیر کا مقابلہ کرتی رہیں اور اب یہ چوہا..... ہاہا..... تو کیا سمجھے۔ ضرورت ہے کہ تعزیری قوانین میں حسب ضرورت وقتاً فوقتاً تبدیلیاں یا ترمیمات کی جاتی رہیں..... ورنہ ایک دن پورا معاشرہ چوہوں کا اکھاڑہ بن کر رہ جائے گا۔"

"میں تعزیرات پر لیکچر اٹنڈ کرنے نہیں آیا..... ڈاکٹر سعید۔"

"آہا..... آہا..... ٹھیک ہے۔" ڈاکٹر نے ہنس کر گھنٹی کا بٹن دبایا پھر بولا "میں سمجھتا ہوں تم جائے بھی پیو گے اور تھیلما کے متعلق میری شاعری سے بھی لطف اندوز ہونا چاہو گے۔ کیڑے مکوڑوں نے مجھے آدمی بنا دیا ہے ورنہ آج سے دس سال پہلے میں بھی ایک حقیر سا کیڑا تھا۔ اُس وقت میں تم سے آنکھیں چار کر کے یہ نہ کہہ سکتا کہ تھیلما مجھے بہت پسند ہے۔ ہاہا..... کہیں تم رقابت کے امکانات پر غور نہ کرنے لگو..... نہیں ڈیئر..... قطعی نہیں..... ڈیکن بھی مجھے اسی لئے پسند ہے کہ وہ تھیلما کو بہت چاہتا ہے اور یہ لڑکی شائد اب تنہا ہے۔ اسی لئے گھنٹی.....!"

ڈاکٹر نے اٹھنا چاہا لیکن حمید نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”نہیں شکریہ، اتنا ہی کافی ہے کہ میر
سوالات کے جواب دیتے رہو۔ میں چائے نہیں پیئوں گا۔“

”اچھا.....!“ ڈاکٹر نے انگڑائی کے سے انداز میں اپنا جسم تانتے ہوئے کہا۔ ”چلو شر
ہو جاؤ! آج مجھے بھی کام نہیں ہے۔ میں تمہیں چوبیس گھنٹے کا وقت دے سکتا ہوں۔“

”کیا ڈیکن کو کسی معاملے میں بلیک میل بھی کیا جا سکتا ہے۔“

اس سوال پر پہلی بار حمید کو اس کی آنکھوں میں سنجیدگی نظر آئی۔

وہ چند لمحے شائد اس سوال کو تولتا رہا پھر بولا۔ ”میں اس سوال کا جواب کیسے دے سکو
کیونکہ بلیک میل کئے جانے والے معاملات سے اگر ہر شخص آگاہ ہو تو پھر بلیک میلنگ کا
ہی نہ پیدا ہوگا۔“

پھر حمید کو بھی احساس ہوا کہ یہ سوال حد درجہ احمقانہ ہے۔ ویسے وہ بھی یہ محسوس کر
کہ اس سے جلد بازی سرزد ہوئی ہے۔ اسے اس طرح اچانک سامنے نہ آ جانا چاہئے تھا۔
یہ چالاک آدمی اُسے باتوں میں اڑانے کی کوشش کر رہا ہے۔

”دوسرا سوال.....!“ ڈاکٹر مسکرایا۔ حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ لڑکی ہاتھوں پر چا
ٹرے اٹھائے ہوئے اندر داخل ہوئی۔ خاصی قبول صورت تھی۔ رکھ رکھاؤ سے ملازمہ بھی
معلوم ہوتی تھی۔ ہو سکتا ہے ڈاکٹر سے کوئی رشتہ رہا ہو..... لیکن..... حمید نے سوچا اگر رشتہ
ڈاکٹر اس کے متعلق ایسی باتیں نہ کرتا۔

لڑکی نے ٹرے میز پر رکھ دی اور دو قدم پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کا سر جھکا ہوا
دفعتاً ڈاکٹر دہاڑا۔ ”پھر وہی براؤن شوگر! کتنی بار سمجھایا ہے کہ میرے سامنے بھوری
آیا کرے۔“

لڑکی نے سر اٹھایا اور خاموشی سے اُسے گھورتی رہی اور ڈاکٹر ہاتھ ہلا ہلا کر اسے بُ
کہتا رہا۔ پھر یک بیک لڑکی کے حلق سے عجیب قسم کی آوازیں نکلنے لگیں، پہلے تو حمید چکر
یہ کیسی آوازیں تھیں۔ کیا وہ کسی زبان کے الفاظ تھے جو اس کے لئے نئی رہی ہو۔ پھر بات

دیر سے سمجھ میں آئی..... لڑکی گونگی تھی۔ حمید کا دل چاہا کہ اپنے گالوں پر دو تین تھپڑ لگائے اور کسی
ریلوے انجن کی طرح چھک چھک پھک پھک کرتا اور سیٹی بجاتا ہوا یہاں سے نکل بھاگے۔

لڑکی اسی طرح چیختی اور دہاڑتی ہوئی باہر نکل گئی۔ جیسے کہہ رہی ہو۔ ”جہنم میں جاؤ.....
مزاج ہی نہیں ملتے بیچارے کے..... ہاں..... نہیں تو.....!“

”یہ مجھے پاگل بنا دے گی۔“ ڈاکٹر سر کے بال نوچتا ہوا بڑبڑایا۔ پھر چونک کر حمید سے
پوچھا۔ ”آپ کتنی شکر پیتے ہیں جناب۔“

”شکریہ۔“ حمید نے خشک لہجے میں کہا۔ ”میں ڈیوٹی پر ہوں اس لئے اصولاً اس قسم کی
دعوتیں قبول کرنا میرے بس سے باہر ہے۔“

”اُو ہاہا۔“ ڈاکٹر نے قہقہہ لگایا۔ ”اب یہ چائے بھی حلق میں پھنسے گی۔ اسی طرح جیسے
گونگی کی آواز پھنسنے لگتی ہے۔ اچھی بات ہے میں مجبور نہیں کروں گا۔“

وہ صرف ایک پیالی میں شکر ڈال کر چائے انڈیلنے لگا۔ حمید کا دل چاہ رہا تھا کہ ایک ہاتھ
سے اس کی ڈاڑھی پکڑنے کی کوشش کرے اور دوسرے ہاتھ سے ایسا بھرپور گھونسہ رسید کرے کہ
ناک کا زاویہ ہی بدل کر رہ جائے۔

”اوہ..... کیپٹن.....!“ یک بیک ڈاکٹر چونک کر بولا۔ ”ٹھہرو..... شائد تم اس سلسلے میں
کوئی مدد کر سکو۔“

حمید نے اُسے تیکھی نظروں سے دیکھا مگر کچھ بولا نہیں۔

ڈاکٹر کہہ رہا تھا۔ ”وہ چوہا میں نے اسی لئے اس کے پیچھے چھوڑا تھا کہ اس کی اصلیت
معلوم کر سکوں۔ مجھے شبہ ہے کہ وہ گونگی نہیں ہے۔ بہر حال تم نے کھیل بگاڑ دیا۔ سمجھ میں نہیں آتا
کہ کس طرح اس کا معمہ حل ہو۔“

”ڈاکٹر.....!“ حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ”تم آخر آدمیوں کی طرح گفتگو کیوں نہیں کرتے۔“

وہ دراصل ڈاکٹر کو غصہ دلانا چاہتا تھا۔ اس طرح وہ اس سے کچھ نہ کچھ اگلوانا چاہتا تھا۔
لیکن ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا۔ ”یقین کرو..... پیارے دوست..... میں کسی دن ثابت کر دوں گا کہ

لڑکی گونگی نہیں ہے۔“

اعتراف

فریدی نے حمید سے پوچھا۔ ”تو کیا وہ گھنٹی کی آواز پر آئی تھی۔“

”مجھے خود بھی حیرت ہوئی تھی۔“ حمید بولا۔ ”لیکن ڈاکٹر سعید نے اس کی وضاحت کر
ہوئے بتایا کہ وہاں ایک بوڑھی عورت اور بھی ہے جو اسے گھنٹی کی آواز کی طرف متوجہ کر
ہے۔ پھر بھی یہ کہانی میری سمجھ میں تو نہیں آئی۔“

”ہوں تو گونگی کی کہانی کیا ہے۔“ فریدی نے دانتوں سے سگار نکال کر پوچھا۔

”پانچ تاریخ کو جو قیامت خیز بارش ہوئی تھی اس نے جھریالی کے پورے ہی علا
جھیل بنا دیا تھا۔ ڈاکٹر کو وہ اسی شام تجربہ گاہ کے قریب ہی بیہوش پڑی ملی تھی۔ ڈاکٹر نے
پاس اس کے متعلق پوچھ گچھ کی، لیکن کوئی بھی اسے نہ پہچان سکا۔ دو دن تک وہ اُسے ساتھ
سارے شہر میں بھٹکتا پھرا تھا مگر وہ نہ بتا سکی کہ وہ کہاں رہتی تھی۔ اب اس نے اس کا با
خانہ سنبھال لیا ہے۔ ڈاکٹر کا خیال ہے کہ وہ ایک تجربہ کار باورچن کی جگہ پُر کر سکتی ہے۔ کبھ
سے یہ بھی نہیں کہتی کہ اسے اسکے گھر پہنچا دیا جائے۔ مگر ڈاکٹر کو شبہ ہے کہ وہ گونگی نہیں ہے۔

”ڈاکٹر دلچسپ آدمی معلوم ہوتا ہے۔“ فریدی کچھ دیر بعد بولا۔

”ڈیکن کے دفتر کا عقبی دروازہ کھولا تھا آپ نے۔“

”ہاں..... وہ تنگ سی راہداری ہے..... جس کا دوسرا دروازہ عقبی گلی میں کھلتا ہے۔“
کھلا ہی ہوا ملا تھا۔“

”تو آپ کس نتیجے پر پہنچے ہیں۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ سگار کا دھواں کمرے میں منتشر ہوتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد حم

پوچھا۔ ”کیا خیال ہے تھیلما کے متعلق..... کیا وہ نہیں چاہتی تھی کہ ہم ڈیکن کے آفس کا عقبی دروازہ کھولیں۔“

”اگر نہیں چاہتی تھی تو اس کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ اس کی دانست میں کوئی آدمی اس وقت بھی راہداری میں موجود رہا ہوگا۔“ فریدی نے کہا۔

”اس کے ساتھ ہی دوسرا سوال بھی پیدا ہوگا۔“ حمید بولا۔ ”اگر وہاں اسے کسی کی موجودگی کا شبہ تھا تو شبہے کی تصدیق کئے بغیر وہ اتنی دور کیوں دوڑی چلی گئی تھی۔“

”کیا شبہ دو مختلف آدمیوں پر نہیں ہو سکتا۔“ فریدی نے سوال کیا۔

”ہو سکتا ہے وہ اسی لئے وہاں گئی ہو کہ دو کی بجائے کسی ایک پر شبہ کر سکے۔ ڈاکٹر جس انداز میں تم سے ملا تھا اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ واردات کے وقت تجربہ گاہ میں اپنی موجودگی ثابت کر سکے گا۔“

”تب پھر تھیلما ڈیکن کے کسی دوسرے دشمن کے وجود پر روشنی ڈال سکے گی۔“

”یہ نہ بھولو کہ وہ کوئی بلیک میلر ہے۔“ فریدی نے کہا اور اس فون کال کے متعلق بتانے لگا جو ڈیکن کے مجنونانہ حملے کے بعد ہی آئی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

”دوسری طرف سے بولنے والے نے مجھے کچھ اس انداز میں دھمکیاں دی تھیں جیسے ڈیکن ابھی تھوڑی ہی دیر میں مر جائے گا اور میں اس وجہ سے کسی دشواری میں پھنس جاؤں گا کہ لوگوں نے مجھے اس سے ہاتھا پائی کرتے دیکھا تھا۔“

”اوہ..... تو اب ڈیکن کس حال میں ہے۔“

”ڈاکٹر کو اس وقت غلط فہمی ہوئی تھی۔ اب اس کا کہنا ہے کہ حالت قابل اطمینان نہیں۔“

”تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے آپ کو بھی بہر حال ایک الجھن میں پھنسا ہی دیا۔“

فریدی نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور سگار کو ہونٹوں میں دبائے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ”وہ کال کسی عورت کی تھی، جس نے مرد

بننے کی ناکام کوشش کی تھی۔"

"کون سی کال.....!" حمید چونک پڑا۔

"وہی جس کے ذریعہ مجھے مجمعے میں دھمکی دی گئی تھی۔"

"اور تھیلما اس کے بعد ہی آئی تھی۔"

"تم تھیلما کے امکانات پر غور کرو گے۔" فریدی مسکرایا۔

"میں اس کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔"

"تھیلما کے متعلق میں اس وقت تک بہتیری معلومات بہم پہنچا چکا ہوں۔ تھیلما سے شا
سے قبل ڈیکن کوڑی کوڑی کو محتاج تھا۔ تھیلما سے شادی ہوتے ہی اس کا شمار دولت مندوں
ہونے لگا۔ تھیلما سر یعقوب مسیح کی مالدار بیوہ تھی۔ ڈیکن نے شادی کے بعد ریالٹو خریدا تھا۔
اُوہ.....ٹھہرو.....!"

فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر بولا۔ "ڈیکن کے معاملے پر از سر نو غور کرنا پڑ
گا۔ ہوسکتا ہے تھیلما اس سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہو۔ اسے اس کا بھی علم ہو کہ کوئی اسے بلیک
کرتا رہا ہے۔ لہٰذا اس نے اسی کی آڑ میں اس کا خاتمہ کر دینے کی ٹھانی ہو۔ حالات کو سنسنی
بنانے کے لئے مجھے فون پر مخاطب کیا ہو۔ پھر ڈیکن کے آفس میں آکر ایسی ایکٹنگ شروع
ہو جیسے ہمیں عقبی دروازہ کھولنے سے باز رکھنا چاہتی ہو۔ ظاہر ہے کہ ہمیں اس حرکت پر اس
طرف متوجہ ہونا ہی پڑتا۔ پھر وہ ڈیکن کی خبر لینے کی بجائے ڈاکٹر طاہر کی طرف دوڑی گئی۔ جر
اعتراف تم خود اپنے کانوں سے سن چکے ہو کہ وہ زہروں کا ماہر بھی ہے۔"

"اُوہو.....تو آپ کا یہ خیال ہے کہ وہ اپنا جرم ڈاکٹر طاہر کے سر تھوپنا چاہتی ہے۔"

"ممکن ہے۔"

"تو پھر کسی تیسرے وجود کے امکانات پر بھی غور کرنا پڑے گا جس کے لئے وہ ڈیکن
خاتمہ کرنا چاہتی ہو۔"

"ضروری نہیں ہے کہ کسی تیسرے آدمی کا وجود بھی ہو۔ ممکن ہے اب وہ آزاد ہی

چاہتی ہو۔"

"اس طرح تو دو کیس بنیں گے۔ ایک تھیلما کا اور دوسرا اس بلیک میلر کا جسے اس معاملے
میں خواہ مخواہ کھینچ لایا گیا ہے۔" حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"ختم کرو۔ ابھی ہم کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے۔ تھیلما کے متعلق بھی محض قیاس ہے۔"

"اگر قیاس ہے تو کسی تیسرے کے امکانات پر یقینی طور پر غور کرنا پڑے گا۔"

"ہاں اس صورت میں ممکن ہے۔ اگر ڈاکٹر اس وقت تجربہ گاہ میں اپنی موجودگی ثابت
کر دیتا ہے تو کسی تیسرے کے امکانات پر غور کرنا پڑے گا جسے تھیلما بھی جانتی ہے۔"

"یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ تھیلما اُسے جانتی ہے۔" حمید نے سوال کیا۔

"اس سے ایک حماقت سرزد ہوئی تھی۔ وہ یہ کہ اس نے عقبی دروازے کی طرف سے
ہماری توجہ ہٹانے کی کوشش کی تھی۔ جب اس حماقت کا احساس ہوا تو ہمارا دھیان دوسری طرف
ہٹانے کی کوشش کرنے لگی۔ ڈاکٹر طاہر تک جا پہنچنا اسی کوشش کا نتیجہ تھا۔ روز روشن میں کوئی ایسا
آدمی اس گلی سے ڈیکن کے آفس میں گھسنے کی کوشش نہیں کرے گا، جو آس پاس والوں کے
لئے اجنبی ہو۔ وہ یہیں کا کوئی فرد ہوسکتا ہے۔ وہ گلی ویران تو نہیں رہتی۔ وہاں ہر وقت دوسری
بلڈنگ کے لوگ چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ اکثر نے تو اپنی چارپائیاں تک گلی میں ڈال رکھی
ہیں۔ وہ دراصل اس آدمی کی طرف سے ہماری توجہ ہٹانے کے لئے جھریالی دوڑی گئی تھی جس
پر خود اُسے شبہ تھا۔ وہ کوئی ایسا ہی آدمی ہے جسے وہ مجرموں کے کٹہرے میں دیکھنا پسند نہ کرے
گی اور شاید ڈیکن بھی اس آدمی پر شبہ نہ کر سکے۔ تھیلما سے اضطراری طور پر عقبی دروازے والی
حماقت سرزد ہوئی تھی ورنہ وہ بیوقوف تو نہیں معلوم ہوتی۔ اُسے بھی فوری طور پر اپنی دو حماقتوں کا
احساس ہوا ہوگا۔ ایک تو یہ کہ وہ ڈیکن کی خبر لینے کی بجائے وہاں رک گئی تھی اور دوسرے عقبی
دروازے سے ہماری توجہ ہٹا کر کچھ بتانے کے لئے گھر لے جانا چاہتی تھی۔ ان حماقتوں کا
احساس ہوتے ہی اُس نے سوچا ہوگا کہ اب اس کی نگرانی یقینی طور پر کی جائے گی۔ لہٰذا وہ کسی کو
بچانے کے لئے جھریالی کی طرف جا نکلی۔ اگر تم اس سے اس سلسلے میں سوالات کرو تو وہ یہی

بتائے گی کہ اُسے ڈاکٹر کے علاوہ اور کسی پر شبہ نہیں ہے۔"

"غالباً آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس کے تعلقات ڈاکٹر کے علاوہ بھی کسی اور سے تھے جس کا علم ڈیکن کو نہیں تھا۔ ڈاکٹر کے متعلق شاید وہ جانتا تھا اور ڈاکٹر کے شبہے کے مطابق ان دونوں کے جھگڑے کا باعث یہی چیز بنی تھی۔"

"ختم کرو! میری دانست میں یہ ساری باتیں غیر اہم ہیں۔ میں فی الحال اس پر غور کر رہا ہوں کہ اس بار ڈیکن کو بلیک میلر کا وہ تھیلا نہیں ملا تھا جس میں وہ رقم وصول کرتا ہے۔ کیا اس کاروبار میں کوئی خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ آخر وہ اپنا ہی تھیلا کیوں بھیجتا ہے۔"

"کیا آپ کسی نتیجے پر پہنچے ہیں۔"

"ڈیکن کو غالباً تھیلا اس لئے نہیں ملا کہ کہیں وہ ہمارے ہاتھ نہ لگ جائے۔"

"لیکن قاسم کے پاس تو موجود ہے۔"

"بلیک میلر جانتا ہے کہ وہ اپنے باپ سے بہت ڈرتا ہے کسی سے بھی اس کا تذکرہ نہیں کرے گا۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ قاسم عورتوں کے معاملے میں بالکل احمق ہے۔ وہ تصویر کم از کم اپنے دوستوں کو فخریہ دکھاتا پھرے گا۔"

"پھر آپ نے اس کے متعلق کیا سوچا ہے۔"

"فی الحال اس سے دور ہی رہو۔ ہم دیکھیں گے کہ بھوری چٹان پر رکھے جانے والے تھیلے کا کیا حشر ہوتا ہے۔"

"ڈیکن نے وہاں پچاسوں آدمی چھپا کر تھیلے کا حشر معلوم کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن کامیاب نہیں ہوا تھا۔" حمید نے کہا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید اب ڈاکٹر طاہر کے متعلق سوچ رہا تھا۔ پتہ نہیں کیوں۔ فریدی اسے زیرِ بحث نہیں لایا تھا۔ حالانکہ اس کی دانست میں وہ ان معاملات سے کچھ نہ کچھ تعلق ضرور رکھتا تھا۔

دوسرے دن ڈیکن کے متعلق ملنے والی اطلاع تشفی بخش تھی۔ وہ خطرے کے دور سے گذر

چکا تھا اور اس حد تک ہوش میں تھا کہ خود ہی فریدی سے ملنے کی خواہش کی تھی۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ وہ فریدی سے جلد از جلد ملنے پر بضد تھا۔

فریدی اس سے تنہا نہیں ملا تھا۔ حمید بھی ساتھ تھا۔

"مجھے اس کے بارے میں کچھ بھی یاد نہیں۔" ڈیکن نے کہا۔ "یہ سن کر حیرت ہوئی ہے کہ میں نے آپ پر حملہ کیا تھا۔ میری میز کی دراز میں خنجر نہیں تھا۔ کسی نے مجھے فون پر مخاطب کر کے کہا تھا، بلاؤ کرنل فریدی کو جس سے مل کر مجھے پھنسوانے کی فکر میں ہو...... بلاؤ اسے آ کر تمہیں بچائے۔ میں بیس منٹ کے اندر اندر تمہارا خاتمہ کر دوں گا...... میں نے پہلے تو بوکھلا کر آفس کا دروازہ اندر سے مقفل کر دیا تھا پھر آپ کو فون پر اطلاع دی تھی۔ مگر افسوس کہ عقبی دروازے سے بے خبر تھا۔ مگر نہیں مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ گلی والا دروازہ مقفل ہے۔ بہر حال مجھے اتنا ہی یاد ہے کہ میں نے اپنے شانے میں تیز قسم کی چبھن محسوس کی تھی اور میرا پورا جسم بیکار ہو کر رہ گیا تھا۔ ایک جھنجھناہٹ سی تھی، جو رگ و پے میں دوڑتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے بعد کے واقعات ذہن سے قطعی محو ہو چکے ہیں۔"

"عقبی دروازے کا مصرف کیا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"خدا جانے! عمارت میں نے نہیں بنوائی تھی۔"

"تم اسے استعمال کرتے رہے ہو۔"

"جی نہیں! گلی والا دروازہ ہمیشہ مقفل رہتا تھا۔ کبھی اسے کھولنے کی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوئی۔"

"کلب کا سپروائزر کیسا آدمی ہے۔"

"کیوں.....!" ڈیکن چونک پڑا۔ پھر بولا۔ "ارے نہیں۔ میں اس کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا۔ بے حد شریف آدمی ہے جناب۔ ہرگز نہیں قطعی نہیں۔"

"میں نے محسوس کیا ہے کہ اس کے گرد عورتوں کی بھیڑ رہتی ہے۔ عورتوں میں خاصا مقبول ہے۔"

"یہ اس کی ایڈیشنل کوالیفکیشن ہے۔" ڈیکن بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔ "جو میرے لئے کسی طرح بھی نقصان دہ نہیں..... ہرگز نہیں۔ اس پر شبہ کرنے سے تو بہتر یہی ہے کہ آپ مجھے ہی پھانسی پر چڑھا دیں..... کیونکہ میرا بزنس اسی کے دم سے چل رہا ہے۔"

پھر اس نے فریدی سے ایک عجیب وغریب درخواست کی۔ اس نے کہا کہ اُسے جیل بھیج دیا جائے۔ ورنہ ہوسکتا ہے کہ دوسرا ان دیکھا حملہ اُسے جہنم ہی میں پہنچا دے۔

فریدی نے اُسے اطمینان دلایا کہ وہ ہسپتال میں بھی خود کو محفوظ ہی سمجھے۔"

اور پھر ہسپتال سے واپسی پر وہ ڈیکن کی رہائشی عمارت کی کمپاؤنڈ میں رکے۔ تھیلما اندر موجود تھی۔ کار اندر پہنچتے ہی وہ خود ہی دوڑی چلی آئی۔ اس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے۔ وہ انہیں ڈرائنگ روم میں لے گئی۔ پھر اس کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی فریدی نے بتایا۔

"ڈیکن خطرے سے باہر ہے..... تقریباً آدھے گھنٹے تک ہم سے گفتگو کرتا رہا۔"

مگر تھیلما کے چہرے پر اب بھی پریشانی ہی کے آثار تھے۔ اس نے بدقت کہا۔ "ڈاکٹر طاہر نے مجھے فون پر مطلع کیا تھا۔ اسکا خیال ہے کہ میں نے اسے دشواریوں میں مبتلا کردیا ہے۔"

"اس کا خیال غلط نہیں ہے۔" فریدی مسکرایا۔

"لیکن اس کے پاس واضح ثبوت ہیں کہ وہ دن بھر اپنی تجربہ گاہ ہی میں رہا تھا۔"

"کیا میں کوئی کام کسی دوسرے سے نہیں لے سکتا۔" فریدی بولا۔

"خدا جانے۔ میں تو بڑی الجھنوں میں پھنس گئی ہوں۔"

"ڈاکٹر پر شبہے کی وجہ کیا تھی۔"

"وہ دونوں ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں اور ڈاکٹر زہروں کا ماہر ہے۔"

"کوئی ایسا بھی ہے جس سے آپ نفرت کرتی ہیں۔" حمید خواہ مخواہ بول پڑا۔

"کم از کم ایک آدمی تو ایسا ضرور ہے۔" فریدی مسکرایا۔ "لیکن آپ اسے نہیں جانتیں۔"

تھیلما یک بیک چونک پڑی اور اس کے چہرے پر بے چینی کے آثار نظر آئے، پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہ خود پر قابو پانے کی کوشش کررہی ہو۔

"مم..... میں آپ کی بات بھی نہیں سمجھ سکی۔"

"اس بار تھیلما آیا ہے یا نہیں.....!" فریدی نے اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

پھر ایسا ہی معلوم ہوا جیسے اُسے الیکٹرک شاک لگا ہو۔ جھٹکے کے ساتھ کرسی کی پشت سے ٹک گئی تھی اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے فریدی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ حمید کھوپڑی سہلانے لگا۔

"تھیلما آئے تو مجھے ضرور مطلع کردیجئے گا۔ میں اپنا کارڈ چھوڑے جارہا ہوں۔" فریدی اٹھ گیا۔

تھیلما اتنی نروس ہوگئی تھی کہ انہیں برآمدے تک چھوڑنے کے لئے بھی نہ گئی۔

"یہ آپ کیا کرتے پھر رہے ہیں۔" حمید نے گاڑی میں بیٹھتے وقت کہا۔

"جال بچھا رہا ہوں۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ تھیلما کو بھی بلیک میل کیا جارہا ہے۔"

"ایک اندازہ تھا جو درست ثابت ہوا۔"

"آخر اندازے کی بھی کوئی نہ کوئی وجہ ہی ہوگی۔"

"تھیلما مالدار عورت ہے۔"

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ ضروری نہیں ہے کہ ہر مالدار کوئی ایسی کمزوری بھی رکھتا ہو جس کی بناء پر اُسے بلیک میل کیا جاسکے۔"

"تھیلما کے ساتھ ایک ایسی کمزوری موجود ہے..... وہ آدمی جس کی طرف سے ہماری توجہ ہٹانے کے لئے وہ جھریالی دوڑی گئی تھی۔"

"آپ کا اشارہ ریالٹو کے سپروائزر فیروز کی طرف تو نہیں ہے۔" حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ابھی آپ نے اس کا تذکرہ ڈیکن کے سامنے بھی چھیڑا تھا۔"

"تمہارا خیال غلط نہیں ہے۔"

"آخر کس بناء پر۔"

"میں نے کل سے آج تک تھیلما کی کڑی نگرانی کرائی ہے۔ وہ یہ معلوم کرلینے کے لئے

بہت بے چین تھی کہ ڈیکن پر وہ حملہ فیروز کی طرف سے تو نہیں ہوا تھا۔ وہ فیروز ہی کے معاملے میں بلیک میل کی جا سکتی ہے۔ ڈیکن اسے ہرگز پسند نہیں کرے گا کہ وہ اس کے کسی ملازم سے تعلقات استوار کرے۔ دراصل وہ دونوں ہی ایک دوسرے سے خائف ہیں۔ تھیلما جانتی ہے کہ ڈیکن ایک خطرناک آدمی ہے اس لئے وہ اس سے کنارہ کشی اختیار نہیں کر سکے گی۔ ڈیکن کے لئے وہ سونے کی چڑیا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اگر ان کا ازدواجی رشتہ ختم ہو گیا تو اُسے ایک بہت بڑے خسارے سے دوچار ہونا پڑے گا۔“

”اور کوئی آدمی دونوں ہی کو الگ الگ بلیک میل کر رہا ہے۔“

”فی الحال میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں۔“

گھر پہنچے انہیں دس منٹ بھی نہیں گذرے تھے کہ ملازم نے تھیلما کا کارڈ پیش کیا۔

وہ پہلے سے بھی زیادہ خوفزدہ اور نروس نظر آئی۔

”خدا کے لئے مجھ پر رحم کیجئے۔“ وہ گڑگڑانے لگی۔ ”ڈیکن کو کچھ نہ بتایئے گا۔“

”ہمارا کام کسی کو کچھ بتانا نہیں بلکہ معلوم کرنا ہے۔ ڈیکن کو یہ بھی نہیں بتایا گیا کہ تم جھریالی گئی تھیں۔“ فریدی نے جواب دیا۔

”میں بے حد مشکور ہوں جناب۔ جب آپ اتنا جانتے ہیں تو یہ بھی جانتے ہوں گے کہ مجھے کس معاملے میں بلیک میل کیا جا رہا ہے۔“

”تم نے ہنری گیل کی کہانی پڑھی تھی؟“ فریدی نے سوال کیا۔

”جی ہاں..... اس نے مجھے بھی مطلع کیا تھا کہ وہ جب چاہے کسی دوسرے طریقے سے بھی مجھے ذلیل کر سکتا ہے اس لئے میں کبھی ادائیگی کے سلسلے میں کوتاہی نہ کروں۔“

بہرحال اس نے بھی وہی کہانی دہرائی جو وہ ڈیکن کی زبانی پہلے سن چکے تھے۔ اس کے پاس بھی مقررہ تاریخوں پر پلاسٹک کے تھیلے آتے تھے۔

اس نے بھی جھریالی کی بھوری چٹان ہی کا حوالہ دیا تھا۔ پھر اس نے دوبارہ اپنا سوال دہرایا۔

”کیا آپ مجھے بلیک میل کرنے کی وجہ بھی جانتے ہیں۔“

”قطعی! لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ اُسے اپنے اسسٹنٹ کی موجودگی میں ظاہر کروں۔ یہ تمہاری آئندہ زندگی کا سوال ہے۔ مطمئن رہو۔ کوئی ایسی بات نہ ہونے پائے گی جو تمہارے لئے نقصان دہ ثابت ہو۔“

تھیلما کی آنکھیں دھندلا گئیں۔ دو موٹے موٹے قطرے ان کی سطح پر پھیل گئے تھے۔

تھیلما چلی گئی اور حمید اپنی کھوپڑی ہی سہلاتا رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ فریدی کس قسم کا جال پھیلانے کی کوشش کر رہا ہے۔ دفعتاً فریدی بولا۔ ”اگر میں نے اسی کے گھر پر ٹھہر کر بلیک میلنگ کے متعلق کچھ معلوم کرنے کی کوشش کی ہوتی تو شائد اس سے ایک لفظ بھی نہ اگلوا سکتا۔ اب دیکھو کہ خود ہی بھاگی چلی آئی..... کام کرنا سیکھو۔“

پُراسرار چور

پھر حمید کام کرنا سیکھنے لگا۔ دفتر سے چلتے وقت اس نے لیڈی انسپکٹر ریکھا سے چند الٹی سیدھی باتیں کیں اور گھر کی طرف بھاگ لیا۔ ذرا دیر بعد ریکھا بھی موجود تھی اور اس کا پارہ چڑھا ہوا تھا۔

فریدی نے حمید کو گھور کر دیکھا اور حمید بڑبڑانے لگا۔ ”کہاں سر دے ماروں۔ کام کرنا سیکھوں تو مصیبت..... نہ سیکھوں تو مصیبت۔“

”کیا بکواس ہے۔“

”کل کیا کہا تھا آپ نے؟“ حمید نے بھی آنکھیں نکالیں۔

”کیا مطلب.....؟“

”عورتوں سے ہمیشہ اس قسم کی گفتگو کرو کہ وہ خود ہی گھر تک دوڑی چلی آئیں۔“

”حمید میں تمہارا سر دیوار سے ٹکرا دوں گا۔“

"کچھ بھی کیجئے فی الحال روزانہ ایک عورت سے زیادہ سیکھنا مشکل ہے۔ کوشش کروں گا کہ تعداد بڑھ سکے۔"

پھر وہ اگر وہاں سے ٹل نہ جاتا تو شائد فریدی اُسے پیٹ ہی دیتا۔

وہ باتھ روم سے واپس آیا تو چائے کی میز پر ریکھا بھی نظر آئی۔ حمید ذرا دور ہٹ کر بیٹھا۔ لیکن اب اس نے سنجیدگی اختیار کر لی تھی۔

ریکھا کے سامنے دو آنکھوں کی تصویر کا لائف سائز انلارجمنٹ رکھا ہوا تھا جسے وہ بہت توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

حمید نے بھی اُسے غور سے دیکھا اور یک بیک اس کی یادداشت میں ایک پرچھائیں سی کلبلائی اور وہ اپنے ذہن کو کریدنے لگا۔ یہ آنکھیں..... اُوہ..... یہ آنکھیں تو اسی لڑکی کی تھیں جو اس کا ہینڈ بیگ لے بھاگی تھی۔ جس نے ہنری گیل کو بیوقوف بنایا تھا..... اور..... اور وہ یک بیک اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ پھر میز پر دونوں ہاتھ ٹیک کر تصویر پر جھک پڑا۔

"کیا وحشت ہے۔" فریدی نے اُسے گھورا۔

"یہ آنکھیں..... میرے خدا..... کیا یہ اسی لڑکی کی نہیں ہیں۔"

"قطعی اسی کی ہیں۔"

"یہ اس گونگی لڑکی کی بھی ہوسکتی ہیں، جسے میں نے ڈاکٹر طاہر سعید کے ہاں دیکھا تھا۔"

"ٹھہریئے.....!" ریکھا ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "کس کس کی ہوسکتی ہیں یہ آنکھیں..... میرا خیال ہے کہ میں نے انہیں کئی بار دیکھا ہے۔ اکثر دیکھتی رہی ہوں۔ یہ اپنے آپریشن روم کی ہلدا گارفیلڈ ہی کی آنکھیں ہوسکتی ہیں۔"

"یہ کون ہے..... میں نے اُسے آج تک نہیں دیکھا۔" فریدی نے کہا۔

"رات کی شفٹ میں ہوتی تھی۔ میرا خیال ہے کہ مدت ملازمت بھی دو ماہ سے زیادہ نہیں تھی۔"

"تو کیا اب نہیں ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"پچھلے ہی ہفتے الگ کی گئی ہے۔"

"کس بناء پر.....!"

"شائد کام بہتر طور پر نہیں کر رہی تھی۔"

فریدی حمید کی طرف مڑا چند لمحے گھورتا رہا پھر بولا۔ "اور اب تمہیں یاد آیا ہے کہ اس گونگی کی آنکھیں ایسی ہی تھیں۔"

"میرا خیال ہے۔"

"اگر وہی تھی تو اب وہاں نہ ہوگی۔ تمہیں وہاں دیکھ لینے کے بعد رک ہی نہیں سکتی۔"

"ڈاکٹر کہاں جائیگا۔" حمید نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ "میں ابھی جا کر اُسے دیکھتا ہوں۔"

"بیٹھو.....!" فریدی ہاتھ ہلا کر بولا۔ "مجھے علم ہے کہ اب وہ وہاں نہیں ہے۔ اسی رات غائب ہوگئی تھی، جب تم وہاں پہنچے تھے۔ اس کی بھی تصدیق ہو چکی ہے کہ ڈاکٹر اُسے اپنے ساتھ لئے پھرتا رہا تھا اس کے متعلق معلومات فراہم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن کوئی ایسا نہیں ملا تھا جو گونگی کو پہچانتا ہوتا۔"

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ یہ کہاں کی کہانیاں ہیں۔" ریکھا بولی۔ "یہ تصویر آپ نے مجھے کیوں دکھائی تھی؟"

"یہی تھی جس نے تمہارے بیگ سے ہنری گیل کیس کا فائیل اڑایا تھا اور یہ معلوم کیا تھا کہ حمید اُسی کیس کے کاغذات تارجام سے کب لائے گا۔"

"تو کیا آپ ڈاکٹر سے ملے تھے۔" حمید نے پوچھا۔

"ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔" فریدی نے کہا اور کافی کی پیالی کھسکا کر سگار سلگانے لگا۔

"وہ سُوَر مجھے قانون پڑھا رہا تھا..... دیکھوں گا۔"

"اس سلسلے میں مجھ سے مشورہ لئے بغیر ایک قدم بھی نہ اٹھانا ورنہ نتیجے کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔"

حمید بُرا سا منہ بنا کر پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

ریکھا نے ایسے انداز میں اس کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہی ہو "گدھے ہو پرلے کے، تمہاری اہمیت ہی کیا ہے۔"

دفعتاً حمید نے اس سے کہا۔ "اب تم بھی کام کرنا سیکھو! کہہ دو کوئی ایسی بات کہ میں ہوا تمہارے گھر پہنچ جاؤں۔"

"بڑے خونخوار کتے پال رکھے ہیں میں نے۔"

"لیکن ابھی اتنے کمسن ہیں کہ ممی بھی نہیں کہہ سکتے۔" حمید مایوسانہ لہجے میں بولا۔

"گدھے ہو۔" ریکھا نے جھینپے ہوئے انداز میں کہا۔

"لیکن ہر گدھا خواہ انگریزی سے نابلد ہی کیوں نہ ہو ڈارلنگ ضرور کہہ سکتا ہے۔"

آخر ریکھا نے جھلا کر فریدی سے کہا۔ "مجھے حیرت ہے کہ یہ حضرت آپ کے ساتھ بکواس کرتے رہتے ہیں۔"

"اس بیچارے کی زندگی کا انحصار ہی بکواس پر ہے۔" فریدی مسکرایا۔

قاسم بھوری چٹان سے نیچے اتر رہا تھا۔ ہاتھ میں ٹارچ نہ ہوتی تو اب تک سر کے ٹکڑے ہو گئے ہوتے۔ ویسے غنیمت یہی تھا کہ یہ چٹان خشک اور کھردری تھی ورنہ جھریالی کی پہاڑیاں تو عام طور پر سال بھر نم آلود کائی سے ڈھکی رہتی ہیں اور ان پر قدم جمانا بھی دشوار ہوتا ہے۔

"ہو سکتا ہے اسی لئے بھوری چٹان کا انتخاب کیا گیا ہو۔"

یک بیک قاسم کی ذہنی رو بہک گئی اور وہ بڑبڑایا۔ "سالے نہیں تو.....!" پھر اس کے قدم بھی رک گئے۔ وہ مڑا اور دوبارہ اوپر چڑھنے لگا۔ مگر اس بار اس نے ٹارچ نہیں روشن کی تھی۔ اوپر پہنچ کر بھی ٹارچ روشن نہیں کی۔ بس چپ چاپ پالتھی مار کر ایک جگہ بیٹھ گیا۔

پھر ایک منٹ بھی نہیں گذرا تھا کہ کسی جانب سے کوئی اس پر جھپٹ پڑا.....وہ غافل تھا اس لئے اس کی کھوپڑی نے چٹان سے ٹکرا کر زور دار آواز پیدا کی اور وہ حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

"ابے رکھ تو دیئے ہیں۔"

"لاحول ولا قوۃ.....!" حملہ آور کی زبان سے بیساختہ نکلا اور اس نے اُسے چھوڑ دیا۔

قاسم نے کسی دوسرے آدمی کے قہقہے کی آواز سنی اور بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔ آواز ایسی ہی جانی پہچانی تھی کہ ہنسنے کا انداز پہلے بھی اکثر اُسے زہر لگتا رہا تھا۔

دوسرے ہی لمحے میں ایک ٹارچ روشن ہوئی اور روشنی کا دائرہ تیزی سے چٹان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھسلتا چلا گیا۔

"آپ لوغ میری مٹی پلید کردیں غے۔" قاسم آپے سے باہر ہو گیا۔

اس نے فریدی اور حمید کو اچھی طرح پہچان لیا تھا۔

"ہائیں.....پیکٹ.....پیکٹ کہاں گیا۔" حمید بولا۔

"اس ڈفر نے کھیل بگاڑ دیا۔" فریدی بڑبڑایا۔

"میں قہتا ہوں اس کی کیا جرورت تھی۔" قاسم پھر غرایا۔

"اور میں پوچھتا ہوں کہ تم پھر واپس کیوں آ گئے تھے۔" فریدی کا لہجہ غصیلا تھا۔

وہ دونوں غالباً کہیں قریب ہی چھپے ہوئے تھے۔ قاسم نے چونکہ واپسی میں ٹارچ نہیں روشن کی تھی اور جھکا ہوا اوپر چڑھ رہا تھا اس لئے وہ اندھیرے میں دھوکا کھا گئے۔

"تم یہیں ٹھہرو۔" فریدی نے کہا اور ایک جانب اترتا چلا گیا۔

غصے کی زیادتی کی وجہ سے قاسم کے حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ حمید بھی الجھن میں تھا کہ آخر وہ نیچے اترتے اترتے پلٹ کیوں پڑا تھا۔

بمشکل تمام وہ قاسم کو بولنے پر آمادہ کر سکا۔

"قیوں نہ پلٹ آتا۔" قاسم دہاڑا۔ "سالے نے مجھے اُلو بنایا ہے.....نہیں سالے تمہاری زبان کالی ہے۔ کیا قہتے ہیں اُسے.....تم کل جھے ہو.....تم نے کہا تھا کہ اب وہ نہ آئے گی۔ پھر

کیسے آتی سالی۔نہیں آتی تو کیا میرے دو ہزار حرام کے ہیں۔کہاں وہ سالا سامنے آئے۔"

"اب تو تمہارے باپ ہی کو ساتھ لے کر آئے گا۔"

باپ کے حوالے پر قاسم دم بخود رہ گیا۔ایسا معلوم ہوا جیسے معدے سے کوئی چیز اڑ کر حلق میں آ پھنسی ہو۔پھر آہستہ آہستہ دماغ ٹھنڈا ہو گیا اور اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اب قیا ہوگا؟"

"اگر ہنٹروں نے کچھ چھوڑا تمہارے جسم پر تو اس کی بیلنس شیٹ تیار کی جائے گی۔"

"مت نام لو.....مت بور کرو.....سب قچھ اسی سالی اکاؤنٹنسی کی وجہ سے ہوا ہے۔دماغ خراب ہو جاتا ہے..... پاغل ہو جاتا ہوں..... اور پھر یہ سب کچھ ہونے لگتا ہے.....بلیک مارکیٹنگ میں پھنس جاتا ہوں۔"

"بلیک مارکیٹنگ.....!" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ابے تم ہی نے تو کہا تھا کہ وہ بلیک مارکیٹنگ کر رہا ہے..... دو ہزار..... ارے ارے..... یہ بلیک مارکیٹنگ نہیں تو اور کیا ہے.....مگر پھر بھی آنا بند کر دیا ہے اس نے۔"

"ہوں تو تم اس چکر میں تھے۔میں نے بلیک میلنگ کہا تھا فرزند۔"

یک بیک قریب ہی سے فائر کی آواز آئی اور حمید بوکھلا کر چٹان پر لیٹ گیا اور قاسم سے بھی کہا کہ وہ جلدی سے لیٹ جائے۔

پھر دوسرا فائر ہوا.....پھر تیسرا.....حمید سوچ رہا تھا کیا فریدی کسی سے ٹکرا گیا ہے۔یا کسی مقصد کے تحت ہوائی فائرنگ کر رہا ہے۔آخر اُسے وہیں ٹھہرنے کو کیوں کہہ گیا تھا۔

قاسم چپ چاپ پڑا رہا۔کچھ دیر بعد دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔وہ فریدی تو نہیں ہو سکتا تھا۔وہ تو خصوصیت سے ایسے جوتے پہن کر آئے تھے جو سنگلاخ زمین سے ٹکرا کر آواز نہ پیدا کر سکیں۔

حمید تیزی سے کھسکتا ہوا چٹان کے سرے پر چلا گیا۔لیکن نیچے کوئی نہ دکھائی دیا۔آوازیں بتدریج دور ہوتی چلی گئیں۔

حمید سوچ رہا تھا کاش وہ اس وقت ڈاکٹر طاہر کی تجربہ گاہ کے آس پاس ہوتا۔آخر یہیں کون سے تیر مار رہا ہے۔فریدی کو چاہئے تھا اُسے وہیں چھوڑ دیتا۔اس طرح بیک وقت دو کام ہو جاتے۔ڈاکٹر طاہر کو بھی چیک کیا جا سکتا۔پھر وہ سوچنے لگا کہ اتنی جلدی پیکٹ غائب ہو جانا معجزہ ہی ہو سکتا ہے۔وہ ایسی جگہ تھی کہ اگر کوئی لیٹ کر رینگتا ہوا بھی چٹان پر پہنچا ہوتا تو انہیں ضرور دکھائی دیتا۔

دفعتاً قاسم بڑبڑایا۔"قیا مصیبت ہے۔ابے کب تک پڑا رہوں گا۔دو ہزار بھی دو اور دھکے بھی کھاتے پھرو۔"

"پڑے رہو چپ چاپ.....!" حمید غرایا۔

"ارے بیٹا چلو.....دیکھو چل کر.....دھائیں دھائیں بھی تو ہوئی تھی.....کہیں تمہارے ابا جان خلاص نہ ہو گئے ہوں.....بڑے قرنل بنے پھرتے ہیں بیچارے۔"

یک بیک حمید چونک پڑا کوئی رینگتا ہوا چٹان پر آیا تھا۔بیساختہ اس کا ہاتھ ریوالور پر گیا لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس نے فریدی کی آواز سنی۔

"نکل گیا.....؟"

قاسم کا موڈ بہت خراب ہو گیا تھا۔اس لئے اس نے اُن سے کسی قسم کی گفتگو نہیں کی تھی۔اپنی گاڑی تک انہیں کیساتھ آیا تھا۔لیکن چلتے وقت رسماً بھی نہیں پوچھا تھا کہ وہ کدھر جائیں گے۔

پھر وہ دونوں اپنی گاڑی کی طرف چل پڑے تھے۔

"کچھ بھی نہ ہوا۔" حمید گاڑی میں بیٹھتا ہوا بڑبڑایا۔

"بہت کچھ ہوا ہے۔" فریدی نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا اور کوئی چیز حمید کی گود

میں ڈال دی۔

''اوہو..... یہ.....تو یہ آپ نے اٹھایا تھا۔'' حمید نے زرد رنگ کے پلاسٹک کا پیکٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔

''نہیں.....!''

''پھر آپ کے ہاتھ کیسے لگا۔''

''بڑی سنسنی خیز کہانی ہے حمید صاحب۔ ایک ہزار آدمی چٹان کے آس پاس چھپا دیے جائیں تب بھی چور پر ہاتھ ڈالنا مشکل ہی ہوگا۔ شائد اُن کے فرشتے بھی نہ معلوم کرسکیں کہ کب پیکٹ کھسکا لے گیا۔''

''کیا مطلب.....؟''

''وہ ایک چوہا تھا۔''

''چوہا.....!'' حمید اچھل پڑا۔ اُسے دل کی دھڑکن کھوپڑی میں محسوس ہونے لگی۔ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے کنپٹیاں چیخ جائیں گی۔

''تو پھر اب کہاں جارہے ہیں.....!'' اس نے بھرائی ہوئی سی آواز میں پوچھا۔

''گھر.....!''

''اس کے باوجود بھی ہم ڈاکٹر طاہر سعید کو چیک نہیں کریں گے۔''

''دیکھا جائے گا۔'' فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

''آپ نے فائرنگ کس پر کی تھی۔''

''فائرنگ اسی نے کی تھی۔''

''چوہے نے.....!'' حمید حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

''احمق.....کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ اسے میل دو میل گھسیٹ کر لے جاتا ہوگا۔ چوہے کا کام اتنا ہے کہ وہ پیکٹ کو کھسکا کر ایک مخصوص جگہ تک لے جائے۔ اس کے بعد وہ کسی آدمی کے ہاتھ لگتا ہے۔''

''تو اس نے آپ پر فائرنگ کی تھی.....اور آپ نے اُسے نکل جانے دیا۔''

''یہ پہاڑیاں بڑی واہیات ہیں.....بہرحال یہ مسئلہ تو اب صاف ہی ہوگیا کہ وہ اپنے پیکٹ کیوں بھیجتا ہے۔ مجھے خصوصیت سے اسی کی فکر تھی۔ مجھے فکر تھی اور اُسے شامت ہی نے گھیرا تھا کہ وہ قاسم کا انتخاب کر بیٹھا۔''

''تو آپ کی دانست میں اس پیکٹ میں کوئی خصوصیت ہے جس کی بناء پر چوہے اُسے لے بھاگتے ہیں۔''

''یہی خیال ہے۔ ورنہ چوہوں کو اس حد تک ٹرین نہیں کیا جاسکتا۔ کچھ چوہے یہاں مخصوص جگہوں پر رکھے گئے ہیں جن کے لئے باقاعدہ طور پر خوراک مہیا کی جاتی ہوگی تاکہ وہ ادھر اُدھر بھٹکتے نہ پھریں..... پیکٹ کی بو پر تیر کی طرح اس کی طرف آتے ہوں گے اور اُسے مخصوص ٹھکانوں ہی پر لے جاتے ہوں گے..... جہاں وہ اس نامعلوم آدمی کے ہاتھ لگتا ہوگا۔''

''پیکٹ کی بو پر آتے ہوں گے.....!'' حمید بڑبڑایا۔ ''یہ کیسے ممکن ہے۔''

''بہتیری ایسی چیزیں ہیں جن پر مختلف قسم کے جانور بُری طرح جان دیتے ہیں۔ دور ہی سے اُن کی بو پر بیتاب ہوجاتے ہیں۔ مثال کے طور پر جڑی بوٹیوں میں ایک چیز ہوتی ہے الچھڑ..... بلیاں اس کی بو پر پاگل ہوجاتی ہیں۔ کہیں چھپا کر رکھو ہر حال میں نکال لے جائیں گی۔ ہوسکتا ہے اس تھیلے کے اجزائے ترکیبی میں کوئی ایسی چیز شامل ہو جسے چوہے پسند کرتے ہوں۔ ویسے بھی یہ تھیلا مخصوص بناوٹ کا ہے۔ ان تھیلوں سے بہت مختلف جو عام طور پر پیکنگ کے کام میں آتے ہیں، اُسے تم کھردری سے کھردری زمین پر گھسیٹو ہلکی سی آواز بھی پیدا نہ ہوگی۔''

''ممکن ہے.....!'' حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ''مگر آپ کی نظر کیسے پڑی تھی اس پر۔''

''پیکٹ چوہے کی گرفت سے نکل کر بلندی سے گرا تھا۔ اگر نہ گرتا تو شائد مجھے پتہ بھی نہ چلتا کہ وہ کب میرے قریب ہی سے گذرا تھا۔ گرنے کی آواز پر میں نے ٹارچ روشن کی تھی، ٹھیک اسی وقت چوہے نے بھی بلندی سے گرے ہوئے پیکٹ پر چھلانگ لگائی تھی اور کسی نے مجھ پر فائر کیا تھا۔ چوہا پیکٹ نہ لے جاسکا۔ وہ میرے ہاتھ لگا۔ فائر کرنے والا شائد نروس ہوگیا

تھا۔ اسی لئے اس سے مزید فائروں کی حماقت سرزد ہوئی تھی، بہر حال میں اس کے باوجود
اس پر ہاتھ نہ ڈال سکا۔

"اب کیا خیال ہے۔"

"میں ڈاکٹر سعید کی تجربہ گاہ سے تقریباً ایک فرلانگ ادھر ہی اُتر جاؤں گا تم شہر جا
پیکٹ ساتھ لے جاؤ۔ قاسم کے روپے اسے واپس کرنے کی ضرورت نہیں۔ تھیلے کے مت
معلومات حاصل کرو کہ وہ کہاں بنایا گیا ہے۔ لیبر کمشنر کے دفتر سے پلاسٹک کے کارخانوں
لسٹ بہ آسانی مل جائے گی۔"

"اوہ تو کیا وہ کسی کارخانے میں تیار کرائے گئے ہوں گے۔"

"نہیں درختوں کی طرح زمین سے اُگے ہوں گے.....!" فریدی نے تلخ لہجے میں
"جو کچھ کہہ رہا ہوں وہی کرنا۔ معلومات حاصل کرنے کے بعد مجھے فون نمبر تین سو پند
اطلاع دینا۔ ضروری نہیں ہے کہ کل میں تمہیں گھر یا آفس میں مل سکوں؟"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شائد فریدی کسی خاص راہ پر لگ گیا ہے۔ ایسے م
پر وہ تنہا کام کرتا تھا۔

اس نے ایک جگہ گاڑی روکی اور مزید کچھ کہے بغیر نیچے اُتر گیا۔

وہ کون تھا

حمید اپنی رپورٹ مکمل کر چکا تھا اور اس کی میز پر چار رپورٹیں اور بھی تھیں، تھیلا، ڈ
ڈاکٹر سعید اور ریالٹو کے سپروائزر فیروز کے متعلق! یہ رپورٹیں اُن لوگوں سے ملی تھیں جو
رات ان چاروں کی نگرانی کرتے رہے تھے۔ ڈیکن تو اب بھی پولیس ہسپتال ہی میں تھا
نے پچھلی رات اپنے فلیٹ میں گذاری تھی۔ فیروز ریالٹو سے باہر نہیں نکلا تھا اور ڈاکٹر

سرشام ہی شہر آیا تھا اور رات شہر ہی میں اپنے عزیز کے ہاں گذاری تھی۔

حمید نے سوچا کہ فریدی کی پچھلی رات والی لاپروائی بے وجہ نہیں تھی۔ اس نے پہلے ہی سے انتظام کر رکھا تھا کہ مشتبہ افراد کی نگرانی ہوتی رہے۔ لیکن پھر جھریالی ہی میں کیوں رک گیا تھا.....اوہ.....ڈاکٹر تو شہر میں تھا ممکن ہے اس نے تجربہ گاہ کی تلاشی لی ہو۔

کچھ دیر بعد اس نے فون پر فریدی کے بتائے ہوئے نمبر ڈائیل کئے دوسری طرف سے اجنبی سی آواز آئی۔

"کرنل فریدی کے لئے رپورٹ ہے۔"

"ڈکٹیٹ سر! دوسری طرف سے آواز آئی۔"

"تھیلے ایک سال قبل فیشن مولڈرز نے بنائے تھے۔ تعداد ڈھائی لاکھ تھی۔ یہ ایک ایسی فرم کے لئے بنائے گئے تھے جو خشک کئے ہوئے دودھ کا کاروبار کرتی تھی۔ روکسی فوڈ انڈسٹریز۔ فرم کی طرف سے کچھ کیمیاوی اشیاء مہیا کی گئی تھیں جو پلاسٹک میں حل ہوسکتی تھیں۔ یہ تھیلے اسی محلول سے تیار کئے گئے تھے۔ تھیلوں کی قیمت نقد ادا کی گئی تھی چیک نہیں دیا گیا تھا۔ خود فرم ہی کے ایک آدمی نے کارخانے ہی میں ڈیلیوری لی تھی۔ اس لئے کارخانے والے یہ نہیں بتا سکتے کہ مال کہاں گیا تھا۔ چھان بین کرنے پر پتہ چلا ہے کہ روکسی فوڈ انڈسٹریز کے نام کا کوئی ادارہ اس شہر میں کبھی نہیں تھا.....ٹھیک!"

"یس سر.....!" دوسری طرف سے آواز آئی اور حمید نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

دوسری رپورٹوں کے متعلق اُسے کوئی ہدایت نہیں ملی تھی اس لئے اس نے انہیں فائل کر دیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی کا یہ اندازہ نادرست تھا کہ اس پلاسٹک میں کسی چیز کی آمیزش کی گئی تھی جس سے تھیلے بنائے گئے تھے۔

یک بیک وہ چونک پڑا۔ تھیلوں کے متعلق انکوائری کے سلسلے میں ایک اہم بات رہ گئی تھی۔ اس کے متعلق ضرور پوچھنا چاہئے تھا۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر فیشن ہولڈرز کے نمبر ڈائیل کئے۔ دوسری طرف سے فوراً ہی جواب ملا۔

"فرام انٹیلی جنس بیورو.....!"

"یس سر.....!"

"روکسی کے تھیلوں کے متعلق۔"

"یس سر! اِٹ از منیجر۔"

"کیا ان کیمیکلز کے متعلق کچھ خاص ہدایات دی گئی تھیں، جنہیں پلاسٹک میں حل کرنا تھا۔"

"بہت دنوں کی بات ہوئی جناب۔ مگر ٹھہریئے۔ ممکن ہے فورمین کو کچھ یاد ہو۔ اس سلسلے میں جتنی باتیں یاد ہیں ان کی وجہ یہی تھی کہ اس قسم کی ہدایات پر ہم نے کبھی کوئی چیز نہیں تیار کی تھی۔"

حمید نے ریسیور میز پر ڈال دیا۔ پھر دو منٹ بعد دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ہیلو..... جی ہاں! فورمین کو یاد ہے۔ کیمیکلز کے متعلق ہدایات تھیں کہ انہیں چوہوں سے بچایا جائے۔ فورمین کا کہنا ہے کہ ان دنوں چوہوں کی وجہ سے بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اُن کیمیکلز پر بھی چوہے ٹوٹتے تھے اور بنے ہوئے تھیلوں کو بھی محفوظ رکھنا مشکل ہو گیا تھا۔"

"شکریہ۔" حمید نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ پھر فریدی کے بتائے ہوئے نمبروں پر ڈکٹیٹ کرائی ہوئی رپورٹ میں بھی بعد کی اطلاع کا اضافہ کرایا۔

اس بار اُس سے کہا گیا کہ اس کے لئے بھی ایک پیغام ہے۔ وہ پیغام فریدی کی طرف سے تھا جس کے مطابق اُسے ٹھیک ساڑھے تین بجے جھریالی پہنچنا تھا۔

فریدی پچھلی رات گھر نہیں آیا تھا اور آج دفتر سے بھی غائب رہا تھا۔ حمید فون پر ملے ہوئے پیغام کے مطابق جھریالی کی طرف روانہ ہو گیا۔

اس کیس کے تصفیہ میں جتنی دیر لگ رہی تھی اسی کی مناسبت سے حمید کی اکتاہٹ بھی بڑھتی رہی تھی۔ اور اب تو وہ سوچ رہا تھا کہ شاید ابھی یہ چرخہ چلتا ہی رہے۔ کیونکہ پچھلی رات والے واقعہ نے مجرم کی آنکھیں کھول دی ہوں گی اور اب وہ کافی محتاط ہو جائے گا۔ سابقہ

تجربات شاہد تھے کہ محتاط ہو کر قدم اٹھانے والے مجرموں پر ہاتھ ڈالنا کتنا مشکل ہو جاتا تھا۔ اُن کے لئے کتنے داؤں پیچ کرنے پڑتے تھے۔

فریدی وہیں ملا جہاں اُسے پہنچنے کا کہا گیا تھا۔

"تم نے خاصا کام کر لیا ہے۔" اس نے کہا۔ "مگر فی الحال مجرم کا ہاتھ آنا مشکل ہی نظر آ رہا ہے۔"

"آپ کل سے اب تک کیا کرتے رہے.....!"

"کچھ نہ کچھ کر گزرنے کی توقع تھی، لیکن کچھ بھی نہ ہو سکا۔" فریدی نے کہا۔ "پہلے خیال تھا کہ وہ لڑکی ہی سب کچھ ہے لیکن اب تمہاری رپورٹ سے کسی مرد کا بھی وجود ثابت ہوتا ہے جس نے کارخانے سے تھیلوں کی ڈلیوری لی تھی۔"

"خدا کی پناہ۔" حمید نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔ "تو کیا آپ ابھی تک یہی سوچتے رہے ہیں کہ یہ صرف اسی لڑکی کا کارنامہ ہے۔"

"یقیناً یہی سوچتا رہا تھا کیونکہ اس کے علاوہ ابھی تک کسی اور سے سابقہ نہیں پڑا۔ وہ ہمارے محکمے کے آپریشن روم میں کام کرتی رہی تھی۔ اُسی نے ہنری گیل کیس کا فائیل اڑایا۔ اُسی نے تمہارے ہینڈ بیگ پر ہاتھ صاف کیا تھا۔ اسی نے چھ ماہ تک ہنری گیل کو اُلو بنائے رکھا تھا۔ وہی قاسم کو بھی بلیک میل کرنے کا ذریعہ بنی تھی۔ وہی تمہیں ڈاکٹر طاہر کے یہاں بھی نظر آئی تھی اور اب غائب ہے اور ڈیکن کے آفس میں جس نے مجھے فون پر مخاطب کیا تھا وہ بھی کوئی عورت ہی تھی، لیکن اس نے مردوں کی سی آواز بنانے کی کوشش کی تھی۔"

"اگر ایک اکیلی لڑکی نے اتنی اُدھم مچائی ہے تو پھر ہمیں خودکشی ہی کر لینی چاہئے۔"

"صرف تمہیں..... کیونکہ تمہارے ذہن میں آج بھی عورت کے نام پر اٹھارویں صدی کی عورت کا تصور ہوتا ہے۔"

"تو پھر پچھلی رات بھی وہی رہی ہوگی، جس نے آپ پر فائرنگ کی تھی۔"

"مجھے اس پر بھی حیرت نہ ہوگی کیونکہ میرا سابقہ ناتوتہ جیسی عورتوں سے بھی پڑ چکا ہے اور

میں تھریسیا بمبل آف بوہیما کے بارے میں بھی بہت کچھ جانتا ہوں۔"

وہ پہاڑیوں کے قریب پہنچ گئے تھے۔ حمید نے اس وقت یہاں آنے کی وجہ پوچھی۔

"میرا خیال ہے کہ پچھلی رات جس نے مجھ پر فائر کیا تھا وہ اب بھی یہیں موجود ہے۔"

"اس خیال کی وجہ۔"

"فائرنگ کی آواز سن کر کچھ آدمی نکاسی کے راستوں پر جم گئے تھے، جو اس وقت تک وہیں موجود ہیں۔"

"اوہ.....تو اور لوگ بھی تھے۔"

"قطعی.....ایسی جگہوں پر کافی محتاط رہنا پڑتا ہے۔ اُوہ.....ٹھہرو.....وہ کیا.....سامنے نوکیلی چٹان پر.....!" فریدی نے رک کر جیب سے دوربین نکالی اور اُسے آنکھوں کے برابر لا ہی رہا تھا کہ دفعتاً حمید ارے ارے کہتا ہوا ڈھیر ہو گیا۔ فریدی تیزی سے مڑا.....حمید زمین پر دونوں ہاتھ ٹیکے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا اور اس کے پیر گھٹنوں تک زمین میں دھنسے ہوئے تھے۔

پھر فریدی ہی نے اُسے اس مصیبت سے نجات دلائی۔ جیسے ہی پیر زمین سے نکلے دو موٹے موٹے چوہے اچھل کر بھاگے۔

"کیا مصیبت ہے.....!" حمید بڑبڑایا اور جھک کر اُس گڑھے میں جھانکنے لگا جو مٹی دھنسنے کی وجہ سے بن گیا تھا۔

زمین کھوکھلی معلوم ہوتی تھی۔ فریدی نے بھی پہلے اپنے پیروں کے نیچے مٹی دھنستی محسوس کی تھی۔ اس لئے جلدی سے ایک طرف ہٹ گیا تھا۔

"چوہوں کی کارگذاری۔" وہ پھر اُسی چٹان کی طرف مڑتا ہوا بڑبڑایا۔ جہاں کچھ دیکھنے کے لئے دوربین نکالی تھی۔

"میرا دعویٰ ہے کہ یہ سرنگ ڈاکٹر طاہر کی تجربہ گاہ سے جا ملی ہو گی۔" حمید نے کہا۔

فریدی نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور چٹان کی جانب دوربین اٹھائے رہا۔

حمید جھنجھلا گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر اتنے پاپڑ کیوں بیلے جا رہے ہیں۔

اگر اس لڑکی کا کوئی مرد ساتھی بھی تھا تو وہ ڈاکٹر کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ جال ہی بچھانا ہے تو ڈاکٹر کے لئے بچھایا جائے۔ لڑکی تو خود بخود آ پھنسے گی۔

لیکن وہ صرف سوچتا ہی رہا۔ فریدی نے دوربین آنکھوں سے ہٹاتے ہوئے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالی اور ایک جانب بڑھتا ہوا بولا: "آؤ.....!"

وہ کچھ ہی دور چلے ہوں گے کہ یک بیک چاروں طرف سے دھماکوں کی آوازیں آنے لگیں۔ حمید رک گیا۔

"فکر نہ کرو۔" فریدی بولا۔ "وہ صرف دھوئیں کے بم ہیں۔ ایسے غاروں میں پھینکے جا رہے ہیں جن میں اس کی موجودگی کے امکانات ہوں۔"

"خدا کی پناہ.....ایک لڑکی کے لئے۔" حمید نے پھر بُرا سا منہ بنایا۔

"ضروری نہیں ہے کہ لڑکی ہی ہو۔ میں نے حالات کی بناء پر قیاس کیا تھا بہر حال جو کوئی بھی ہو مسلح ہے۔ اس لئے غاروں میں گھسنے کا خطرہ نہیں مول لیا جا سکتا۔"

وہ بڑھتے رہے۔ کئی جگہ گہرے دھوئیں کے بڑے بڑے مرغولے چکرا رہے تھے۔ دھماکوں کی آوازیں اب نہیں آ رہی تھیں۔

یک بیک کئی آدمیوں کے چیخنے کی آوازیں آئیں۔ "وہ ہے۔ وہ ہے۔"

"ٹھہرو.....!" کسی نے چیخ کر کہا۔ "ورنہ گولی ماردی جائے گی۔"

پھر دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں.....ایک تیز قسم کی چیخ.....آواز نسوانی ہی تھی۔

"سنبھل کر۔" فریدی نے اُسے آواز دی۔ ان پہاڑیوں میں دوڑنا آسان کام نہیں تھا۔

لیکن حمید دوڑتا ہی رہا۔ عورت برابر چیخے جا رہی تھی۔

پھر ایک چٹان پر پہنچ کر اس نے ایک دلچسپ منظر دیکھا۔

عورت اُن چھ آدمیوں پر پتھراؤ کر رہی تھی جو اسے گھیرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ حمید بلندی پر تھا اور عورت کی پشت اُسی کی طرف تھی۔

حمید بآہستگی چٹان سے اُترا اور بہت احتیاط سے اس کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ جوش میں

بھری ہوئی پتھر اٹھا کر پھینک رہی تھی اور اسکے حلق سے گونگوں ہی کی سی آوازیں نکل رہی تھیں۔

حمید اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔ پھر اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لینے میں اس نے بڑی پھرتی دکھائی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں خود اس کی چیخیں بھی چٹانوں سے ٹکرا کر دور دور تک پھیلنے لگیں کیونکہ عورت نے اس کے داہنے ہاتھ پر منہ مار دیا تھا اور اس کے دانت بڑی بے دردی سے گوشت میں پیوست ہوتے چلے جا رہے تھے۔ اس مصیبت سے گلو خلاصی ایسی مشکل بھی نہیں تھی۔ لیکن معاملہ تھا ایک عورت کا، حمید بائیں ہاتھ سے اس کی گدی پر گھونسہ رسید نہ کر سکا۔

ویسے اتنی دیر میں دوسرے بھی جھپٹ پڑے، انہوں نے حمید کا ہاتھ چھڑایا۔

دانت گوشت میں اچھی طرح پیوست ہوئے تھے۔ انگلیوں سے خون ٹپکنے لگا تھا۔

یہ وہی گونگی لڑکی ثابت ہوئی جسے وہ ڈاکٹر طاہر کی تجربہ گاہ میں دیکھ چکا تھا۔ وہ اب بھی چیخے جا رہی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ رومال سے باندھ دیئے گئے۔

''خاموش رہو۔'' فریدی نے ڈانٹ کر کہا۔ لیکن لڑکی خاموش نہ ہوئی۔ کئی قسم کی کریہہ آوازیں اس کے حلق سے نکل رہی تھیں۔

تجربہ گاہ والی عمارت کا برآمدہ روشن تھا۔ ڈاکٹر طاہر برآمدے ہی میں مل گیا۔ لڑکی آگے چل رہی تھی۔ فریدی اور حمید پیچھے تھے۔

جیسے ہی وہ روشنی میں پہنچے ڈاکٹر کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ ساتھ ہی وہ اس طرح کرسی سے اٹھا تھا جیسے کسی نے اُسے اُچھال دیا ہو۔

''اُوہ..... اوہ.....!'' وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر آگے بڑھا۔ پھر ایک جھٹکے کے ساتھ رک گیا۔ اب اس کے چہرے پر ایسے ہی آثار تھے جیسے آفیسروں کا فعل اُسے گراں گذرا ہو، اس

کی نظر گونگی کے بندھے ہوئے ہاتھوں پر تھی۔

''میں نے یہ تو نہیں کہا تھا جناب کہ یہ یہاں سے کچھ لے کر بھاگی ہے۔ براہِ کرم ہاتھ کھول دیجئے۔'' اس نے تلخ لہجے میں کہا۔

ادھر لڑکی نے ڈاکٹر پر نظر پڑتے ہی دہاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دیا تھا۔ ڈاکٹر پھر تیزی سے آگے بڑھا، غالباً اس کے ہاتھ کھول دینے ہی کا ارادہ رکھتا تھا۔

''نہیں.....!'' فریدی نے سخت لہجے میں کہا۔ ''محتاط رہیئے۔ ہاتھ آپ کی شکایت پر نہیں باندھے گئے۔''

''رحم کرنا سیکھئے۔ یہ نہ بھولئے کہ آپ آدمی بھی ہیں۔'' ڈاکٹر کا لہجہ غصیلا تھا۔

''لیکن مجھے ایسے چوہے پہچان لینے کا سلیقہ ہے، جو آدمیوں پر بھی جھپٹ پڑتے ہوں۔''

''کیا مطلب.....!''

''مجھے بھی شبہ ہے کہ یہ گونگی نہیں ہے۔''

''مجھے یقین ہے کہ میں نے اُسے سمجھنے میں غلطی کی تھی۔'' ڈاکٹر بولا۔

''یہ قطعی گونگی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اسی لئے یہاں سے بھاگ نکلی ہو کہ میں اسکے امتحان کیلئے طرح طرح کی حرکتیں کرتا رہتا تھا۔ ایک بار ایک بے ضرر سانپ بھی اس پر پھینکا تھا..... لیکن۔''

''میں سمجھتا ہوں..... بے اختیاری میں بھی اس نے گونگے پن ہی کا مظاہرہ کیا ہوگا۔''

''جب آپ سمجھتے ہیں تو پھر اس طرح۔''

''ہم کب تک کھڑے رہیں گے ڈاکٹر۔'' فریدی مسکرایا۔ لڑکی خاموش ہو کر سسکیاں لے رہی تھی۔

''اوہ..... آیئے..... جی ہاں! تشریف رکھیئے۔ دراصل میں ایسے مناظر کی تاب نہیں لاسکتا۔ خدا کی پناہ۔ دیکھئے اس کی آنکھوں میں کتنی معصوم التجائیں دم توڑ رہی ہیں۔''

فریدی نے حمید کی طرف مڑ کر کہا۔ ''تم جاؤ..... لیکن واپسی جتنی جلدی ممکن ہو اتنا ہی اچھا ہے۔''

حمید جانے کے لئے مڑا.....اور فریدی نے ڈاکٹر سے کہا۔ ''مجھے افسوس ہے کہ میں یہاں
ٹھہر کر آپ کی تکلیف کا باعث بنوں گا۔''

''جی نہیں.....جی نہیں۔'' ڈاکٹر بولا۔ ''مگر یہ منظر تکلیف دہ ہے۔ کم از کم اس کے ہاتھ
کھول ہی دیجئے۔''

فریدی کرسیوں کی طرف بڑھا۔ اس نے لڑکی کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

کچھ دیر بعد ڈاکٹر نے پوچھا۔ ''یہ ملی کہاں۔''

''پہاڑیوں میں.....اس پر کئی الزامات ہیں۔ بعض معاملات میں شبہات یقین کی حد تک
پہنچ چکے ہیں۔''

''مگر میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اس نے یہاں کسی جرم کا ارتکاب نہیں کیا تھا۔''

''ہوں.....اوں! ہوسکتا ہے۔'' فریدی باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں گھورنے لگا۔

تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر ڈاکٹر بولا۔ ''یہاں اس طرح بیٹھے رہنے کا مقصد میں نہیں سمجھ
سکا۔ اسے بد اخلاقی نہ سمجھئے۔ ایسے حالات میں اس قسم کی ذہنی خلش پیدا ہوسکتی ہے۔''

''یہاں تین ایسے افراد آنے والے ہیں جو شائد اسے شناخت کرسکیں۔'' فریدی اس کی
آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ڈاکٹر کی پلکیں جھپک گئیں۔ وقفہ معمول سے زیادہ تھا۔

''میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس کام کے لئے یہ جگہ کیوں منتخب کی گئی ہے۔''

''آپ اس لڑکی سے غیر متعلق تو نہیں ہیں ڈاکٹر۔''

ڈاکٹر طاہر سعید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

لڑکی کبھی ڈاکٹر کی طرف دیکھتی تھی اور کبھی فریدی کی طرف۔ اس کے چہرے پر اب بھی
سراسیمگی کے آثار تھے۔

کچھ دیر بعد ڈاکٹر نے پوچھا۔ ''کیا میں اُن تینوں افراد کو جانتا ہوں۔''

''اچھی طرح۔'' فریدی نے کہا اور جیب سے سگار نکال کر اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔

''ہوسکتا ہے کہ آپ انہیں دیکھ کر متحیر رہ جائیں.....سگار.....!''

''شکریہ! میں پائپ پیتا ہوں۔'' ڈاکٹر نے کہا اور فریدی ایک سگار منتخب کرکے اس کا
گوشہ توڑنے لگا۔ ڈاکٹر کی آنکھوں میں اضطراب کی لہریں تھیں۔ اس نے کہا۔ ''کیا پہلے سے
اُن کے نام معلوم کرلینا خلاف مصلحت ہوگا۔''

''ہرگز نہیں.....ڈیکن، تھیلما اور فیروز.....!''

''کیا مطلب.....!'' ڈاکٹر اچھل پڑا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

پھر آہستہ آہستہ تحیر زدہ خدوخال میں تیکھا پن پیدا ہونے لگا۔ کچھ دیر بعد اس کی آنکھوں
میں نفرت، حقارت اور کینہ توزی کی جھلکیاں نظر آئیں۔ پھر ہونٹوں کی جنبش پر جو آواز نکلی تھی
اُسے کسی کٹکھنے کتے کی غراہٹ ہی سے تشبیہہ دی جاسکتی۔

وہ کہہ رہا تھا۔ ''میں سمجھ گیا..... مجھے پھانسنے کے لئے جال بچھایا جارہا ہے۔''

''یہ کس بناء پر کہہ رہے ہو دوست۔'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''میں اسی دن سمجھ گیا تھا جب کیپٹن حمید تھیلما کے پیچھے یہاں آئے تھے۔''

''اوہ.....!'' فریدی نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ ''ہم کافی ثبوت فراہم کئے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتے۔''

''ثبوت! میرے خلاف کیا ثبوت رکھتے ہو۔ میں زہروں کا ماہر ہوں۔ ان کے استعمال
کے طریقوں سے بھی واقف ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ سوئیاں کیسے زہر آلود بنائی جاتی ہیں.....
پھر! کیا ثبوت ہے تمہارے پاس کہ وہ زہریلی سوئی میں نے ہی ڈیکن پر آزمائی تھی۔''

''ان مسائل پر ابھی بحث کرنا قبل از وقت ہوگا ڈاکٹر۔'' فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ ''فی
الحال اس لڑکی کا مسئلہ درپیش ہے۔ یہ گونگی ہے یا نہیں۔''

''معلوم کرو.....!'' ڈاکٹر نے بیزاری سے کہا اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

فریدی کی اسکیم کے مطابق حمید نے اُن تینوں کو بتا دیا تھا کہ ایک ایسی گونگی لڑکی ہاتھ لگی
ہے جس سے کبھی نہ کبھی اُن کا سابقہ ضرور پڑا ہوگا۔ انہیں ڈاکٹر طاہر کی تجربہ گاہ تک چلنا پڑے گا

جہاں فریدی لڑکی سمیت موجود ہے۔

انہوں نے کہا تھا کہ وہ شائد ہی کسی گونگی لڑکی کو پہچانتے ہوں۔ کیونکہ سالہا سال سے
انہیں کسی گونگی لڑکی سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔

پھر بھی وہ حمید کے ساتھ جھریالی جانے پر رضا مند ہو ہی گئے۔ مگر ڈیکن بار بار اس
حیرت ظاہر کر رہا تھا کہ آخر فیروز کو کیوں لے جایا جا رہا ہے۔ تھیلما کے چہرے کا رنگ اڑا
تھا۔ ڈیکن نے دبی زبان سے پوچھا بھی تھا کہ تھیلما کو ان باتوں سے کیا سروکار..... لیکن حم
نے لاعلمی ظاہر کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ صرف احکامات کی تعمیل کر رہا ہے اُسے تفصیل سے آ
نہیں کیا گیا۔

"یہ آپ کے ہاتھ میں کیا ہوا ہے۔" ڈیکن نے پوچھا۔

"سبق ملا ہے۔"

"کیسا سبق.....!"

"یہی کہ لڑکیوں سے ہمیشہ دور رہو۔ پتہ نہیں ان میں سے کون گونگی ہو اور کب کاٹ کھائے۔"

"اوہو..... تو کیا اس لڑکی نے.....!"

"ہاں! بڑی مشکل سے قابو میں آئی ہے۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ وہ کس قسم کی لڑکی ہوگی اور مجھے کس سلسلے میں اس کی شناخت کرنی
ہے۔" ڈیکن بولا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ وہی لڑکی ہے جسکے متعلق تم نے ہنری گیل کی کہانی میں پڑھا ہوگا۔"

"مگر وہ گونگی کب تھی۔ اخبارات میں تو اس کے گونگے پن کا تذکرہ نہیں تھا۔"

"ختم بھی کرو یار! خواہ مخواہ جھک مارنے سے کیا فائدہ۔ ابھی ذرا سی دیر میں تم وہاں
جاؤ گے دیکھ لینا۔"

ڈاکٹر فریدی اور گونگی لڑکی انہیں برآمدے ہی میں ملے۔ کئی کرسیاں اب بھی خالی پڑی
تھیں۔ ڈاکٹر نے انہیں دیکھ کر نفرت سے ہونٹ سکوڑے اور دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

"کیوں مسٹر ڈیکن.....!" فریدی نے پوچھا۔ "کیا آپ اس لڑکی کو پہچانتے ہیں۔"

ڈیکن نے نفی میں سر ہلا دیا۔ لیکن وہ لڑکی کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ تھیلما اور فیروز نے
اعتراف کیا کہ وہ لڑکی کو نہیں جانتے۔ پہلے کبھی اس سے ملنے کا اتفاق بھی نہیں ہوا تھا۔

ڈاکٹر اب انہیں توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ کبھی کبھی اس کی نظریں لڑکی کے چہرے پر
بھی جا رکتیں۔

"ہلدا گارفیلڈ.....!" فریدی نے لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "تمہیں اب بولنا ہی پڑے گا۔"

لیکن لڑکی کے چہرے پر کسی قسم کا تغیر نہ محسوس کیا جا سکا۔

"ارے..... نام بھی رکھ دیا آپ نے۔" ڈاکٹر ہنس پڑا۔ "مگر ہے بڑا پیارا نام۔"

حمید نے محسوس کیا کہ اس نے کنکھیوں سے تھیلما کی طرف بھی دیکھا تھا۔

حمید اُسے گھورنے لگا۔ یک بیک اس نے فریدی کو اٹھتے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک
رومال تھا۔

وہ لڑکی کے قریب پہنچا اور اس کے منہ پر اس طرح رومال باندھنے لگا کہ ناک منہ اور
ٹھوڑی چھپ گئے۔ صرف آنکھیں اور پیشانی کھلی رہیں۔ لڑکی بُری طرح مچلی تھی اور جھلاہٹ
میں اس کے حلق سے طرح طرح کی آوازیں بھی نکلی تھیں اور ڈاکٹر کچھ بڑبڑانے لگا۔ بقیہ لوگوں
کے چہروں پر ایسے ہی آثار تھے جیسے وہ فریدی کو پاگل سمجھتے ہوں۔

دفعتاً ڈاکٹر نے کہا۔ "اسے لکھ لو کرنل..... اگر یہ گونگی نہیں ہے تب بھی کم از کم تمہارے
لئے ہمیشہ گونگی رہے گی۔ اگر یہ ایکٹریس ہے تو خدا کی قسم اس کی ٹکر کی دوسری آج تک نہ پیدا
ہوئی ہے اور نہ پیدا ہوگی۔ میں نے اسے اس طرح آزمایا ہے..... فولاد کا دل رکھنے والے بھی
اپنے آباؤ اجداد کا نام لے کر پکارنے لگتے۔"

"اس طرح تم اس کا دل بڑھا رہے ہو..... کیوں.....؟" حمید دہاڑا۔

مگر فریدی ان کی طرف دھیان دیئے بغیر ڈیکن، تھیلما اور فیروز کی طرف مڑا۔

"اب ان آنکھوں کو غور سے دیکھو.....!" اس نے کہا۔

"سب سے اچھا شعر کہنے والے کو "عین الشعراء" کا خطاب دیا جائے گا۔" ڈاکٹر
قہقہہ لگایا۔

"خاموش رہو.....!" حمید نے پھر آنکھیں نکالیں۔

"یار تم بہت چڑ چڑے معلوم ہوتے ہو۔ عورتوں کی موجودگی میں تمہیں تہذیب کا خ
کرنا چاہئے۔" ڈاکٹر بولا۔

"یہ لڑکی..... مختلف ناموں سے متعدد اشخاص کو دھوکا دے چکی ہے۔" فریدی
"پلاسٹک میک اپ کے ذریعہ صرف اپنی ناک اور دہانے میں تبدیلیاں کر کے شکلیں بدلتی
ہے..... لیکن آنکھیں..... تم تینوں غور کرو۔ کیا کبھی یہ آنکھیں تمہاری نظروں سے گذری ہیں۔

"تب تو پھر مجھے خود کو خوش قسمت ہی سمجھنا چاہئے۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "کیونکہ یہ مجھ
اپنی اصلی شکل میں ملی تھی۔ کیوں..... کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔"

"نہیں تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔" فریدی مسکرایا۔

ڈیکن اس طرح لڑکی کو دیکھ رہا تھا جیسے حافظے پر زور دے کر کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا

"اوہ.....!" وہ آہستہ سے ایک قدم آگے بڑھتا ہوا بڑبڑایا۔ "اوہ..... یہ تو وہی
ہوتی ہے..... ہاں بالکل وہی۔"

وہ لڑکی کے قریب پہنچ کر دو زانو بیٹھ گیا اور اس طرح جھک کر اس کی آنکھوں میں
لگا جیسے بس اب پہچان کر کسی نام کا اعلان کرنے والا ہے۔

لیکن ٹھیک اسی وقت فریدی نے اس پر چھلانگ لگائی اور وہاں افراتفری مچ گئی۔

ڈیکن کسی چکنی مچھلی کی طرح اس کی گرفت سے نکل کر حمید سے جا ٹکرایا تھا اور
اس نے اس کی پتلون سے ریوالور بھی نکال لیا تھا۔

"خبردار کوئی اپنی جگہ سے جنبش نہ کرے۔" وہ دیوار سے لگتا ہوا بولا۔

جو جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ حمید اُسے خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا کیونکہ اُس کی
اُسے خفت اٹھانی پڑی تھی۔ ذرا سی بات نہیں تھی کہ کوئی اس کی جیب سے ریوالور نکال لے

اب وہ سوچ رہا تھا کہ ریوالور کے ساتھ اسٹرنگ ضرور استعمال کرنی چاہئے اس طرح وہ اپنی
پھرتی سے ریوالور پر ہاتھ نہ ڈال سکتا۔ مگر فریدی نے اس پر چھلانگ کیوں لگائی تھی۔

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ اسی وقت گونگی لڑکی کی آنکھوں میں
دانشمندانہ الجھن کے آثار نظر آئے۔

خود ڈیکن کی یہ حالت تھی کہ اس کے ہونٹ سختی سے بھنچے ہوئے تھے۔ دفعتاً اس نے کہا۔

"تم سب چلے جاؤ..... باہر نکلو..... ورنہ کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

ڈاکٹر، تھیلما اور فیروز برآمدے سے نیچے اُتر گئے۔ فریدی اور حمید نے اپنی جگہ سے جنبش
بھی نہ کی۔

"سن رہی ہو لڑکی۔" فریدی ریوالور پر نظر جمائے ہوئے بولا۔ "ابھی تم ہمیشہ ہمیشہ کیلئے پاگل
ہو جاتیں۔ پھر بولتیں بھی تو کیا..... بائیں جانب نیچے سرخ رنگ کی ایک سوئی پڑی ہوئی ہے۔"

لڑکی بائیں جانب جھکی۔ بس ایک پل کے لئے ڈیکن کی توجہ اس کی طرف مبذول ہوئی
تھی کہ فریدی نے اس پر چھلانگ لگا دی۔

"کمال کا آدمی ہے۔" ڈاکٹر بڑبڑایا۔ "خدا کی پناہ۔"

"یہ سب کیا ہو رہا ہے۔" دفعتاً تھیلما چیخنے لگی۔ ریوالور ڈیکن کے ہاتھ سے نکل کر پھر حمید
کے قبضے میں پہنچ چکا تھا اور وہ کوشش کر رہا تھا کہ فریدی کی گرفت سے نکل کر بھاگے۔ اس کے
لئے وہ اپنے دانت بھی استعمال کر رہا تھا۔

ادھر لڑکی نے بھی کھسک جانا چاہا مگر حمید نے جھپٹ کر اس کے بال پکڑ لئے اور گھسیٹتا ہوا
برآمدے کے نیچے لیتا چلا گیا۔ ڈاکٹر مضطربانہ انداز میں آگے بڑھ کر بولا۔ "اوہ..... اوہ.....
جناب..... یہ ظلم ہے۔ اس طرح نہیں۔"

"پیچھے ہٹو.....!" حمید دہاڑا اور ٹھیک اُسی وقت لڑکی منمنائی۔ "میں سب کچھ بتا دوں گی۔"

"میرے خدا.....!" ڈاکٹر اچھل پڑا۔ "کمال ہے..... خدا کی قسم کمال ہے۔"

"حمید گاڑی سے ہتھکڑیاں۔" فریدی نے برآمدے سے آواز دی۔ "پچھلی سیٹ کے

نیچے.....ڈاکٹر! لڑکی کا خیال رکھو۔ قانون کے نام پر۔"

وہ ڈیکن کے سینے پر سوار تھا اور ڈیکن کسی تھکے ہوئے چوپائے کی طرح ہانپ
ہونٹ سختی سے بند تھے۔

❖

کچھ دیر بعد وہ پھر انہیں کرسیوں پر نظر آئے۔ ڈیکن اور لڑکی کے ہاتھوں میں ہ
تھیں۔ لیکن لڑکی کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ وہ بہت زیادہ غصے میں تھی۔ ڈیکن کی آنکھیں
اور وہ مُردوں کی طرح آرام کرسی میں پڑا ہوا تھا۔

دفعتاً لڑکی غرائی۔ "ڈیکن.....تم سے زیادہ خودغرض کتا آج تک میری نظروں
گذرا۔ میں نے تمہارے لئے اتنی سختیاں جھیلی تھیں لیکن تم مجھے اس کا کیا صلہ دے
تھے۔ زہریلی سوئی۔ تم نے سوچا کہیں میں پولیس کی سختیوں سے ڈر کر اپنے گونگے
اعتراف کر ہی نہ لوں.....اس لئے تم نے یہ سوئی.....!"

وہ خاموش ہو کر ہانپنے لگی۔ پھر فریدی کی طرف دیکھ کر بولی۔

"یہ اتنا کمینہ اور بے ضمیر آدمی ہے کہ اپنی بیوی کو بھی بلیک میل کرتا رہا تھا۔" اس نے
بھی کہنا چاہا لیکن فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "میں جانتا ہوں۔ تفصیل میں جانے کی ضرورت

تھیلما نے اُسے تشکر آمیز نظروں سے دیکھا۔ فیروز نروس نظر آنے لگا تھا اور ڈا
ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ اس نے پہلے فیروز پر نظر ڈالی اور پھر تھیلما کی طرف
لگا۔ تھیلما کی پلکیں جھک گئیں اور ڈاکٹر باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں گھورنے لگا۔

"تم ڈاکٹر کے ہاں کیوں آئی تھیں؟" فریدی نے لڑکی سے پوچھا۔

"آپ اگر ڈیکن تک نہ پہنچتے تو اس کی نوبت ہی نہ آتی۔ ہم بدستور اپنا کا

رہتے۔ ڈیکن ہی اصل چور تھا اس لئے جب آپ نے اس سے پوچھ گچھ شروع کی تو اس نے
سوچا شائد آپ کو اس پر شبہ ہو گیا ہے۔ لہٰذا اس نے ایک اسکیم بنائی جس کے تحت آپ کا شبہ
بھی رفع کر دے اور بزنس بھی جاری رہے۔ لہٰذا اس نے اسکیم ہی کے تحت آپ کو بلیک میلر
کے طریق کار سے بھی آگاہ کر دیا۔ وہ جانتا تھا کہ آپ بھوری چٹان کی نگرانی ضرور کرائیں گے،
اس کا خیال تھا کہ ہاتھی کی تلاش میں رہنے والوں کی نظر چیونٹیوں پر نہیں پڑتی۔ آپ کو وہاں کسی
آدمی کی تلاش ہوتی، لیکن پیکٹ تو چوہے کھسکاتے! وہ بھی محض اتفاق ہی تھا کہ اس رات پیکٹ
چوہے کی گرفت سے نکل کر نیچے گر گیا تھا اور آپ نے آواز پر ٹارچ روشن کر لی تھی۔ اس لئے
پیکٹ کا چور ظاہر ہو گیا تھا۔ ڈیکن نے آپ سے تھیلے کا تذکرہ تو کیا تھا لیکن آپ کی ہدایت پر
کوئی تھیلا آپ کو دیا نہیں تھا۔ وہ ایسا کر ہی نہیں سکتا تھا۔ اگر کرتا تو تھیلے کی خصوصیت آپ پر
ظاہر ہو جاتی، جہاں کسی چوہے تک اس کی بو پہنچتی وہ اُسے حاصل کر لینے کے لئے بیتاب
ہو جاتا۔ بہرحال اس نے یہ کہہ کر آپ کو ٹال دیا کہ اس بار ابھی تک بلیک میلر کی طرف سے
تھیلا نہیں ملا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا کوئی شکار کبھی آپ تک پہنچ ہی نہ سکے گا اس لئے اس کا
سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ تھیلا کبھی آپ کے ہاتھ لگے۔ ویسے اُن شکاروں کے معاملے میں وہ
ذرا محتاط ہو گیا تھا جن پر آپ کی نظر پڑ سکتی۔ بالکل اسی طرح جیسے آپ خود اُسی پر چڑھ دوڑے
تھے۔ میرا خیال ہے کہ آپ کو شبہ تھا کہ ڈیکن کو بھی بلیک میل کیا جا رہا ہو گا کیونکہ وہ بھی ہنری
گیل ہی کی طرح کم از کم پولیس کی لسٹ پر پہلے ہی سے تھا۔ بہرحال اس نے جو ڈرامہ کیا تھا
اس کے لئے اس نے مجھے باقاعدہ وقت دیا تھا کہ میں اس کے نمبر ڈائیل کر کے بدلی ہوئی آواز
میں آپ کو مخاطب کروں، اس طرح آپ کے رہے سہے شبہات بھی رفع ہو جاتے اور آپ
یقین کر لیتے کہ، وہ حقیقتاً بلیک میل کیا جا رہا ہے۔"

"میں نے پوچھا تھا کہ تم ڈاکٹر کے یہاں کیوں آئی تھیں۔" فریدی بولا۔

"ڈاکٹر بیچارہ تو بہت پہلے سے غیر شعوری طور پر آلہ کار بنتا رہا تھا۔ زہروں اور ان کے
استعمال کے بارے میں ڈیکن کی معلومات اس کی رہین منت ہیں۔ پلے پلائے چوہے بھی

یہیں سے چرائے جاتے تھے۔لیکن ڈاکٹر کو اس کی خبر نہیں تھی۔اسے شائد یہ بھی نہ معلوم ہ
ڈیکن نے اسی کی ایک دریافت سے فائدہ اٹھایا تھا...... یہ دریافت تھی وہ مادہ جس پر پ
جان دیتے ہیں۔"

"اس سے کس طرح فائدہ اٹھایا۔" ڈاکٹر چونک پڑا۔لیکن لڑکی اس کی طرف توجہ
بغیر کہتی رہی۔

"میں ڈاکٹر کے یہاں اس لئے آئی تھی کہ پہاڑیوں سے قریب رہ کر ڈیکن کے
شکاروں سے رقومات بھی وصول کرتی رہوں اور جب ضرورت پیش آئے چوہے بھی
چراسکوں۔گونگی کا رول خاصا کامیاب رہا تھا۔جب بھی مجھے رات کو رقم وصول کرنے پہاڑ
میں جانا ہوتا تھا ڈاکٹر کو کافی میں خواب آور دوا دے دیتی تھی اور وہ گھنٹوں اطمینان سے سوتا رہتا تھا

پھر فریدی کے استفسار پر اس نے اعتراف کیا کہ ہنری گیل کو اُسی نے بیوقوف بنایا
ہلدا گارفیلڈ کے نام سے وہی اس کے محکمے میں ملازم تھی اور ہنری گیل کیس کا فائیل اسی
اڑایا تھا اور اس نے حمید کو کہتے سنا تھا کہ فلاں دن تارجام سے کچھ کاغذات لائے گا۔ہنری
ہنری گیل کو پھانسنے اور اُس معاملے کی پبلسٹی پولیس ہی کے ذریعہ کرانے کیلئے وہ سب کچھ
گیا تھا۔مقصد یہ تھا کہ اسکے شکار ہمیشہ اُس سے مرعوب رہیں۔نہ صرف شکار بلکہ پولیس بھی

"ہاہا.....!" ڈاکٹر نے قہقہہ لگایا۔پھر حمید سے بولا۔"میں نہیں جانتا کہ پورے واقعات
ہیں۔لیکن ڈیکن کے متعلق میرا خیال غلط تو نہیں تھا۔وہ ایسا ہی چوہا ہے، جو آدمی پر جھپٹ سکے

"اوہ چوہے دان بھی دیکھ ہی لیا تم نے۔" فریدی مسکرایا۔

"ڈیکن پر مجھے اسی وقت شبہ ہوا تھا جب فون پر کسی عورت کی بگڑی ہوئی مردانہ آواز
تھی۔اُس نے بلا شبہ کوئی زہر استعمال کیا تھا۔لیکن وہ مہلک نہیں تھا۔میں نے اس وقت
لئے اُسے یہاں بلوایا تھا کہ وہ کوئی حرکت کر بیٹھے اور میں اسے رنگے ہاتھوں پکڑلوں۔
حمید یہ ہسپتال سے سیدھا یہاں نہ آیا ہوگا بلکہ پہلے گھر یا آفس گیا ہوگا۔"

"قدرتی بات ہے۔" حمید نے سر ہلا کر کہا۔"پہلے میں ہسپتال گیا تھا۔اس کے بعد

کو بھی ساتھ لینا تھا۔وہ گھر پر تھی لہٰذا وہ بھی گھر گیا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔اس نے وہاں سے ایک زہریلی سوئی لی اور وہ جانتا تھا کہ پولیس یقینی طور
پر گونگی کو بولنے پر مجبور کردے گی۔لہٰذا کیوں نہ موقع نکال کر اُسے راستے سے ہٹا دیا جائے۔
اب اس وقت اگر میں ذرا سا بھی چوکتا تو سوئی لڑکی کے بازو میں اتر چکی ہوتی۔ڈیکن نروس
ہوگیا تھا۔نہیں جانتا تھا کہ کیا کررہا ہے۔ظاہر ہے کہ لڑکی سوئی چبھنے پر یقیناً چیخ پڑتی اور وہ پکڑ
لیا جاتا۔مگر وہ اتنا ہی نروس تھا کہ اس مسئلے پر غور نہ کرسکا۔ہاں لڑکی..... تمہارے فلیٹ میں ایک غیر
معمولی قسم کا صندوق بھی تھا جسے کھولتے وقت اندر سے دھواں نکلا تھا۔کیا تھا اس صندوق میں۔"

"ویسے ہی بہتیرے تھیلے..... جن میں رقومات وصول کی جاتی تھیں۔"

پھر لڑکی نے بتایا کہ اس کے فلیٹ میں پائی جانے والی قابل اعتراض چیزیں عموماً اُسی
صندوق میں رکھی جاتی تھیں۔مقصد یہ تھا کہ اگر اس کی عدم موجودگی میں کبھی کوئی فلیٹ کی تلاشی
لے اور اس صندوق کو کھولنے کی کوشش کرے تو وہ ساری چیزیں خود بخود ضائع ہو جائیں۔قاسم
کے متعلق بتایا کہ اس کے معاملے میں اس نے ڈیکن سے مشورہ نہیں لیا تھا۔بس اس کے متعلق
خود ہی معلومات فراہم کر کے کام شروع کردیا تھا۔

"لیکن شائد وہ آپ تک جا پہنچا تھا۔" لڑکی نے کہا۔"مجھے توقع نہیں تھی کہ وہ ایسا کرے
گا۔کیونکہ اپنے باپ سے بہت ڈرتا ہے۔"

ڈیکن نے آنکھیں کھولیں اور لڑکی کو گھورنے لگا لیکن کچھ بولا نہیں۔

یک بیک تھیلما نے کھنکار کر پٹاخ سے ڈیکن کے منہ پر تھوک دیا.....اور فیروز کے ہاتھ
پر ہاتھ رکھتی ہوئی بولی۔"اب مجھے کسی کی پرواہ نہیں ڈارلنگ۔یہ مرد ایسے ہی ذلیل ہوتے
ہیں۔مجھے اس کی بھی پرواہ نہیں ہے کہ تم سے بھی اسی قسم کی کوئی ذلالت سرزد ہوگی۔"

"میں تمہیں مبارک باد دیتا ہوں مسٹر فیروز۔" ڈاکٹر آگے جھکتا ہوا بولا۔"اب میں تم سے
بھی بےتحاشہ محبت کروں گا۔"

ڈیکن گالیاں بکنے لگا تھا۔اُس نے چیخ کر کہا۔"یہ کہاں کا قانون ہے کرنل فریدی کہ

تمہاری موجودگی میں میرے منہ پر تھوکا جائے۔"

"تمہارے لئے تو حقیقتاً کوئی نیا قانون وضع کرنا پڑے گا۔ لوگ اپنی بیویوں کی
کمزوریاں معلوم کر کے یا تو اُن سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں یا انہیں قتل ہی کر دیتے ہیں
لیکن تم تھیلما کو بلیک میل کرنے لگے تھے۔ لہٰذا تمہارے لئے جو قانون وضع کیا جاسکتا ہے
کا تعزیری پہلو منہ پر تھوک کے جانے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ مگر میں تھیلما سے درخواست
کروں گا کہ وہ خود کو قابو میں رکھیں۔"

ڈاکٹر نے ایک طویل سانس لی اور پھر مسکرا کر بولا۔ "جسے ہم چاہتے ہیں۔ اس
چاہنے والوں سے بھی ہمیں محبت ہونی چاہئے۔"

"محبت.....!" فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ "محبت صرف اپنے فرائض
سے ہونی چاہئے۔"

"ایسی چیزوں سے ہرگز محبت نہ ہونی چاہئے جو دانت بھی رکھتی ہوں۔"

حمید نے اپنے زخمی ہاتھ کو ٹٹول کر سسکاری سی لی اور ڈاکٹر نے قہقہہ لگایا۔

پھر فریدی کے استفسار پر لڑکی نے بتایا کہ اس بزنس میں اس کے اور ڈیکن کے علاوہ کوئی
تیسرا شریک نہیں تھا۔ قاسم کے معاملے میں اس نے وقتی طور پر ایک پیشہ ور اخباری فوٹو گرافر
سے مدد لی تھی اور اسے ایک بڑی رقم دے کر اس سے تصویر کا نگیٹو بھی حاصل کر لیا تھا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 86

فرہاد ۵۹

(مکمل ناول)

پیشرس

لیجئے آج آپ کی یہ خواہش بھی پوری کی جارہی ہے کہ جاسوسی دنیا میں صرف کیپٹن حمید کا کوئی کارنامہ پیش کیا جائے اور فریدی اس حد تک ''غائب'' ہو کہ حمید اس سے کسی قسم کا مشورہ بھی نہ لے سکے۔

حمید آخر فریدی ہی کا شاگرد ٹھہرا.... پھر کیا وجہ ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری پر کوئی کیس نہ نپٹا سکے۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ ذہین بھی ہے اور پھرتیلا بھی، یہ اور بات ہے کہ فریدی کے ساتھ رہ کر اپنی کھوپڑی سرے سے استعمال نہ کرتا ہو..... یہی چاہتا ہو کہ اس کے سامنے بچہ ہی بنا رہے اس حد تک کہ انگلی پکڑ کر چلنے کی نوبت آجائے۔

اس کہانی میں آپ محسوس کریں گے کہ اُس نے ہر معاملے میں فریدی کی پوری پوری نقل اتارنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن ایک سچویشن ایسی بھی آپ کی نظر سے گذرے گی جہاں فریدی کی نقل مہنگی پڑی تھی۔ پھر اگر قاسم کو ڈھال بنا کر ''حمیدیت'' ہی پر نہ اُتر آتا تو شاید وہ اس کی زندگی کا آخری دن ہوتا۔

قاسم نے اس بار بڑے قہقہے بکھیرے ہیں..... اس کی ''جاسوسی'' بھی خاصی رہی۔ لیکن اُسے اسسٹنٹ بنا کر حمید کو کتنی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس نے اسے اسسٹنٹ کیوں بنایا تھا؟ وہ غیر دلچسپ نہیں۔

ہاں بھئی ایک بات اور یاد آئی..... اکثر پڑھنے والوں نے قاسم کی زبان پر اعتراض کیا ہے..... ان کا کہنا ہے کہ کہیں تو ایسا

معلوم ہوتا ہے جیسے اس کے ''ش'' ''ق'' درست ہی نہ ہوں اور کہیں بہت صاف زبان نظر آتی ہے، لکھتے وقت کہیں آپ ہی کی ذہنی رو تو نہیں بہک جاتی۔

نہیں بھئی ایسا نہیں ہوتا۔ اس کے شین قاف قطعی درست ہیں۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ ذہن ہی کی طرح اس کی زبان بھی قابو میں نہیں رہتی۔

اب ایک اشد ضروری بات بھی سنئے۔ کراچی کے کسی ناکام ادارہ نے بک اسٹال ایجنٹوں کو خطوط لکھے ہیں کہ میں اس کے لئے کتابیں لکھ رہا ہوں۔ اس سلسلے میں بعض ایجنٹوں نے بھی مجھ سے استفسار کیا ہے..... نوٹ کیجئے کہ وہ کوئی فراڈ ہے۔ چونکہ یہ سردیوں کا زمانہ ہے اور اس زمانے میں تفریحی کتابوں کی مانگ بڑھ جاتی ہے۔ اس لئے ہمیشہ کی طرح تین چار ماہ تک اس بار بھی آپ کو بھانت بھانت کے ''صفیوں'' کا سامنا کرنا پڑے گا..... کبھی کوئی میرے نام میں ایک آدھ نقطے کا اضافہ کر کے دھوکا دینے کی کوشش کرے گا اور کبھی ''اِبن'' کو مشدد کر کے پڑھنے والے کی آنکھوں میں دھول جھونکے گا۔ لہٰذا آپ خود ہی ہوشیار رہئے۔

یہ چند سطور اُن ایجنٹوں کے استفسار پر لکھی گئی ہیں جن کے پاس ادارہ کے خطوط پہنچے ہیں..... ورنہ مجھے اس کی زیادہ پرواہ نہیں ہوتی کہ میرے خلاف کون کیا کر رہا ہے۔

ابن صفی

۱۴ر ستمبر ۵۹

عوامی زچہ خانہ

پھر قاسم تماشہ بن گیا۔ حمید نے چاہا تھا کہ دوپہر کا کھانا کمرے ہی میں کھائے لیکن قاسم اڑ گیا کہ ڈائننگ ہال ہی بہتر رہے گا۔ وجہ نہیں بتائی تھی۔ یہ کیسے کہتا کہ یہاں آس پاس کئی شوخ اور چمکیلے رنگ لہریں لے رہے ہیں۔ حمید اسی وعدے پر اُسے اپنے ساتھ رام گڈھ لایا تھا کہ وہ رنگین لہروں کے چکر میں پڑ کر حماقتیں نہیں کرے گا۔ قاسم نے خوب منہ پیٹا تھا اور عہد کیا تھا کہ ایسا ہی ہوگا۔ اس نے کہا تھا۔

"اُے حمید بھائی..... میں کھد بھی چاہتا ہوں کہ بالکل شریف ہو جاؤں مگر نہ جانے کیوں۔"

بات آگے نہیں بڑھی تھی اور حمید اُسے ساتھ لانے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ فریدی بھی ان دنوں شہر میں موجود نہیں تھا اس لئے حمید کو ایک ماہ کی رخصت حاصل کر لینے میں دشواری نہیں پیش آئی تھی۔ خیال تھا کہ کچھ دن سکون کے ساتھ رام گڈھ میں گذارے جائیں گے۔

پھر شامت ہی تو تھی کہ اس بلا کو ساتھ لایا تھا۔ مگر وہ کیا کرتا۔ یہ بلا ایسی نہیں تھی کہ انکار سے ٹل جاتی۔ حمید اسے پکڑ کر کسی صندوق میں تو بند نہیں کر سکتا تھا۔ اپنے ساتھ نہ لاتا..... لیکن کیا

اس سے گلو خلاصی ہو جاتی۔ پہلے بھی اکثر قاسم اس کا تعاقب کر چکا تھا۔ اس بار پھر کرتا اور ٹھیک اسی ہوٹل میں پہنچ کر دم لیتا جہاں حمید نے قیام کیا تھا۔

غلطی دراصل اسی کی تھی۔ قاسم سے تذکرہ کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی کہ وہ چھٹیاں گذارنے رام گڈھ جا رہا ہے۔

بہر حال ہوئی تھی غلطی تو خمیازہ بھی اُسے ہی بھگتنا پڑا۔ ادھر قاسم نے بکرے کی مسلم ران ادھیڑنی شروع کی اور اُدھر لوگوں کی نظریں اٹھنے لگیں۔ پرانی کہانیوں کا دیوزاد بکرے کی بھنی ہوئی ران سے شغل کر رہا تھا۔ وہ بھی اس انداز سے جیسے کسی ویرانے میں بیٹھا ہو۔ آس پاس کے ماحول سے بے خبر۔ حالانکہ یہاں بیٹھ کر کھانا کھانے کا محرک بھی ماحول ہی ہوا تھا۔ لیکن کھانا آجانے پر کہاں کا ماحول اور کہاں کی رنگین لہریں۔ جس طرح مار کے آگے بھوت بھاگتا ہے اسی طرح قاسم پیٹ کے پیچھے بھاگنے میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ کھاتے وقت اگر اندر کے اکھاڑے کی پری بھی سامنے آ کھڑی ہو تو کیا مجال کہ میاں قاسم آنکھ اٹھا کر دیکھ ہی لیں۔ ساری توجہ کھانے ہی کی طرف ہوتی تھی۔

لوگ اُسے گھورتے رہے اور وہ گردو پیش سے بے خبر معدے کا وزن بڑھاتا رہا۔ کچھ دیر بعد ران کی ہڈیاں ایک خالی پلیٹ میں رکھتا ہوا بولا۔ "سالے تین بوٹیوں والی بریانی لائے ہیں۔ اُے بڑا غصہ آتا ہے ایسی بریانی دیکھ کر..... پتہ نہیں گوشت میں چاول ڈالتے ہیں یا چاول میں گوشت.....!"

گوشت میں چاول یا چاول میں گوشت کا مسئلہ وضاحت طلب تھا۔ لیکن حمید نے سنی ان سنی کر دی اور قاسم نے مرغ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

بمشکل کھانا ختم ہوا اور قاسم نے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے چاروں طرف نظر دوڑائی اور ایک بار پھر اس کا ذہن رنگوں کے سیلاب میں ہچکولے لینے لگا۔

کچھ عورتیں اس کی طرف دیکھ دیکھ کر آپس میں سرگوشیاں کر رہی تھیں اور حمید سوچ رہا تھا کہ اب وہ اور زیادہ ڈیوٹ ہو جائے گا۔

''یار میں پاغل ہو جاؤں گا۔'' قاسم کچھ دیر بعد کراہا۔

پھر اُس کے چہرے پر جھلاہٹ کے آثار نظر آئے اور وہ حمید کو گھورنے لگا۔ غالباً
جھلاہٹ کا باعث حمید کی خاموشی ہی تھی۔

''اَمے..... قیا منہ میں مینگنیاں بھر کر بیٹھے ہو۔'' اس نے غصیلی آواز میں کہا۔

حمید کو ہنسی آ گئی۔ ''توڑ دی نا محاورے کی ٹانگ۔''

''منہ میں گھونگنیاں بھرنا محاورہ ہے۔'' اس نے کہا۔

''محاورے کی ایسی کی تیسی۔ تم نے مجھ سے یہ قیوں کہا تھا کہ میں یلا بلیوں کے چکر میں
نہ رہوں غا..... قیوں نہ رہوں۔ قون سالا روتے غا مجھے اور بیٹا تم کب سے پارسا ہو گئے ہو۔''

''زیادہ ہنسنے سے آدمی نڈھال ہو جاتا ہے۔''

قاسم چند لمحے خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر جھک کر آہستہ سے رازدارانہ
میں بولا۔ ''تو رویا کرو نا ان کے سامنے..... میں نے قسی ناول میں پڑھا تھا کہ ہیرو کو ہیر
قے آنسو بڑے اچھے لگتے ہیں..... اَبے تو ہیروئن کو بھی ہیرو کے آنسو اچھے ہی لگتے ہوں گے
اب اسی طرح کریں۔''

''کبھی اپنی گھریلو ہیروئن کے سامنے آزماؤ۔''

قاسم نے ایسا برا منہ بنایا جیسے کونین پاؤڈر کا کیپسول زبان پر رکھتے ہی پھٹ گیا ہو۔
پھر یک بیک چونک کر حمید کو گھورنے لگا۔

''قیوں! تم نے اس کا نام قیوں لیا۔''

''کیا اس کا نام ہیروئن ہے۔''

''تمہیں خیال قیسے آیا اس کا۔''

حمید نے سوچا بات بڑھ جائے گی۔ حقیقت تو یہ تھی کہ وہ اچھے موڈ میں تھا ہی نہیں۔ نہ
چاہتا تھا۔ جسمانی طور پر نہ سہی ذہنی طور پر سہی۔ لیکن ایسی صورت میں جب کہ کوئی دماغ
اور بولنے پر مجبور کرنے والا بھی موجود ہو، ذہنی تنہائی کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا۔

''تم کسے سمجھے ہو۔'' حمید نے ٹالنے کے لئے بناوٹی حیرت کے ساتھ کہا۔

''تم کس کی بات کر رہے تھے۔''

''وہ تصویر جو تمہاری خواب گاہ میں ہے.....!''

''اَمے جاؤ..... اُلو نہ بناؤ..... چلے ہیں سالے..... بات بنانے..... میں کھوب سمجھتا
ہوں..... اسی نے سمجھا دیا ہوگا کہ اسے تفریح نہ قرنے دینا۔ اماں جان ہیں نا تمہاری۔''

حمید خواہ مخواہ مسکرا دیا..... اور قاسم میز پر ہاتھ مار کر بولا۔ ''ہے نا یہی بات! میں سب
سمجھتا ہوں۔ مگر دیکھنا ہے کہ وہ بی گلہری خانم میرا ایا بگاڑ لیتی ہیں۔ اَمے تمہیں مجھ پر رحم نہیں
آتا۔ بس اسی کی ترپھداری کئے جاؤ گے۔''

وہ خاموش ہو کر آنکھیں نکالے ہوئے اُسے گھورتا رہا۔

''میں کسی کی بھی طرفداری نہیں کرتا۔ بس تمہیں ایک ڈھنگ کی بات سمجھانے کی کوشش
کی تھی۔ دیکھو نا..... اکثر کیسی مصیبتوں میں پھنس جاتے ہو۔ ایسے بھاری بھرکم آدمیوں کے لئے
لڑکیوں کا چکر ہی فضول ہے۔ جو کسی موقعہ پر جان بچا کر بھاگ بھی نہ سکیں۔''

قاسم کی پھیلی ہوئی آنکھیں آہستہ آہستہ ڈھیلی پڑتی گئیں۔ شاید وہ اس نکتے پر غور کرنے
لگا تھا۔

آخر کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''پھر میں قیا کروں..... جی گھبرایا کرتا ہے۔ نہ
گھر میں چین نہ باہر چین..... گھر میں بھی بھاری بھرقم اور باہر بھی..... یا اللہ اب اٹھا ہی لے اس
سالے بھاری بھرقم کو۔ کصہ پاق ہو جائے۔''

حمید نے اس کی آنکھوں میں آنسو تیرتے دیکھے۔

''دل بہلانے کے بہتیرے طریقے ہیں.....!'' اس نے کہا۔

''میری سمجھ میں قچھ نہیں آتا۔''

پھر حمید ہی کچھ سوچنے لگا۔ ابھی پوری طرح سوچ نہیں چکا تھا کہ قاسم بول پڑا۔

''اَمے تو پھر مجھے جاسوسی ہی سکھاؤ۔ شاید جی بہل جائے۔ اس میں بھی تو بڑا مجا آتا ہوگا۔''

''ہاں اسی وقت جب تم کسی مشتبہ عورت کا تعاقب کر رہے ہو۔''

''اب دیکھو..... اب دیکھو..... سالے تم ہی عورت نکال رہے ہو۔''

حمید چاہتا تھا کہ کسی طرح فی الحال اس سے پیچھا چھوٹ جائے۔ اس لئے اس
جاسوسی سکھانے کا تہیہ کرلیا۔

''اچھا.....!'' اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ''پہلا طریقہ یہ ہے کہ تم تعاقب کرو

''عورت کا۔''

''نہیں مرد کا۔''

''چلو ٹھیک ہے۔'' اس نے سر ہلا کر کہا۔

''وہ دیکھو..... وہ موٹا آدمی اپنی جگہ سے اٹھ رہا ہے..... غالباً باہر جائے گا
تعاقب کر کے معلوم کرو وہ کون ہے۔ کہاں رہتا ہے اس کا کیا نام ہے۔ کیا کرتا ہے۔''

''ابے پہلے ہی دن اتنا کام..... اچھا میں صرف گھر دیکھ آؤں گا۔ اُتا پتہ لے آؤں گا''

''چلو یہی سہی..... جلدی کرو۔''

جس آدمی کا تعاقب کرنے کا مشورہ دیا گیا تھا وہ پستہ قد تھا اور قد کی مناسبت سے
پھیلاؤ بہت زیادہ تھا۔ اگر قاسم پر گنبد نما مینار کی پھبتی کہی جاسکتی تو وہ صرف گنبد تھا۔
آگے پیچھے ڈائننگ ہال سے نکلے اور حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔

وہ یہاں بہت اچھے موڈ میں نہیں آیا تھا۔

آمد کا مقصد تھا ماحول کی یکسانیت سے پیچھا چھڑانا۔ لیکن عجیب بات ہے کہ اس
باوجود بھی تنہائی کی تلاش تھی۔

حمید کے بارے میں یہ کہنا قطعی غلط ہوگا کہ وہ ہمیشہ ہی کھلنڈرے پن کے موڈ میں
تھا۔ لیکن موڈی تو بہر حال تھا۔ ابھی ہنس رہا ہے..... قہقہے لگا رہا ہے..... دوسروں کی
اچھال رہا ہے اور خود بھی تماشہ بن رہا ہے لیکن کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اسی ہنگام سرمستی میں کب
کے ذہن کے کسی تاریک گوشے سے اداسی کی ایک ہلکی سی لہر شعور میں رینگ آئے اور

بیک اس طرح خاموش ہو جائے جیسے گھٹنوں سے ہونٹ سیئے بیٹھا رہا ہو۔

اداسی کا دورہ اکثر دیرپا ثابت ہوتا تھا اور اپنے ماحول سے فرار کے باوجود بھی اُسے تنہائی
کی تلاش رہتی تھی۔

رام گڈھ پہنچنے پر اس نے پہلے کوئی ایسا مکان ہی تلاش کیا تھا جو کچھ دنوں کے لئے کرایہ
پر مل سکتا۔ لیکن کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ حالانکہ یہ اکتوبر کا مہینہ تھا اور یہاں سردی بڑھ گئی تھی لیکن
پھر بھی میدانوں سے آنے والے سیاح رام گڈھ ہی سے چمٹے رہنا چاہتے تھے۔ پھر مجبوراً ہوٹل
کا رخ نہ کرتا تو جاتا کہاں۔

ڈائننگ ہال سے اٹھ کر وہ اپنے کمرے میں آیا اور کھڑکی میں کھڑا ہو گیا۔ مطلع ابر آلود
تھا..... حد نظر تک سرسبز پہاڑیاں بکھری ہوئی تھیں جن پر جگہ جگہ رنگین اور متحرک دھبے نظر آ رہے
تھے۔ یہ سیاحوں کی ٹولیاں تھیں..... کس سے نچلا بیٹھا جاتا ہے یہاں۔ اس نے سوچا! لیکن وہ کیا
کرے۔ یہ اداسی۔ یہ بیزاری۔ آخر کیوں؟ کب اس سے نجات ملے گی۔ وہ کیا چاہتا ہے۔
تنہائی..... مگر کیوں؟ وجہ.....؟ کوئی وجہ نہ تھی..... وہ اپنے ذہن کو کریدنے لگا۔ لیکن اداسی کی
جڑوں تک نہ پہنچ سکا۔

اس مسئلے سے الجھنا کوئی نئی بات نہ تھی۔ اس پر جب بھی اداسی کا دورہ پڑتا وہ اپنے ذہن
کو کریدے بغیر نہ چھوڑتا۔ لیکن آج تک اس اداسی کی وجہ نہیں دریافت کر سکا تھا۔

پھر یک بیک قاسم کا خیال آیا۔ اس کا کمرہ بھی اسی راہداری میں تھا۔ لیکن وہ مقفل نظر آیا۔

شام کی چائے حمید نے ڈائننگ ہال ہی میں پی۔ اب وہ کسی قدر بشاش تھا۔ اب ایسے
میں اگر کچھ ساتھی مل جاتے تو شائد ایک بار پھر وہ کسی کھلنڈرے آدمی کے روپ میں نظر آتا۔

ساڑھے چھ بج گئے۔ اندھیرا پھیل گیا۔ لیکن قاسم کا کہیں پتہ نہ تھا۔

دفعتاً اسے خیال آیا کہیں قاسم کوئی حماقت نہ کر بیٹھا ہو۔ پیچھا چھڑانے کے لئے ایسا
مخدوش طریقہ اختیار نہ کرنا چاہئے تھا۔ پھر؟ اب کیا کیا جائے۔

قاسم ہی ٹھہرا۔ ہوسکتا ہے تعاقب کا سلسلہ طویل ہوتے دیکھ کر اکتا گیا ہو اور متعاقب کو

راستے ہی میں روک کر خود اسی سے اس کا پتہ پوچھ بیٹھا ہو۔ اس سے تو بڑے مخلصانہ انداز
حماقتیں سرزد ہوتی تھیں۔ حمید کو ایک واقعہ یاد آ گیا۔

قاسم کی بیوی کچھ دنوں کے لئے مائیکے چلی گئی تھی اور قاسم نے تہیہ کیا تھا کہ
درویشوں کی طرح زندگی بسر کرے گا۔ سارے نوکر نکال باہر کئے..... حتیٰ کہ باورچی کو
رکھا۔ پتہ نہیں کس طرح انہیں دنوں ایک شاعر لاگو ہو گیا تھا۔ چوبیسوں گھنٹے اس کے سر پر
رہتا اور غزلیں مار مار کر قاسم کو ادھ مرا کر دیتا۔ آخر اس سے پیچھا چھڑانے کے لئے قاسم
اپنی عقل بھر ایک تدبیر بھی کر ڈالی۔ صدر دروازے میں قفل ڈال کر اندر بیٹھ رہتا۔ شاعر صاحب
آتے اور دروازہ مقفل دیکھ کر واپس چلے جاتے۔ ایک شام حمید بھی جا پہنچا۔ کمپاؤنڈ میں
دیکھ کر حیرت تو ہوئی لیکن وہ آگے بڑھتا ہی گیا۔ صدر دروازے پر نظر نہیں پڑی تھی۔ ہاتھ
کے پش بٹن پر پڑا..... پھر وہ گھنٹی بجاتا ہی چلا گیا۔

آخر اندر سے قاسم کی غصیلی آواز آئی۔ ''ابے او خبیث..... اندھا ہے کیا..... دیکھتا نہیں
سالے درواجے میں تالا لٹک رہا ہے۔''

تو اسی طرح کوئی حماقت اس تعاقب کے سلسلے میں بھی ہو گئی ہو۔ وہ تو اکتا کر یہ تک
بیٹھتا۔ ''ابے سالے کہیں گھر بار بھی ہے تمہارا یا بس مٹر گشتی ہی کرتے پھرو گے۔ مر بھی
جلدی سے۔''

حمید نے اُس ویٹر سے بھی قاسم کے متعلق پوچھا جو ان کے کمروں میں طلب کی ہوئی
چیزیں پہنچاتا تھا۔ لیکن اس نے بھی لاعلمی ظاہر کی۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ وہ اسی وقت
غائب ہے۔ درمیان میں ہوٹل واپس نہیں آیا۔

لیکن حمید اُسے ڈھونڈتا بھی کہاں۔ رام گڈھ چھوٹی سی جگہ تو تھی نہیں۔ وہ ڈائننگ ہال
میں بیٹھا پائپ میں تمباکو پھونکتا رہا۔ سیاحوں پر ہاتھ صاف کرنے والی کئی پیشہ ور لڑکیوں
اُسے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا لیکن اس نے لفٹ نہ دی۔

آخر ٹھیک ساڑھے سات بجے قاسم کی شکل دکھائی دی۔ چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سارا دن چلتے ہی گذرا ہو۔ حمید کو دیکھ کر اسی طرف آیا اور بیٹھ کر کسی ستم
رسیدہ بیوہ کی طرح کراہا۔ لیکن حمید اب اس کے چہرے کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ اب تو اس کی
نظر پیلے رنگ کے اس بیج پر تھی جو اس کے کوٹ کے کالر سے پن کیا ہوا تھا۔

اس بیج پر سرخ رنگ سے تحریر تھا

''عوامی زچہ خانہ''

قاسم نے اسے جو اس طرح گھورتے دیکھا تو اکڑ کر بیٹھ گیا اور اُس کے ہونٹوں پر ایک
''لمبی سی'' مسکراہٹ نظر آئی۔

حمید اُسے حیرت سے دیکھتا رہا۔ یہ حماقت تو تھی۔ لیکن ''پراسرار'' مگر اسے یہ چھپا ہوا بیج
ملا کہاں سے؟

''یہ تم عوامی زچہ خانہ کب سے ہو گئے۔'' اس نے پوچھا۔

''آج ہی سے۔'' بڑی سنجیدگی سے جواب دیا گیا۔ پھر یک بیک اس نے آگے جھک کر
آہستہ سے پوچھا۔ ''یہ زچہ کیا چیز ہوتی ہے..... حمید بھائی۔''

حمید نے پھر آنکھیں نکالیں۔

''یہ تمہیں ملا کہاں سے۔''

''ٹھینگے سے۔'' قاسم جھلا گیا۔ ''جو میں پوچھتا ہوں وہ نہیں بتاتے سالے۔''

''اُس عورت کو کہتے ہیں جس کے ہاں ولادت ہوئی ہو۔''

''ولادت۔'' قاسم نے اس انداز میں دہرایا جیسے ولادت کا مطلب سمجھنے کے لئے ذہن
پر زور دے رہا ہو۔

''نہیں سمجھا۔'' آخر اس نے کچھ دیر بعد کہا۔

''ابے اُس عورت کو کہتے ہیں جس کی بچہ ہوا ہو۔''

''جھوٹے ہو سالے۔'' قاسم غرایا..... لیکن غیر شعوری طور پر اس کا ہاتھ بیج کی طرف گیا
اور اسی پر جم کر رہ گیا۔ پھر چاروں طرف اس طرح دیکھنے لگا جیسے اندازہ کر رہا ہو کہ کسی نے

دیکھا تو نہیں۔

''جس سے دل چاہے پوچھ لو۔''

''ہوں.....!'' اس بار اسکی آواز بھرائی ہوئی سی تھی۔ ''میری سالی تقدیر ہی اوندھی ہے۔''

''آخر ہوا کیا۔''

''میں سمجھا تھا اس یتیم خانہ کو کہتے ہوں گے جس میں بہت چھوٹے چھوٹے بچے رکھے جاتے ہیں۔''

''پھر بھی کیا بات ہوئی۔'' حمید نے حیرت سے کہا۔

''ابے کچھ بات ہی نہیں ہوئی۔ ساڑھے سات سو جمع کئے تھے۔ یوں سمجھ میں نہیں آئے گا۔ بتاتا ہوں۔ یہ سالا موٹا یہاں سے نکل کر ٹیکسی میں بیٹھا تھا۔ میں دوسری ٹیکسی میں بیٹھ گیا تھا۔ جہاں وہ گیا میں بھی پہنچ گیا۔ بڑا سا پنڈال بنا ہوا تھا لوگ اس میں جا رہے تھے۔ وہ بھی وہاں گیا تھا۔ میں قیوں نہ جاتا۔ کھوب تکریریں ہوئیں..... واہ واہ ہوئی..... تالیاں پٹی گئیں۔ پھر ایک مغلئی بیگم نے کہا جو حضرات چندہ جمع کرنا چاہیں اپنے ہاتھ اٹھا دیں۔ بس کیا بتاؤں۔ اس سالے نے ہاتھ اٹھایا تو میں نے بھی اٹھا دیا۔ اس کے بیج لگایا گیا..... میرے بھی لگا دیا گیا۔ پھر ہم جھولیاں لے کر باہر نکلے اور چندہ جمع کرنے لگے..... وہ میرے پاس ہی کھڑا تھا۔ اس نے میری طرف دیکھا میں نے بھی اس کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرایا تو میں بھی مسکرایا۔ اس نے دانت نکالے تو میں نے بھی نکال دیئے۔ بس اس طرح جاسوسی کرتا رہا۔ کیوں ٹھیک ہے نا۔''

حمید نے اس آدمی کی طرف دیکھا جو قاسم کی جانب ایسے انداز میں بڑھ رہا تھا جیسے اس کا سر ہی توپھاڑ دے گا۔

فرہاد

وہ قریب آ کر رک گیا اور اس کے تیور خراب ہی رہے۔ عمر پچیس اور تیس کے درمیان ہی ہوگی۔ قویٰ مضبوط معلوم ہوتے تھے۔ قبول صورت بھی تھا لیکن لباس کے معاملے میں بے ڈھنگا ہی کہا جاسکتا تھا۔ بال بے ترتیبی سے پیشانی پر جھکے ہوئے تھے۔

''فرمایئے۔'' حمید نے حیرت سے کہا۔

''آپ ادھر دیکھئے مسٹر۔'' اس نے حمید کی پرواہ کئے بغیر قاسم کو مخاطب کیا۔

''قیا.....!'' قاسم نے سر اٹھا کر بھاڑ سا منہ کھول دیا۔

''اپنی رقم واپس لے کر رسید بھی دے دیجئے۔'' اس نے کہا۔

''قون ہو تم.....!'' قاسم نے آنکھیں نکالیں۔

''بیٹھ جایئے نا۔'' حمید نے کہا۔ ''مجھے بتایئے کیا بات ہے۔''

اب وہ حمید کی طرف متوجہ ہوا اور کرسی کھینچ کر بیٹھتا ہوا بولا۔ ''چچا صاحب احمق ہیں..... ان سے طے کیا ہوا کوئی معاملہ خاندان کے دوسرے افراد کے لئے قابل قبول نہیں ہوسکتا۔''

''اُو چچا کے بھتیجے تم ہو قون! میں تمہیں نہیں جانتا۔ تم کہاں کی باتیں کر رہے ہو۔'' قاسم نے ... لیا۔

''اسی مکان کی باتیں جس کا تین ماہ کا کرایہ آپ نے پیشگی ادا کیا ہے۔''

''ہاں تو پھر۔''

''مکان ہم نہیں اٹھانا چاہتے۔''

''ابے جاؤ..... فرشتے اٹھائیں گے تمہارے..... رسید ہے میرے پاس۔''

حمید کبھی قاسم کی شکل دیکھتا اور کبھی اجنبی کی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس قسم کی گفتگو ہے۔ کیسا مکان..... کہاں کی رسید..... اور یہ چچا بھتیجے۔

''وہ مکان کرائے پر اٹھانے کے لئے نہیں ہے۔'' اجنبی نے پھر سخت لہجے میں کہا۔

''پھر وہ سالا بورڈ کیوں لٹک رہا ہے..... کہ کرایہ پر دینے کے لئے خالی ہے۔''

''چچا جان کی زبردستی۔''

''ذرا ایک منٹ ٹھہریئے۔'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''قصہ کیا ہے؟ ذرا ٹھنڈے ہو کر کیجئے۔ مجھے بتایئے۔''

اجنبی خاموش ہو گیا۔ کبھی حمید کی طرف دیکھتا اور کبھی قاسم کی طرف۔ قاسم کی آ اب بھی اُبلی پڑ رہی تھیں اور ''عوامی زچہ خانہ'' کا بیج پھر دوسروں کو دعوت نظارہ دینے لگا۔

''اسے نکالو.....!'' حمید نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اُو..... اُو..... اُوب.....'' قاسم نے چونک کر اُسے پھر ہاتھوں سے چھپا لیا۔

لیکن اب حمید اجنبی کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''چچا صاحب جھکی ہیں۔'' اجنبی نے کہا۔

''مجھے ان سے ملنے کا شرف نہیں ہو سکا۔'' حمید بولا۔ ''میں سرے سے جانتا ہی نہیں کس مکان کا تذکرہ ہے اور یہ حضرت کیا کر کے آئے ہیں۔''

''اَمے..... تم خود حضرت۔'' قاسم نے پھر آنکھیں نکالیں۔

لیکن حمید اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔

اجنبی بولا۔ ''چچا صاحب کے مکان کا ایک حصہ آسیب زدہ ہے۔ اس لئے اُ کر دیا گیا ہے۔ عرصہ سے خالی پڑا ہے..... چچا صاحب کی ضد ہے کہ خالی پڑے رہنے فائدہ۔ اپنی ضد کے پکے بھی ہیں اس لئے براہِ راست مخالفت نہیں کی جا سکتی۔ انہوں نے کرایہ پر اٹھانے کا بورڈ بھی لٹکا رکھا ہے..... لوگ آتے ہیں تو انہیں حقیقت سے آگاہ کر ہے۔ وہ مان جاتے ہیں..... اسی لئے مکان اب تک خالی پڑا ہوا ہے۔ ورنہ اس کے علا گڈھ میں ان دنوں کوئی خالی مکان دکھا دیجئے۔ میں جھک کر سات سلام کروں گا۔''

''کر کے دیکھو۔'' قاسم نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ''میں خوب سمجھتا ہوں سات مطلب (باچھیں پھاڑ کر) سات سلام کریں گے بیچارے۔''

''ذرا کچھ دیر خاموش بھی رہو۔'' حمید نے نرم لہجے میں کہا۔

''اور یہ سات سلام کرتے رہیں۔'' قاسم دہاڑا۔

''تم غلط سمجھے۔ وہ سات سلواتیں ہوتی ہیں..... محاورہ ہے۔''

''چلو آج محاورے ہی کی ایسی تیسی ہو جائے۔ ہاں تم اسی طرح محاورہ نکال کر میری بات کا کباڑہ کر دیتے ہو۔''

''بڑے بھائی۔'' حمید گھگھیایا۔

''چلو خیر.....!'' قاسم کی آواز ڈھیلی پڑ گئی۔

''ہاں تو جناب۔'' حمید اجنبی کی طرف مڑا..... قاسم کو پھر زچہ خانے والے بیج کا خیال آ گیا تھا اور اب وہ اُسے اپنے کوٹ کے کالر سے نکال رہا تھا۔

''ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا جناب۔'' اجنبی بولا۔ ''چونکہ ایک بار خاندان والے مشکلات کا شکار ہو چکے ہیں اس لئے نہیں چاہتے کہ مکان کرایہ پر اٹھایا جائے۔ انہوں نے تین ماہ کا پیشگی کرایہ ادا کر کے چچا صاحب سے رسید لی تھی۔ کوئی اس وقت اس کی مخالفت نہ کر سکا۔ لیکن ہمارا فرض ہے کہ ہم آپ کو آگاہ کر دیں اور وہاں قیام کرنے سے باز رکھیں..... روپے میں واپس لایا ہوں۔ رسید واپس کر دیجئے۔''

''کیا آپ نے چچا صاحب کو رضامند کر لیا ہے۔''

''ان سے الجھنے کی کس میں ہمت ہے۔ انہیں پتہ ہی نہیں۔ وہ یہی سمجھیں گے کہ آپ کرایہ ادا کرنے کے بعد پروپیگنڈے کا شکار ہو کر خائف ہوئے ہیں اس لئے آپ کی واپسی نہیں ہوئی۔ کئی بار ایسا ہوا ہے۔ بے خبر لوگ پھنس گئے ہیں اور خاندان والوں نے ان کے روپے واپس کئے ہیں۔ انہیں حالات سے آگاہ کیا ہے۔''

''آخر وہ اُسے کرایہ پر اٹھانے پر ہی کیوں مصر رہتے ہیں۔''

''جھک ہے۔ بالکل سنکی آدمی ہیں۔ ابھی آپ نے زچہ خانے والے بیج کا تذکرہ کیا تھا۔ آج ان کے کوٹ کے کالر پر بھی ایسا ہی ایک بیج دیکھا گیا ہے..... پتہ نہیں کہاں پھنس گئے تھے

اور کس کے لئے چندہ اکٹھا کرتے رہے تھے۔''

قاسم نے پھر کچھ کہنے کے لئے آنکھیں نکالی تھیں اور حمید نے پھر بڑے بھائی والانسخہ آزمایا تھا۔

''کیا کبھی کسی کرایہ دار کو وہاں رہ کر کوئی نقصان بھی پہنچا ہے۔'' حمید نے پوچھا۔

''جی ہاں..... وہ رات کو سو رہا تھا۔ یک بیک بستر میں آگ لگ گئی تھی اور وہ بمشکل خود کو محفوظ رکھ سکا تھا۔ اس کے پلنگ کے نیچے تازہ خون پھیلا ہوا نظر آیا تھا۔''

''لیکن اس کے باوجود بھی ان کی جھک برقرار ہے۔''

اس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ ''جی ہاں۔ کہیں سے ایک عامل پکڑ لائے تھے۔ جس نے کچھ پڑھا لکھا تھا اور خاصی بڑی رقم اینٹھ کر انہیں یقین دلا دیا تھا کہ بھوت بھاگ گئے لیکن گھر والے اب بھی راتوں کو وہاں عجیب قسم کی روشنیاں دیکھتے رہتے ہیں۔ آوازیں سنتے رہتے ہیں۔ ویسے خود چچا صاحب مصر ہیں کہ سب بکواس ہے۔ وہم ہے۔''

''بڑی عجیب بات ہے۔''

''میں کہتا ہوں آپ خود سوچئے کہ اس سیزن میں بھی وہ خالی پڑا رہا ہے۔ جب کہ رام گڈھ میں کہیں تل رکھنے کی جگہ نہیں رہی۔''

''ٹھینگے سے۔'' قاسم بول پڑا۔ ''ہم دیخیں گے قیسے بھوت ہیں۔ ارے میاں..... برف کے بھوت۔''

''بڑے بھائی۔'' حمید جلدی سے بول پڑا۔

''تم خود بڑے بھائی۔ میں کچھ نہیں سنوں گا۔ ابھی سامان اٹھا کر وہیں لے جاؤں گا۔ رسید ہے میرے پاس..... مر گئے روکنے والے۔ اَجی ہاں۔''

''اگر آپ نے ضد کی تو بھگتیں گے۔''

''آپ کا لہجہ بہت خراب ہے جناب۔'' حمید نے کہا۔ ''اس قسم کا لہجہ ہم اس وقت اختیار کر سکتے ہیں جب آپ نے ہمیں دھوکہ دے کر ایسا کوئی مکان ہمارے گلے لگایا ہوتا۔''

''آپ ان کا لہجہ بھی تو دیکھئے۔''

''بڑی شرافت سے پیش آ رہا ہوں..... ہاں..... ورنہ میں تو۔'' قاسم نے سر ہلا کر کہا۔

''دیکھئے۔'' حمید ہاتھ اٹھا کر قاسم کو خاموش کرتا ہوا اجنبی سے بولا۔ ''کرایہ ادا کر کے یہ رسید لے چکے ہیں۔ رسید کا مطلب ہے تین ماہ کا معاہدہ۔ رقم پیشگی لی گئی ہے۔ فرض کیجئے ہم کسی مجبوری کی بناء پر مکان میں نہ رہ سکتے..... ٹھہریئے..... بھوتوں والا معاملہ فی الحال الگ ہی رکھئے۔ میں ایک عام بات کہہ رہا ہوں۔ ایسی صورت میں کیا ہمیں پیشگی ادا کی ہوئی رقم واپس مل جاتی۔''

''اُسے چھوڑیئے! وہ دوسری بات ہے۔''

''قطعی دوسری بات نہیں ہے۔ آپ کے چچا صاحب نے تین ماہ کا کرایہ پیشگی اسی لئے وصول کیا ہے کہ ہم ہر حال میں پابند ہو جائیں۔ انہوں نے بھوتوں والی کہانی بتائی تو نہیں تھی۔ رقم پہلے وصول کر لی تا کہ اگر بعد کو بھوتوں والی کہانی سن کر ہم بھاگیں بھی تو اُس رقم کی واپسی کا مطالبہ نہ کر سکیں۔''

''چلئے یونہی سہی۔ مگر میں رقم واپس تو کر رہا ہوں۔''

''کتنی رقم تھی۔'' حمید نے قاسم سے پوچھا۔

''نو سو روپے۔'' قاسم نے جواب دیا۔

''میں لایا ہوں۔'' اجنبی جیب پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

''اسے دس سے ضرب دے دیجئے۔'' حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

''کیا مطلب.....؟''

''حاصل ضرب نو ہزار کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔'' حمید کی مسکراہٹ بدستور قائم رہی۔

''اوہ.....!''

''یہ بات ہوئی ہے۔'' قاسم نے میز پر ہاتھ مار کر اچھلنے کی کوشش کی لیکن گد بدا کر رہ گیا۔ ''اے حمید بھائی۔ آج معلوم ہوا کہ واقئی میرے ہمدرد ہو۔''

"یعنی آپ نو ہزار لے کر رسید واپس کریں گے۔" اجنبی کا لہجہ پھر سخت ہو گیا۔

"قطعی..... ہم نے تو پیشگی کرایہ اسی لئے ادا کیا ہے کہ مکان میں رہیں گے۔ آپ
چاہتے تو نو ہزار۔"

"آپ کے بھلے ہی کو نہیں چاہتا مسٹر..... آپ ضد کر رہے ہیں تو آیئے۔ آس پاس
سبھی لوگ جانتے ہیں کہ مکان آسیب زدہ ہے۔ ہم پر کوئی ذمہ داری نہ ہوگی۔"

"بے فکر رہئے۔" حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ "ہم اس مکان میں داخل ہو
سے پہلے چیخ چیخ کر اعلان کریں گے کہ مالک مکان نے ہمیں دھوکے میں نہیں رکھا۔ ہم
خوشی سے بھوتوں کی ہم جلیسی قبول کر رہے ہیں۔"

"زبانی طراریاں رکھی رہ جائیں گی مسٹر۔ آپ نہیں جانتے۔"

حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔ "نو ہزار..... یا..... ہمارا قبضہ..... جس
ہمیں قانون کی رو سے بھی نہیں روکا جا سکتا۔"

دفعتاً قریب کی کسی میز سے آواز آئی۔ "فرہاد..... اُو فرہاد۔"

اجنبی چونک کر اُسی طرف دیکھنے لگا۔ پھر ہاتھ اٹھا کر شائد کسی کو منتظر رہنے کا اشارہ
فرہاد کے نام پر قاسم اُسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا تھا۔

"خدا بے تکلف دوستوں سے بچائے۔" اجنبی بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑایا۔ پھر حمید
بولا۔ "ہاں، تو آپ کیا کہتے ہیں۔"

"کتنی بار کہوں..... کہئے تو اسی جملے کو ریکارڈ کرا کے آپکے حوالے کر دیا جائے۔" حمید بولا

"آپ کی مرضی..... خود ہی اندازہ ہو جائے گا۔" وہ اٹھتا ہوا بولا اور اسی میز کی طرف
جہاں سے آواز آئی تھی۔

"اب بتاؤ بیٹا..... یہ تم نے برف کے بھوتوں کی بات کیوں شروع کی تھی۔"

"بتا رہا تھا سالے کو.....!"

"ہو چکی سراغ رسانی۔"

"قیوں.....!"

"اگر اسی طرح بتاتے پھرے کہ تم سراغ رساں ہو تو کیسے کام چلے گا..... پیارے۔"
حمید نے نرم لہجہ رکھتے ہوئے کہا۔

"ابے ہاں یار..... لو..... میں کتنا اُلو کا پٹھا ہوں..... چچ چچ..... واکئی..... اچھا اب نہیں
تقلنے دوں گا جبان سے۔"

"اچھا اب بتاؤ کیا قصہ تھا۔"

"اَمے وہی موٹا..... ہم دونوں چندہ جمع کر رہے تھے۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرایا..... میں اُسے
دیکھ کر مسکرایا۔ بس جان پہچان ہو گئی۔ میں نے کہا چلو اب اچھا ہے خود اس سے اتہ پتہ پوچھ لیں
گے۔ کہنے لگا کاش میں بھی آپ ہی کی طرح لمبا ہوتا۔ میں نے کہا اب ہو جاؤ گے۔ فکر کی بات
نہیں..... اللہ تمہیں لمبا کرے گا انشاء اللہ۔ پھر بولا آپ کی طرف بے اختیار دل کھنچتا ہے.....
ہی ہی ہی..... بھلا میں قیا کہتا..... ہم ساتھ ہی ساتھ رہے اور پھر سڑک پر آ گئے۔ اس نے پوچھا
آپ کہاں رہتے ہیں۔ میں نے کہا ہوٹل میں۔ کہنے لگا ہوٹل کی رہائش بڑی واہیات ہوتی
ہے۔ میں نے قہا مکان کہاں ملتے ہیں۔ بولا چلو میرے ساتھ۔ شام کی چائے بھی پینا اور مکان
کا انتظام بھی میں قر دوں غا۔ میں نے دل میں قہا واہ..... یہ ہو رہی ہے جاسوسی..... پہلے ہی دن
اتنی زوردار جاسوسی۔"

وہ خاموش ہو کر دادطلب نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"تو مکان..... کہاں ملا۔" حمید نے پوچھا۔

"اَمے اسی کا ہے اور کہاں ملتا..... خوب ڈٹ کر چائے پی مٹھائیاں اڑائیں اور..... ہی
ہی ہی ہی اغئے حمید بھائی بس کیا بتاؤں..... ہی ہی ہی۔"

"کیوں..... اور کیا تھا۔"

"یلا..... یل..... یاں۔" وہ ایک ایک ٹکڑے پر زور دے کر بولا۔

"ہائیں..... پھر وہی۔" حمید نے آنکھیں نکالیں۔

''ارے..... توبہ۔'' قاسم نے کان پکڑ کر آنکھیں بند کرلیں اور گال پھلا کے
بولا۔ ''اَمے وہ میں نے خود تھوڑا ہی دیکھا تھا۔ آ گئی تھیں سامنے..... میں نے لاحول
پڑھی اور منہ پھیر لیا..... اور قیا۔''

''اس نے تم سے نوسو لے کر رسید دی ہے۔''

''ہاں یہ دیکھو۔'' اس نے جیب سے رسید نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔

حمید اُسے دیکھتا رہا پھر تہہ کر کے جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ ''فکر نہ کرو۔ ہم ہوٹل میں
رہیں گے۔''

''مگر آیا کریں گے کبھی کبھی..... کیوں۔'' قاسم چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ پتہ نہیں
طرح وہ مکان کے چکر میں پھنس گیا تھا ورنہ اس خیال کی مخالفت تو اس نے پہلے بھی کی تھی
رہنے کے لئے کوئی مکان تلاش کیا جائے۔ ہوسکتا ہے کہ اس مکان کی ''یلا یلیاں'' ہی اس
محرک ہوئی ہوں۔

انہوں نے رات کا کھانا بھی ڈائننگ ہال ہی میں کھایا۔ حمید اب بھی اس اجنبی کے
سوچ رہا تھا لیکن پھر اس نے اس کا تذکرہ نہیں چھیڑا..... ویسے وہ اس موٹے آدمی کے
بھی سوچ رہا تھا۔ کیا وہ بھی قاسم ہی کا بھائی بند ہوسکتا ہے۔ پھر اسے عوامی زچہ خانے والا
یاد آیا۔ حالانکہ قاسم نے تفصیل نہیں بتائی تھی۔ پھر بھی حمید کا اندازہ تھا کہ وہ کسی انجمن کے
میں جا پھنسا ہوگا اور انجمن ہی کے کسی خیراتی زچہ خانے کے لئے رضا کارانہ طور پر چندہ
کرنے والی مہم میں بھی شرکت کی ہوگی۔

''قیا سوچ رہے ہو پیارے۔'' قاسم نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''یہی کہ اگر تم مر گئے تو میں ولی عہد کسے بناؤں گا۔''

''اَمے تم خود مر جاؤ..... میں قہتا ہوں پیارے..... اور آپ کو سنے بیٹھ گئے..... لانت ہے

''ہوں..... ذرا یہ تو بتاؤ کہ اگر وہ نو ہزار لے ہی آیا.....!''

''لائے سالا! تم نے کہا تھا میں نے تو نہیں کہا تھا۔ میں جرور دیکھوں گا اُن بھوتوں کو

''جب تم نے اس موٹے آدمی سے مکان کے لئے گفتگو کی تھی کوئی اور بھی تھا وہاں۔''

''بتایا تو کہ دو یلا یلیاں تھیں..... فل فلوٹیاں تھیں۔''

''انہوں نے اس پر اعتراض کیا تھا۔''

''ارے اگر وہ اعتراض کر دیتیں تو میں کرایہ دیتا ہی قیوں۔''

''اچھا اگر..... اُن میں سے کوئی آئے اور کرایہ واپس کرے تو۔''

''واپس لے لوں غا۔'' قاسم نے بڑے خلوص سے کہا۔ ''نتھو حلوائی کو ایک بار کہتے سنا تھا
کہ جورو کے علاوہ اور ہر عورت کا کہنا ماننا چاہئے۔ ٹھیک ہی کہتا ہے۔ سالا..... قیوں!''

''ہوں.....!'' حمید کسی سوچ میں پڑ گیا۔

''نکل رہی ہے نا جاسوسی۔'' قاسم ہنسنے لگا۔ ''جرور نکلے گی۔ نہ نکلے گی تو تمہارا کھانا کیسے
ہضم ہوگا۔''

''ہشت! اب تم بھی جاسوس ہو۔ ایسی باتیں نہ کرو۔'' حمید نے کہا۔

''ارے ہاں..... مگر یار یہ خالی خولی جاسوسی۔'' قاسم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''نہ سگار..... نہ پائپ نہ سگریٹ۔''

''ضروری نہیں ہے۔'' حمید نے کہا۔ پھر چونک کر اس آدمی کی طرف مڑا جو اس کی پشت
پر رکا تھا اور مضحکانہ انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''فرمایئے.....!'' حمید نے نتھنے پھلائے۔

''اجازت ہو تو دو منٹ برباد کروں۔'' اس نے کہا۔

''تشریف رکھئے۔''

''فرہاد کی بات مذاق نہ سمجھئے۔'' اس نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''شیریں سے مشورہ کئے بغیر میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' حمید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

آنے والا ہنسنے لگا پھر بولا۔ ''اوہ شاید آپ..... ظاہر ہے آپ شاید باہر سے آئے ہیں۔
فرہاد سے مراد وہ آدمی ہے جو ابھی کچھ دیر پہلے آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔''

"وہ فرہاد..... لاحول ولاقوۃ..... میں تو انہیں قلوپطرہ کا کزن سمجھتا رہا تھا۔"

"وہ یہاں سے اٹھ کر میری ٹیبل پر گیا تھا۔ آپ غلطی پر ہیں۔ مکان حقیقتاً آسیب ہے۔ آپ اس خاندان کے لوگوں کو بھی مشکلات میں ڈالیں گے۔"

"اُمے جاؤ" قاسم نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ "چلے ہی آ رہے ہیں بھوتوں کے رشتے کون ہیں وہ سالے بھوت تمہارے..... تمہیں قیوں تکلیف ہو رہی ہے۔"

"خدا رحم کرے آپ لوگوں کے حال پر مجھے کیا" وہ اٹھتا ہوا بولا اور ایک طرف چلا گیا۔

وہ دونوں خاموش بیٹھے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھتے رہے۔ پھر حمید نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ نو ہزار ضرور لائے گا۔"

"اب تو نوے ہزار پر بھی نہیں مانوں گا..... ہاں۔" قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

غضب ناک چچا

عمارت بڑی اور شاندار تھی۔ کافی کشادہ پائیں باغ تھا۔ عمارت کے ایک حصے پر اب "کرایہ پر اٹھانے" والا بورڈ آویزاں تھا۔

ٹیکسی پائیں باغ میں داخل ہو کر رکی۔ حمید اور قاسم اترے۔ ٹیکسی کی ڈکے میں ان کا سامان بھرا ہوا تھا۔

پستہ قد موٹا آدمی برآمدے میں نظر آیا..... اس نے انہیں دیکھ کر پُرجوش انداز میں ہاتھ ہلایا تھا۔

پھر وہ برآمدے سے نیچے اترنے لگا اور ایسا ہی معلوم ہوا جیسے اب گرے گا اور لڑھکتا سیدھا انہیں کی طرف چلا آئے گا۔

وہ آگے بڑھے..... سب سے پہلے اُس نے قاسم کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"اوہ..... آیئے آیئے۔ خوش آمدید۔ میں آپ کے لئے بہت بے چین تھا۔" اس نے قاسم سے کہا۔ "رات بھر آپ کو خواب میں دیکھتا رہا۔"

"ہی..... ہی..... ہی..... ہی جی ہاں..... بلقل یہی حال میرا بھی تھا۔ جی ہاں۔"

"آپ کی تعریف.....!" موٹا حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ..... یہ..... حمید بھائی ہیں..... جی ہاں..... صرف حمید بھائی ہیں۔"

"مجھے ساجد حمید کہتے ہیں۔" حمید جلدی سے بول پڑا۔ "ہم دونوں گہرے دوست ہیں۔"

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔" اس نے حمید سے ہاتھ ملاتے وقت دانت نکال دیئے اور پھر مڑ کر غالباً ملازموں کو آوازیں دینے لگا۔

"چلئے آپ لوگ تشریف لے چلئے۔ سامان اترتا رہے گا۔ پہلے ادھر آیئے..... کچھ دیر میرے ساتھ بھی بیٹھئے۔ مجھے تعلیم یافتہ آدمیوں سے مل کر بڑی خوشی ہوتی ہے۔"

حمید اور قاسم اس کے ساتھ برآمدے کی جانب بڑھے اور دو ملازم اُسی طرف سے آ رہے تھے۔ موٹے نے انہیں سامان کے متعلق ہدایت دی۔

"اوہ..... ٹیکسی کا کرایہ تو ادا ہی نہیں کیا۔" حمید چونک کر بولا۔

"پرواہ نہ کیجئے۔ ادا کر دیا جائے گا۔" موٹے نے کہا۔

لیکن حمید پھر پلٹ کر ٹیکسی کی طرف آیا اور کرایہ ادا کر کے ملازموں کو ڈکے سے سامان نکالتے دیکھتا رہا۔ پھر وہ دونوں بھی وہیں واپس آ گئے۔ موٹا قاسم سے کہہ رہا تھا۔ "میں نے اکثر اپنے لئے جو خواب دیکھے ہیں آپ ان پر بالکل پورے اترتے ہیں۔ میں آپ میں مکمل ترین تفضل حسین دیکھ رہا ہوں۔"

"اجی! میں قس لائک ہوں۔" قاسم نے شرمیلی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "مم..... مگر..... تفضل حسین۔"

"ٹی..... حسین..... یعنی کہ تفضل حسین۔ میرا نام تفضل حسین ہے۔ کیا میں نے ابھی تک آپ کو نہیں بتایا" موٹے نے کہا۔

قاسم آہستہ سے کچھ بڑبڑایا تھا اور پھر موٹا حمید سے بولا۔ ''اوہ..... بے فکر رہیے۔ ہ
ملازمین پر اعتماد کیجئے۔ سامان احتیاط سے آپ کے کمروں میں پہنچا دیں گے۔''

''اوہ.....!'' حمید چونک کر بولا۔ ''ٹھیک ہے..... چلئے۔''

وہ برآمدے سے گذر کر ایک بڑے کمرے میں داخل ہوئے جو کافی سلیقے سے سجا
تھا۔ دیواروں پر کئی درندوں کی کھالیں ان کے سروں سمیت نظر آ رہی تھیں۔

حمید پہلے اُسے ڈرائنگ روم سمجھا تھا۔ لیکن پھر اندازہ ہوا کہ وہ تو ایک اچھا خاصا اسلحہ
ہے۔ قدیم و جدید قسم کے متعدد آلات حرب دیواروں سے لگے ہوئے شوکیسوں میں موجود

''میں اپنا زیادہ وقت اسی کمرے میں گذارتا ہوں۔'' موٹے نے کہا۔

''یہ ریچھ ہے شائد۔'' قاسم جو ریچھ کے سر کو بڑے انہماک سے دیکھ رہا تھا بولا۔

''جی ہاں..... میں نے اسے زندہ پکڑا تھا۔'' موٹے نے کہا۔ ''تشریف رکھئے نا
چائے پئیں گے یا کافی۔''

''شکریہ! ہم ناشتہ کر چکے ہیں۔'' حمید نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
آپ کا ذخیرہ بڑا شاندار ہے۔

''ارے اب کیا ہے۔ بہتیری چیزیں تو چوری ہو گئیں۔ مثال کے طور پر ایک اژدہا
کا وزن ستائیس من تھا۔ وہ بھی زندہ پکڑا تھا۔''

''جرور پکڑا ہوگا۔'' قاسم سر ہلا کر بولا۔ ''میں بھی بہت سی چیزیں زندہ پکڑ چکا ہوں۔''

''مثال کے طور پر.....!'' موٹے نے سوال کیا۔

''بب..... بب.....!'' قاسم کچھ سوچتا ہوا ہکلایا۔ ''بجو! بجو۔''

''بہت مشکل ہے اُسے پکڑنا۔ تیز ہوتا ہے۔ آپ اس کے پیچھے کیسے دوڑے ہوں گے''

''خود ہی دوڑ کر پاس آیا تھا۔ بس پکڑ کر بیٹا کی گردن مروڑ دی۔''

''خوب.....!'' موٹے نے اُسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا
وزن تھا۔''

''ساڑھے ستائیس من۔''

''میں نے غلط نہیں کہا تھا کہ میں آپ میں مکمل ترین تفضل حسین دیکھ رہا ہوں۔ مگر میں
نے اتنا ہلکا بجو آج تک نہیں پکڑا۔ میں نے جو پکڑا تھا اس کا وزن اٹھائیس سے بھی زیادہ تھا۔''

''تب میں چالیس من والا پکڑنے کی کوشش کروں گا۔'' قاسم نے اکڑ کر کہا۔

حمید موٹے کے متعلق سوچنے لگا کہ وہ انہیں گھس رہا ہے یا حقیقتاً قاسم سے بھی گیا گذرا ہے۔
دفعتاً اس نے پوچھا۔ ''فرہاد صاحب کہاں ہیں۔''

''فرہاد صاحب؟ کون فرہاد صاحب؟''

''آپ کے بھتیجے۔''

''شائد آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس نام کا کوئی بھتیجا نہیں ہے۔'' اس نے کہا اور پھر
قاسم کی طرف مڑ گیا۔

''یہ بلی تو بہت مشکل سے ہاتھ آئی ہوگی۔'' حمید نے شیر کی کھال کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''بلی..... ارے نہیں صاحب۔ یہ شیر ہے۔''

''لاحول ولاقوۃ..... یہی شیر ہے۔''

''جی ہاں۔'' اس نے حمید کو گھورتے ہوئے کہا۔

''میں بلی کا انلارجمنٹ سمجھا تھا۔''

اس نے حمید کو عجیب نظروں سے دیکھ کر کہا۔ ''ایک بات میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں۔''

''ضرور پوچھئے۔''

''آپ نواب برجیس قدر کے بھانجے تو نہیں ہیں۔''

''اتفاق سے وہ خود ہی میرے بھانجے ہیں۔'' حمید نے جواب دیا۔

''تب پھر مجھے غلط یاد ہوگا۔ بہرحال انہوں نے اپنے بھانجے یا ماموں کا ایک واقعہ بتایا
تھا جو بلی کے دھوکے میں کسی شیر کو چھ ماہ تک دودھ پلاتے رہے تھے۔''

''انہیں سے یہ حماقت سرزد ہوئی ہوگی۔ میں تو بہت عقلمند آدمی ہوں۔''

"جی ہاں..... جی ہاں۔" اس نے حمید کو اس انداز میں دیکھتے ہوئے کہا جیسے
باور کرنے کی کوشش کر رہا ہو کہ حقیقتاً وہ بہت عقلمند آدمی ہے۔ پھر یک بیک چونک کر بولا
بے حد خوش نصیب ہوں کہ اس طرح آپ لوگوں سے ملاقات ہوگئی۔ آپ کو دنیا کی بڑی
اسکیموں سے بھی دلچسپی ہے یا نہیں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"مطلب یہ کہ چاند کا سفر..... یا خلائی اسٹیشن کا قیام۔"

"ارے واہ..... ارے واہ۔" قاسم جلدی سے بول پڑا۔ "جی ہاں! میری خالا جان
اسٹیشن بنوا رہی ہیں۔"

"خالا جان.....!" موٹے نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

"اُوہ..... ارے واہ۔" حمید ہنس پڑا اور قاسم سے بولا۔ "تمہاری خالا جان جو اسٹیشن
رہی ہیں۔"

پھر موٹے کی طرف مڑا۔ "ان کی خالا کا بسوں کا بزنس ہے۔ مسافروں کی آسانی
لئے انہوں نے اپنی کمپنی کے خرچ سے دارالحکومت میں کئی مسافر خانے بنوائے ہیں۔"

"اچھا اچھا بڑا نیک کام ہے۔ نیک کام ضرور کرنے چاہئیں۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا
ہمیں ان بڑی اسکیموں میں ضرور دلچسپی لینی چاہئے..... کیا خیال ہے آپ کا۔"

"وہی جو آپ کا ہے۔"

"ونڈرفل! یہاں بھی ہم خیالی موجود ہے۔" اس نے حمید کیطرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے
حمید نے بھی طوعاً و کرہاً ہاتھ بڑھایا..... شائد موٹا بات بات پر ہاتھ ملانے کا عادی تھا
حمید کو ایسے آدمیوں سے بڑی چڑھ تھی جو لغو سے لغو بات کہہ کر بھی اس طرح
بڑھاتے ہیں جیسے بڑا تیر مارا ہو۔ اب آپ بھی ہاتھ پر ہاتھ نہ ماریئے تو مغرور اور بد
کہلائیے۔ ویسے موٹا ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آسکا تھا۔

یک بیک عمارت کے کسی گوشے سے گانے کی سی آواز آئی۔ غالباً کوئی خوش گلو

لہک لہک کر اشعار پڑھ رہا تھا۔

موٹے نے کان کھڑے کئے..... سنتا رہا اور پھر اسکے چہرے پر غصے کے آثار نظر آئے۔

"ذرا ٹھہریئے گا۔" وہ اٹھتا ہوا غصیلی آواز میں بولا اور تھلتھلاتا ہوا باہر چلا گیا۔

"پکا جھوٹا ہے سالا۔" قاسم نے آہستہ سے کہا۔ "سائیں من کا اژدھا پکڑا تھا بیٹا نے۔"

حمید کچھ نہ بولا اور قاسم نے ہنسی روکتے ہوئے کہا۔ "قیا یاد قرے گا..... میں نے ساڑھے
سائیں من کا بجو پکڑ مارا۔"

"بجو دیکھا ہے کبھی۔"

"دیکھ کر نہیں پکڑا تھا۔" قاسم نے شریری مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"بلی سے بھی چھوٹا ہوتا ہے۔"

"اَبے تو پھر میں نے پہاڑی بجو پکڑا ہوگا۔ وہ سالا کیوں ہانک رہا تھا۔ میں نے بھی
ہانک دی۔"

دفعتاً برآمدے سے کسی کے چنگھاڑنے کی آواز آئی۔ "میں کہہ چکا ہوں کہ میری چھت
کے نیچے شاعری واعری نہیں ہوگی۔ تم کتنے بے حیا ہو۔"

"آپ سنئے بھی تو سہی۔" کسی نے مری مری سی آواز میں کہا۔

"نہیں سنوں گا۔ ابھی چلے جاؤ..... فوراً چلے جاؤ۔"

"سنئے تو..... میں نے شاعری ترک کردی ہے۔" دوسری آواز۔

"تو کیا یہ ابھی میرا فاتحہ پڑھا جا رہا تھا۔"

"آنٹی نے فرمائش کی تھی۔"

"اب آنٹا کہتا ہے کہ بکواس بند کرو اور بالکل چلے جاؤ۔"

"کیا کر رہے ہیں آپ۔" ایک تیز قسم کی نسوانی آواز آئی۔

"دخل مت دو..... ہائیں..... تم ابھی تک گئے نہیں۔"

"جا رہا ہوں۔" اس بار دوسری آواز بھی غصیلی تھی۔ پھر قدموں کی آواز سنائی دی۔ حمید

تیزی سے دروازے پر آیا۔

"اوہ.....تو یہ حضرت ہیں۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ فرہاد برآمدے کے زینوں سے اُتر رہا تھا۔ نیچے اُتر کر وہ ایک بار پھر مڑا لیکن ساتھ ہی للکار سنائی دی۔ "ہائیں... دوڑتے ہوئے چلے جاؤ۔ بس دفع ہی ہو جاؤ اس وقت ورنہ۔"

فرہاد تیزی سے پھاٹک کی طرف چلا گیا۔

"آپ حد سے بڑھ جاتے ہیں۔" نسوانی آواز۔

حمید اس کی شکل نہ دیکھ سکا۔ وہ شائد کسی دروازے میں تھی۔ موٹا اب بھی برآمدے کے وسط میں کھڑا فرہاد کو گھورے جا رہا تھا۔ جب وہ پھاٹک سے گذر گیا تو موٹے نے کہا۔ "بیہودہ کہیں کا۔ مجھے چڑاتا ہے۔"

"میں نے فرمائش کی تھی۔" نسوانی آواز۔

"تو پھر آپ بھی چڑاتی ہیں۔" موٹا دہاڑا۔

نسوانی آواز اس بار بھی سنائی دی تھی۔ لیکن الفاظ سمجھ میں نہیں آسکے تھے۔ موٹا اسی جانب بڑھا اور حمید پیچھے ہٹتے وقت قاسم سے ٹکرایا تھا۔

"دخ کر پیارے۔" قاسم بڑبڑایا۔

"دیکھا آپ نے۔" موٹا کمرے میں داخل ہوتا ہوا غصیلے لہجے میں بولا۔ "دنیا راکٹ پھینک رہی ہے۔ مصنوعی سیارے خلا میں چکرا رہے ہیں اور صاحب زادے سے بلبل کے پر باندھنے پر اُدھار کھائے بیٹھے ہیں۔"

وہ کچھ نہ بولے۔ موٹا کہتا رہا۔ "پر تو کیا باندھیں گے خود اُلو ہو کر رہ گئے ہیں۔ خدا اس سائنسی عہد میں بھی ہم شاعروں کے علاوہ اور کچھ نہیں پیدا کر رہے۔ آپ کا کیا خیال ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ نے زیادتی کی۔" حمید بولا۔

"اوہ.....تو کیا آپ بھی۔" موٹے نے آنکھیں نکالیں۔

"جی نہیں! ہم میں سے کوئی بھی شاعر نہیں ہے۔ لیکن ہم شاعروں سے کبھی بُرا نہیں

کرتے۔ وہ قابل رحم ہیں۔"

"آپ ہی جیسے لوگوں نے ان کی تعداد بڑھائی ہے۔ معاف کیجئے گا۔ یہاں اس نقطے پر ہم مختلف الخیال ہو گئے۔ کیا خیال ہے آپ کا۔"

"مجھے آپ سے پورا پورا اتفاق ہے۔"

"کیا بات ہوئی۔"

"تو آپ کے یہ بھتیجے آپ کے ساتھ نہیں رہتے۔"

"خدا کا شکر ہے کہ نہیں رہتا ورنہ میں کبھی کا قبر میں پہنچ گیا ہوتا۔ خدا کی پناہ یہ بھی کوئی بات ہوئی.....وہ کیا شعر تھا..... پتہ نہیں کیا تھا۔ بہرحال مضمون یہ ہے۔"

"ہاں دیکھئے.....!" حمید جلدی سے بولا۔ "اس مکان کی کرایہ داری کے ساتھ کچھ اور بھی شرائط تو نہیں ہیں۔"

"اس کی بات پھر کریں گے۔ پہلے آپ وہ شعر سن لیجئے۔" موٹے نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"سنائیے صاحب۔" حمید مردہ سی آواز میں بولا۔ "حالانکہ ابھی آپ اسی حرکت کی بناء پر اپنے بھتیجے کا چالان کر چکے ہیں۔"

"لاحول ولا قوۃ.....!" اس نے ہنس کر کہا۔ "شاید میں بھی سنک گیا تھا۔ مگر میں آپ کے سوال کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"نہیں صاحب آپ سنائیے شعر۔" قاسم سنک گیا۔ "بکنے دیجئے انہیں۔ میں کل سے آپ کا ہم کھیال ہوں یہ تو ابھی آئے ہیں۔"

موٹا ہنسنے لگا۔ حمید بھی مسکرا دیا پھر بولا۔ "مطلب یہ تھا کہ ہم پر کسی قسم کی پابندیاں تو نہ ہوں گی۔"

"صرف اتنی کہ آپ آوارہ عورتوں کو یہاں نہ لا سکیں گے جن کی رام گڈھ میں بہتات ہے۔"

"ارے توبہ توبہ۔" قاسم منہ پیٹنے لگا۔ "یہ آپ قیا پھر مار رہے ہیں۔ لاحول بلا قوت۔"

"ایسی کوئی بات نہ ہوگی۔" حمید نے کہا۔

"بس پھر گھر آپ کا ہے۔ جب تک جی چاہے رہیے۔"

"یہ آپ کے بھتیجے کہاں رہتے ہیں۔"

"ٹھینگے پر رہتے ہیں۔" قاسم جھلا گیا۔ "تم خواہ مخواہ مغز کیوں چاٹنے لگے۔"

غالباً اس کی ذہنی رو بہکنے لگی تھی۔ حمید نے اُسے گھور کر دیکھا اور وہ دوسری طرف دیکھ
موٹا ہنس کر بولا۔ "ہم دونوں کس قدر ہم خیال ہیں۔ مجھے بھی اس کا تذکرہ پسند نہ

"ارے اور کیا۔" قاسم حمید کی طرف دیکھے بغیر بڑبڑایا۔ "کھال کی بال نہیں بال کی
کھینچ کر بھس بھریں گے۔"

حمید کو خاموشی ہی میں عافیت نظر آئی کیونکہ قاسم بہکنے لگا تھا۔

"مگر میں آپ کو اس کے متعلق ضرور بتاؤں گا۔" موٹے نے کہا۔ "ہر ایک کو بتا
ہوں وہ ایک انتہائی نالائق آدمی ہے۔ ناکارہ..... ویسے آج کل کہہ رہا ہے کہ میں نے ٹھیک
شروع کر دی ہے۔ سڑکیں بنواتا ہوں۔ مطلب یہ کہ مجھے باور کرانا چاہتا ہے کہ اب وہ
آدمی بن چکا ہے۔ شاعری ترک کر کے ٹھیکیداری شروع کر دی ہے۔ کیا خیال ہے آپ کا۔"

"وہی جو آپ کا ہے۔"

"ہے نا۔" موٹے نے خوش ہو کر کہا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ اب بھی پرلے سرے کا گدھا

"مگر آپ کو یہ کیوں باور کرانا چاہتا ہے کہ اب وہ کام کا آدمی بن گیا ہے۔"

"اوہ..... نہیں سمجھے۔ مقصد یہ کہ یہاں گھسا رہ سکے۔"

"شاید آپ کو یہاں اس کی آمد و رفت پسند نہیں ہے۔"

"ٹھیک سمجھے! میں نہیں پسند کرتا کہ وہ یہاں آئے۔"

حمید نے وجہ نہیں پوچھی۔ فی الحال زیادہ پوچھ گچھ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے فرا
متعلق پچھلی رات والی ملاقات کا تذکرہ بھی نہیں کیا۔ ویسے اسے ڈر تھا کہ کہیں قاسم ہی نہ
کر دے۔ لیکن پتہ نہیں کیوں وہ بھی اس مسئلے پر خاموش تھا۔

یک بیک قریب ہی کہیں کوئی بھاری آواز والا کتا شور مچانے لگا اور ساتھ ہی آوا

آنے لگیں جیسے کوئی کسی کو پیٹ رہا ہو۔

"ہائے آ گئی شامت بیچارے کی۔" موٹا کراہ کر اٹھا۔

"کیوں کیا بات ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"ارے بیگم صاحب کو جب بھی مجھ پر غصہ آتا ہے اسی بیچارے کی شامت آ جاتی ہے۔"

"کتا بلڈ ہاؤنڈ معلوم ہوتا ہے۔"

"کمال ہے۔" موٹے نے حیرت سے کہا۔ "آپ کو کیسے معلوم ہوا۔"

"میں کتوں کی آوازوں سے ان کی نسل کا اندازہ کر لیتا ہوں۔"

"واہ بڑی غضب کی صلاحیت ہے۔ ٹھہریئے میں واپس آ کر مزید تعریف کروں گا۔"

وہ دروازے سے نکل گیا۔

"یہ بیگم صاحب بھی گجب کی معلوم ہوتی ہیں۔" قاسم نے کہا اور بھاڑ سا منہ پھیلا کر
جماہی لی۔

"قاسم تم اپنی زبان بند ہی رکھو تو بہتر ہے۔" حمید نے نرم لہجے میں کہا۔ "ورنہ جاسوسی نہ
کر سکو گے۔"

"اُے جاؤ..... مجھے کرنے ہی کب دیتے ہو۔ خود ہی کئے جا رہے ہو۔ ٹھینگے پر ہو مجھے کیا
پڑی ہے کہ اپنا مغز خراب کروں۔"

پھر یک بیک تین آوازیں سنائی دینے لگیں۔ کتا تو پہلے ہی سے چیخ رہا تھا موٹے کی
آواز کے ساتھ ہی ایک تیز قسم کی نسوانی آواز بھی اس صوتی ہیجان میں حصہ لے رہی تھی۔

کتے کی موت

قاسم متحیرانہ انداز میں حمید کی طرف دیکھتا رہا۔ شور بڑھتا ہی گیا۔ آخر اس نے منہ چلا کر

ہونٹوں پر زبان پھیری اور بولا۔ ''اَے واکئی بھوت ہی معلوم ہوتے ہیں۔''

''اُو مسٹر..... اُو..... جناب..... اُو بھائی صاحب۔'' موٹے کی آواز قریب ہوتی
وہ دروازے میں داخل ہوتے وقت گرتے گرتے بچا۔ لیکن شائد اُسے اس کی بھی پروا نہ
کہ اگر منہ کے بل گر گیا تو کیا حشر ہوگا۔ بدحواسی کے عالم میں وہ ہاتھ پھیلا کر بولا
چلئے..... دیکھئے تو ٹائیگر کو کیا ہوا..... خدا کے لئے..... ارے پتہ نہیں کیا ہوگیا ہے۔''

حمید نے غور کیا تو اب کتے کی آواز بھی نہ سنائی دی۔

''چلئے.....!'' حمید اٹھتا ہوا بولا۔

وہ انہیں کمپاؤنڈ کے گوشے میں لایا۔ جہاں ایک دم توڑتا ہوا کتا زمین پر پڑا بار بار
پھیلا رہا تھا۔ منہ خون آلود تھا اور قریب ہی زمین پر بھی خون پھیلا ہوا نظر آیا۔

''ارے..... یہ تو ختم ہو رہا ہے۔'' حمید نے نیچے جھک کر دیکھتے ہوئے کہا۔

خون میں لختے بھی شامل تھے۔

''ہائیں..... ختم ہو رہا ہے۔ ارے ظالم نے پتہ نہیں کہاں مار دیا۔'' موٹا رودینے
آواز میں بولا۔

کتا قد آور اور کافی تندرست تھا۔ یک بیک حمید نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں
یہ خون..... کسی خارجی ضرب کا نتیجہ تو نہیں ہوسکتا۔ اس نے سوچا۔ اسے یقینی طور پر زہر دیا
ہے۔ لیکن اس نے اپنا خیال ظاہر نہیں کیا۔

اتنی دیر میں کتا دم توڑ چکا تھا۔

''اہ۔ہ۔سوس۔'' قاسم پھنسی پھنسی آواز میں بولا۔

موٹا اس طرح نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے کھڑا تھا جیسے آنسو پینے کی کوشش کر رہا
میں جھلکی پڑ رہی تھیں اور بھنویں تن رہی تھیں۔

دفعتاً وہ خاموشی سے مڑا اور عمارت کی طرف روانہ ہوگیا۔ وہ وہیں کھڑے اُسے
دیکھتے رہے۔

''اَے..... قِسں چکر میں پڑ گئے۔'' قاسم بڑبڑایا۔

حمید کچھ نہ بولا اور پھر کتے کی طرف متوجہ ہوگیا۔ قاسم اُسے بھی حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

''کیا پاگل ہوگئے ہو حمید بھائی۔'' اس نے کہا۔

''کیوں کیا ہوا.....؟''

''ارے اس سالے میں اتنی دلچسپی لے رہے ہو۔'' وہ کتے کی طرف اشارہ کر کے بولا۔
''جیسے تمہارا کوئی رشتے دار ہو۔ چلو بڑھو یہاں سے۔ اَے کھسکو بھی۔ میرا جی گھبرا رہا ہے۔''

اس نے اسے وہاں سے دھکیل لے جانے کی کوشش کی۔

اچانک عمارت کی طرف سے پھر اُسی قسم کا شور اُبھرا جیسا وہ کچھ دیر پہلے سن چکے تھے۔
لیکن اس بار اُس میں کتے کی آواز شامل نہیں تھی۔

''اَے میں تو یہاں نہیں رہوں گا۔ ٹھینگے پر ہے سالا مکان وکان! گھر پر اپنی بیگم صاحب
کو دیکھ دیکھ کر جلو..... اور باہر دوسرے کی بیگم صاحب۔ مقدر ہی خراب ہے میرا۔ اے اللہ میاں
اب تو اٹھا ہی لیتے۔''

''کیا بکواس کر رہے ہو۔'' حمید نے کہا۔ ''تم جاسوس ہو۔''

''اَے تو یہاں قون سی جاسوسی دھری ہوئی ہے۔'' قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

''آہستہ بولو..... یہاں جاسوسی کے لئے خاصا مواد موجود ہے۔''

''مواد کیا خون بھی موجود ہے۔ پھوڑا پھنسی سبھی کچھ موجود ہو جائے گا..... میں قہتا ہوں
پاگل ہو جاؤ گے تم۔ جہاں کچھ نہ ہو وہاں بھی جاسوسی کھودنے بیٹھ جاتے ہو۔''

''یہ تو سوچو وہ عورت کتنی تگڑی ہوگی جس نے اس جغادری کتے کو اس طرح مار ڈالا۔''

''تگڑی۔'' قاسم ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔ ''ہاں یار تگڑی تو جرور ہوگی۔ اَے قہیں
وہی نہ ہو۔''

''کون.....؟''

''کل دو تھیں..... ایک بالکل باریک مہین اور میاؤں میاؤں کرنے والی۔ دوسری لمبی تڑنگی

کڑکدار آواز والی۔ اب پتہ نہیں اُن میں سے قون تھی بیگم.....!"

"دونوں بوڑھی تھیں۔" حمید نے پوچھا۔

"اُمے جاؤ..... بوڑھی ہوتیں تو تم آتے یہاں۔ اب اتنا اُلو نہ سمجھو مجھے۔"

"میں پوچھ رہا ہوں تم سے۔"

"ایسی فجول بات مت پوچھو۔"

شور اب بھی سنائی دے رہا تھا۔ حمید نے عمارت کی طرف قدم بڑھائے۔

ٹھیک اسی وقت ایک عورت اندر سے نکلی۔ برآمدے کی سیڑھیوں تک دوڑتی چلی آئی۔

بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی نے اُسے دوڑایا ہو..... لیکن اس کے پیچھے اور کوئی نظر نہ آیا۔ شور اب بھی جاری تھا۔ حمید نے تیزی سے قدم بڑھائے۔

وہ سیڑھیوں ہی پر ٹھٹک گئی تھی۔ قریب پہنچ کر حمید کے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ یہ ایک دُبلی پتلی اور بے حد حسین لڑکی تھی۔ عمر اٹھارہ انیس سال سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ خوابناک سی بڑی بڑی آنکھیں تھیں، جو غالباً خوف ہی کی وجہ سے کسی قدر وحشت زدہ نظر آ رہی تھیں۔

"میں نیا کرایہ دار ہوں محترمہ۔" حمید احتراماً جھکا۔

"اُوہ.....!" وہ چونک پڑی۔ "کچھ کیجئے خدا کے لئے کچھ کیجئے۔"

"فرمایئے۔"

"ڈیڈی..... آیئے.....!" وہ مضطربانہ انداز میں دروازے کی طرف مڑی۔

حمید نے جیسے ہی دروازے میں قدم رکھا آوازیں صاف سنائی دینے لگیں۔ غالباً موٹا چیخ رہا تھا۔ "مار ڈالو..... مجھے بھی مار ڈالو..... مار ڈالو۔"

نسوانی آواز کے متعلق اندازہ کرنا اب بھی مشکل تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔

مگر وہ منظر بڑا مضحکہ خیز تھا۔ موٹا زمین پر لوٹیں لگاتا ہوا چیخ رہا تھا اور ایک لحیم شحیم عورت قریب ہی کھڑی چنگھاڑ رہی تھی۔ حمید کو دیکھ کر وہ یک بیک خاموش ہو گئی لیکن موٹا اسی طرح لوٹیں لگاتا ہوا چیختا رہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی قسم کا دورہ پڑ گیا ہو۔ اس کی آنکھیں بھی بند تھیں۔

"آپ نے اندر آنے کی جرأت کیسے کی۔" وہ یک بیک دہاڑی۔

"میں خود سے نہیں آیا محترمہ۔" حمید نے لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا۔ "آپ لائی ہیں۔"

موٹے نے خاموش ہو کر آنکھیں کھول دیں اور چپ پڑا پلکیں جھپکاتا رہا۔

"تم لائی ہو۔" عورت لڑکی کو قہر آلود نظروں سے دیکھتی ہوئی غرائی۔

"ہاں..... میں لائی ہوں۔" لڑکی بھی حلق پھاڑ کر چلائی۔

"ارے شامت آئی ہے چھپکلی اپنا لہجہ ٹھیک کر۔" عورت پھر غرائی۔

"آج تم مجھے بھی مار ڈالو" لڑکی اسی انداز میں چیخی۔

پھر ایسا معلوم ہونے لگا جیسے عورت کو بھی سکتہ ہو گیا ہو۔ وہ چند لمحے خاموش کھڑی رہی اور پھر تیزی سے ایک دروازے میں مڑ گئی۔

"اٹھایئے..... خدا کے لئے ڈیڈی کو اٹھایئے۔" لڑکی گڑگڑائی۔

"شاید میں ناکام رہوں۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ "ٹھہریئے..... میں اپنے ساتھی کو بلاتا ہوں۔"

وہ باہر آیا۔ قاسم کمپاؤنڈ کے وسط میں کھڑا صدر دروازے کی طرف ایک ٹک دیکھے جا رہا تھا۔ حمید نے اشارے سے اُسے بلایا۔ لیکن اُس نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔

آخر اُسے خود ہی اُس کے پاس پہنچنا پڑا۔ قاسم یک بیک آنکھیں نکال کر بولا۔

"ہاں ہاں..... گھس جاؤ..... قرو اندر جا کر جاسوسی۔ سالے میں پہلے ہی جانتا تھا۔"

"ارے اب تمہیں کیا ہو گیا۔ میں تمہیں بلانے آیا ہوں۔"

"نہیں کھدا ہی مجے کرو۔" قاسم نے بُرا سا منہ بنا کر خشک لہجے میں کہا۔

بدقت تمام وہ اس روٹھے ہوئے ہاتھی کو منا سکا ورنہ امید نہیں تھی کہ اُن "فیل مغزوں" سے جلد ہی نجات مل سکتی۔

اندر آ کر قاسم بھی بوکھلا گیا کیونکہ موٹا اب بھی چت ہی پڑا ہوا تھا اور اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔

"ارے..... یہ کیا ہوا انہیں۔" اُس نے کہا۔

"ٹھیک ہیں..... ٹھیک ہیں۔" لڑکی بولی۔ "آپ براہِ کرم انہیں اٹھائیے۔ یہ خود نہ اٹھ سکیں گے۔ ملازم نہ جانے کہاں چلے گئے۔"

قاسم نے اسے اٹھایا اور وہ کسی بت ہی کی طرح اکڑا ہوا اٹھتا چلا آیا۔ لیکن ہوش ہی میں تھا۔

"مجھے وہیں لے چلئے..... وہیں۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

پتہ نہیں اس "وہیں" سے مراد وہ کمرہ تھا جہاں وہ کچھ دیر قبل بیٹھے رہے تھے یا وہ جہاں کتے کی لاش پڑی تھی۔

بہر حال وہ اُسے سہارا دے کر برآمدے تک لائے اور وہ اسلحہ جات والے کمرے کی طرف مڑ گیا۔

کچھ دیر بعد ایک آرام کرسی میں ڈھیر ہو کر گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ حمید اور قاسم خاموش تھے۔

حمید اس لحیم شحیم عورت کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اُس کی عمر تیس سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ اگر وہی موٹے کی بیگم تھی تو کم از کم اس لڑکی کی ماں تو ہرگز نہیں ہو سکتی جو اپنے ڈیڈی کی مدد کے لئے اسے اندر لے گئی تھی۔ پھر؟ وہ دوسری ہی بیوی ہو سکتی تھی۔

اُس نے موٹے کی طرف دیکھا جو اب بھی آنکھیں بند کئے پڑا تھا۔

"مجھے بے حد افسوس ہے کہ اتنا اچھا کتا مر گیا۔" اس نے کہا۔

موٹے نے آنکھیں کھول دیں اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "میں تو مر ہی جانا چاہتا ہوں۔"

"کب سے تھا آپ کے پاس۔"

"پچھلے ماہ خریدا تھا۔ رکھوالی کا کتا تھا۔ دن بھر بندھا رہتا تھا اور رات کو کھول دیا جاتا تھا۔ اوہ..... اس عورت کو بھی مجھ پر غصہ آتا تھا اسی بیچارے پر اتار دیتی تھی۔ میرے خدا میرے خدا..... میں کیا کروں۔"

"چچ..... چچ.....!" قاسم نے ٹھنڈی سانس لی۔

"خدا کے غضب سے نہیں ڈرتی۔" موٹا کراہا۔ "ہائے خون کی قے کر کے مرا ہے..... ہائے۔"

"ڈنڈے سے مارا تھا۔" قاسم نے پوچھا۔

"جی ہاں..... ارے مجھے ہی مار ڈالتی اگر مجھ پر غصہ آیا تھا۔ ہائے وہ بے زبان۔"

پھر وہ قدموں کی آہٹ پر چونک پڑے اور دوسرے ہی لمحے میں موٹے کی بیگم داخل ہوئی۔

"اگر وہ ایسے نہ مرتا تو میں کسی دن اُسے زہر دے دیتی۔" اس نے تیز لہجے میں کہا۔ قاسم بوکھلا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

حمید کو بھی اٹھنا ہی پڑا۔ لیکن موٹا بدستور پڑا رہا اور اس نے آنکھیں بھی بند کر لیں۔

"تشریف رکھئے۔" عورت گرجی۔ "مجھے کتوں سے نفرت ہے۔ اپنے گھر میں اس قسم کی گندگی برداشت نہیں کر سکتی۔"

"جی ہاں..... جی ہاں۔" قاسم سر ہلا کر بولا۔

"جی.....!" موٹا اس کی طرف دیکھ کر غرایا اور قاسم بوکھلا کر بولا۔ "جی نہیں..... جی نہیں۔ مم..... مطلب یہ کہ جی ہاں۔"

"ہم نئے کرایہ دار ہیں محترمہ۔" حمید نے بڑے ادب سے کہا۔

"مجھے افسوس ہے کہ آپ کو بھی تکلیف اٹھانی پڑی۔" عورت کا لہجہ غیر متوقع طور پر نرم تھا۔ "ایک ذرا سا گھریلو جھگڑا اتنا بڑھ گیا۔"

"ارے یہ ذرا سا جھگڑا تھا۔" موٹا چیخا۔ "پہلے میرے کانوں میں شاعری کی منحوس آواز پڑی اور پھر میرا کتا مار ڈالا گیا۔ غضب خدا کا۔"

"اگر کوئی دوسرا آیا تو وہ بھی مار ڈالا جائے گا۔" عورت نے اس کی طرف دیکھے بغیر سنجیدگی سے کہا۔

"میں اپنا گلا گھونٹ لوں گا۔" موٹا دہاڑا۔

عورت نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور باہر نکل گئی۔ پھر برآمدے میں دور تک ٹہلتی چلی گئی لیکن اس طرح کہ حمید کا سامنا ہی رہے۔ وہاں رک کر اس نے حمید کو اشارے سے

بلایا۔ قاسم نے آنکھیں نکالیں اور حمید اٹھتا ہوا موٹے سے بولا۔ ''میں ابھی حاضر ہوا۔''

موٹے نے پھر آنکھیں بند کر لی تھیں، جو بند ہی رہیں۔

قاسم نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔ وہ اس وقت بڑا مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔

جیسے ہی حمید باہر نکلا وہ اُسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کر کے دوسری طرف مڑ گئی۔ اس کے پیچھے چلتا رہا۔

وہ اُسے ایک کمرے میں لائی۔

''تشریف رکھئے۔'' اس کے چہرے پر ایسی دلآویز مسکراہٹ تھی جیسے اس نے اب تک سارا وقت بڑے خوشگوار ماحول میں گذارا ہو۔

پھر اُس نے کسی ''بے بی'' کو آواز دی اور حمید سے کہنے لگی ''خواہ مخواہ بات کا بتنگڑ گیا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ کم بخت مر ہی جائے گا۔''

''معاف کیجئے گا محترمہ۔ ہم صرف کرایہ دار ہیں آپ کے۔ بھلا ہمیں آپ کے جھگڑوں سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ ویسے کتا تھا شاندار۔''

''مجھے نفرت ہے کتوں سے..... اوہ..... آؤ بے بی..... ادھر آؤ..... بیٹھ جاؤ۔ تم بھی مخواہ پاگل ہو گئی تھیں۔''

حمید کو وہی لڑکی نظر آئی جو اُسے اندر لے گئی تھی۔ اُس کے چہرے پر گہری اداسی بادل تھے۔ آنکھیں مغموم تھیں۔

وہ خاموشی سے ایک کرسی کے ہتھے پر ٹک گئی اور پھر بولی۔ ''میں کیا کرتی۔ کیا آپ سکتیں ڈیڈی کو..... اُن کی وہ حالت مجھ سے نہیں دیکھی گئی تھی۔ مجھے خود بھی شرمندگی ہے کہ اجنبی نے ہمیں اس مضحکہ خیز سچویشن میں دیکھا۔''

''مجھے اپنی موجودگی پر ندامت ہے۔'' حمید بولا۔

''آپ سے بہت ضروری باتیں کرنی ہیں۔'' وہ حمید کی طرف مڑی۔ ''پچھلی رات نے ارشاد کو واپس کر دیا تھا۔''

''ارشاد..... کون ارشاد۔''

''کوئی صاحب! جنہوں نے آپ کو اس کرایہ داری سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔''

''مگر اُن کا نام تو کسی نے فرہاد بتایا تھا۔''

''ارے..... وہ۔'' عورت ہنس پڑی۔ ''شاعری ترک کر کے ٹھیکیداری کرنے لگا ہے نا۔ اسی لئے اُس کے دوست اُسے فرہاد ۵۹ء کہتے ہیں۔''

''تو آپ بھی یہی کہنا چاہتی ہیں کہ ہم یہاں اس لئے نہ رہیں کہ مکان کا وہ حصہ آسیب زدہ ہے۔''

''جی ہاں..... اگر آپ کو کوئی نقصان پہنچا تو ہم بھی دشواریوں میں پڑ سکتے ہیں۔''

''مگر تفضل صاحب نے ہمیں ایسی کوئی بات نہیں بتائی تھی۔''

''کیا آپ انہیں اب بھی نہیں سمجھ سکے۔''

''خدا کی پناہ..... کیا آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ وہ ذہنی فتور میں مبتلا ہیں۔''

''اس حد تک تو نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن وہ جھکی ضرور ہیں۔ حالانکہ ایک بار ایک کرایہ دار مصیبتوں کا شکار ہو چکا ہے اس کے باوجود اُسے واہمہ قرار دیتے ہیں۔''

حمید تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ''اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ آپ نے مجھے اُس مکان کے متعلق کچھ بتایا ہے تو۔''

''ایک بار پھر گھر کی فضا خراب ہو سکتی ہے۔'' عورت مسکرائی۔ حمید نے لڑکی کی طرف دیکھا لیکن وہ اس مسئلے سے قطعی بے تعلق نظر آ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی دوسری سوچ میں ہو۔ آنکھیں اب بھی مغموم تھیں۔

''دیکھئے۔'' حمید بولا۔ ''مجھے بھوتوں سے بڑی دلچسپی ہے۔ اُن کی بہتیری کہانیاں سنی ہیں۔ لیکن ذاتی طور پر آج تک کوئی تجربہ نہیں ہوا۔ اس سے پہلے بھی اکثر ایسی عمارتوں میں رہ چکا ہوں..... جو آسیب زدہ مشہور تھیں لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر مجھے کبھی کوئی بھوت کیوں نہ دکھائی دیا۔''

''میں نے آپ کو آگاہ کردیا۔ ماننا نہ ماننا آپ کے اختیار میں ہے۔ بھوتوں کا
میرے لئے اتنا دلچسپ نہیں ہے کہ میں اس پر بحث کرسکوں۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ چاہتا تھا کہ اب جلد از جلد عمارت کے اس حصے میں پہنچ جا
انہیں قیام کرنا تھا۔

''یہ دوسرے حضرت عقل سے بالکل ہی خالی معلوم ہوتے ہیں۔'' عورت نے کہا۔

''کیوں.....؟''

''کل اُن کے کوٹ کے کالر پر بھی ''عوامی زچہ خانہ'' کا بیج نظر آیا تھا۔''

''یہ ہے کیا بلا۔''

''ایک خیراتی ادارہ..... بھلا آپ ہی بتایئے..... تفضل صاحب اس کیلئے چندہ اکٹھا کر
پھرے تھے اسی سے اندازہ لگا لیجئے کہ وہ کتنے جھکی ہیں۔ مجھے تو سوچ کر ہی شرم آرہی ہے۔
اس نے خاموش ہو کر لڑکی کی جانب دیکھا مگر وہ دوسری طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر
چونک کر بولی۔

''قدیر ماموں۔'' وہ دروازے سے باہر دیکھ رہی تھی۔

''قدیر ہیں۔'' عورت نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''اچھی بات ہے جناب۔ جو کچھ مجھے کہ
کہہ چکی۔ اب آپ جانیں۔''

اس جملے کا مطلب یہی ہوسکتا تھا کہ اب وہاں حمید کی موجودگی ضروری نہیں ہے۔

وہ اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔ سامنے ہی ایک آدمی برآمدے کی سیڑھیاں
کر کے اوپر آرہا تھا۔ چوڑے شانوں اور بھاری جبڑوں والا یہ آدمی پہلی ہی نظر میں حمید کو
اچھا نہ لگا۔ اس نے اس پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی تھی اور پھر شائد تفضل کی بیگم ہی کو مخاطب
تھا۔ حمید ان کی طرف دھیان دیئے بغیر آگے بڑھ گیا۔

ابھی وہ اسلحہ والے کمرے تک نہیں پہنچا تھا کہ کمپاؤنڈ سے دوڑتے ہوئے قدموں
آوازیں آئیں اور اُسے رک جانا پڑا۔ وہی ملازمین دوڑتے ہوئے ادھر آرہے تھے جنہوں

ان کا سامان ٹیکسی سے اتارا تھا۔

''بھوت.....!'' اُن میں سے ایک حلق پھاڑ کر دہاڑا اور لڑکھڑا کر ڈھیر ہو گیا۔
دوسرا ابھی جو اس کے پیچھے تھا اور پوری قوت سے دوڑ رہا تھا۔ اس غیر متوقع رکاوٹ کی
بنا پر اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا..... وہ اُس پر گرا تھا۔

پہلا ملازم اب اس انداز میں خاموش ہو گیا تھا جیسے گگھی بندھ گئی ہو۔

بھوتوں کے شکاری

پھر سب ہی باہر نکل آئے۔ تفضل کی آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے سوتے سے اٹھا ہو۔
حقیقت بھی یہی تھی۔ قاسم نے بعد میں بتایا کہ وہ حمید کے جانے کے بعد گہری نیند سو گیا تھا۔
کرسی ہی میں پڑے پڑے خراٹے لیتا رہا تھا۔

نوکروں کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر ہوشمندوں کی طرح گفتگو کرنے پر آمادہ کیا جاسکا۔

''صاحب!'' ایک بولا۔ ''جیسے ہی میں نے بستر رکھنے کے لئے بیڈ روم کھولا دھوئیں کا
بھبکا باہر نکلا..... دھواں بھرا ہوا تھا اندر۔''

''ابے کیوں جھوٹ بولتا ہے۔'' تفضل نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔

''ارے سرکار..... دیکھ لیجئے چل کر۔''

''دروازہ کھول آئے ہیں۔'' حمید نے پوچھا۔

''جی سرکار.....!''

''تو پھر اب وہاں دھواں رکھا ہوگا۔''

وہ کچھ نہ بولا۔ دونوں بُری طرح ہانپ رہے تھے۔ مسز تفضل نے حمید کی طرف دیکھا۔

''آخر اُسے کھولا ہی کیوں جاتا ہے۔'' بھاری جبڑے والے نے کہا۔ تفضل نے اُسے

گھور کر دیکھا لیکن کچھ کہا نہیں۔ اُس کی بیوی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''کرائے پر!!
آپ حضرات کرایہ دار ہیں۔''

''ارے..... اوہ..... یہ کیا غلطی۔''

''قدیر صاحب۔'' موٹے نے آنکھیں نکالیں۔ ''براہِ کرم میرے معاملات پر
انداز ہونے کی کوشش نہ کیجئے۔''

''لاحول ولا قوۃ..... میں نے تو۔''

''نہیں کچھ نہیں..... میں دیکھوں گا کہ وہ کیسے بھوت ہیں۔''

''کیوں جناب۔'' حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''ارے سب بکواس ہے۔ آیئے میرے ساتھ۔''

''قدیر تمہیں کیا پڑی تھی۔ کیوں بولے تھے۔'' بیگم نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔
موٹا آگے بڑھ گیا۔ دفعتاً بے بی نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

''نہیں ڈیڈی..... خدا کے لئے وہاں نہ جایئے۔''

''کیا حماقت ہے۔ کیا تم سب مجھے ان دونوں شریف آدمیوں کے سامنے ذلیل کرنا
چاہتے ہو۔''

اس نے جھٹکے سے ہاتھ چھڑایا اور آگے بڑھتا چلا گیا۔ حمید اور قاسم پیچھے تھے۔
قاسم ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا رہا تھا۔

وہ عمارت کے آسیب زدہ حصے میں آئے۔ لیکن بناوٹ کے اعتبار سے اسے اس عمارت
کا حصہ تو نہیں قرار دیا جاسکتا تھا۔ یہ پرانے طرز کی عمارت تھی اور اس کی تعمیر بھی دوسری عمارت
سے پہلے ہی ہوئی ہوگی۔

حمید نے رک کر کہا۔ ''میں نے تو سنا تھا کہ یہ آپکی رہائشی عمارت ہی کا ایک حصہ

''جی نہیں! غلط سنا آپ نے۔ یہ ہمارا آبائی مکان ہے۔ برابر والی عمارت میں
کرائی تھی۔ یہ میرے والد صاحب نے بنوائی تھی۔ بنوائی کیا تھی۔ مرمت کرائی تھی۔ ورنہ

تو دادا جان کے وقتوں کی ہے۔''

وہ آگے بڑھے اور اس کمرے کے قریب پہنچے جس کا حوالہ نوکروں نے دیا تھا۔ دروازہ
کھلا ہوا نظر آیا۔

''ارے..... باپ رے۔'' قاسم بوکھلاہٹ میں پیٹ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

کمرے کے فرش پر تازہ تازہ خون پھیلا ہوا تھا۔ تفضل نے حمید کی طرف دیکھ کر پلکیں
جھپکائیں اور تھوک نگل کر رہ گیا۔

''اے وائی بھوت۔'' قاسم نے سسکاری سی لی۔

''اور یہ تو سوچو کہ میں بھوتوں کے لئے کتنے دنوں سے تڑپ رہا ہوں۔'' حمید مسکرایا۔

''جی.....!'' تفضل نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔

''جی ہاں۔'' حمید سر ہلا کر بولا۔ ''یہ میری خوش قسمتی ہے کہ ایک ایسی عمارت بالآخر مل ہی
گئی جس میں بھوت رہتے ہیں۔''

''چلئے ٹھیک ہے۔'' تفضل نے طویل سانس لے کر کہا۔ ''مگر میں اس منگل شاہ کے بچے
کو سمجھ لوں گا جس نے پانچ سو روپے کے خرچے پر یہاں بھوتوں کو نکالا تھا۔''

''فکر نہ کیجئے۔ پہلے نہیں نکلے تھے تو اب نکل جائیں گے۔''

''جی نہیں..... جی نہیں۔ اب میں آپ کو یہاں نہیں رہنے دوں گا۔ میں اسی غلط فہمی میں
مبتلا تھا کہ منگل شاہ کا عمل کامیاب رہا ہوگا۔''

''میں اپنی ذمہ داری پر رہوں گا۔''

''آپ اُدھر ہی چل کر رہئے..... یہاں نہیں۔''

''خیر اس کے متعلق پھر سوچیں گے۔ مجھے اُس کتے کی موت کا بے حد قلق ہے۔ آیئے
کہیں بیٹھیں۔''

''یہاں.....!''

''جی ہاں..... یہیں! ڈریئے مت۔ میرے پاس بھوتوں سے بچاؤ کے لئے بہت تگڑا

تعویز ہے۔مگر وہ شائد بلڈ ہاؤنڈ ..... اُف فوہ..... بار بار اس کی تصویر آنکھوں میں پھر
"بس کیا بتاؤں۔ بڑی دردناک موت ہوئی ہے۔ خدا اس عورت پر رحم کر
بھرائی ہوئی آواز میں بولا اور حمید نے قاسم سے کہا۔ "بڑے بھائی تم ذرا دروازے پر
کوئی بھوت اندر داخل ہونے کی کوشش کرے تو اٹھا کر باہر پھینک دینا۔"

"جرور..... جرور.....!" قاسم دونوں آنکھیں مار کر مسکرایا اور صدر دروازے
بڑھ گیا۔

وہ کمرے میں آئے۔ یہ نشست ہی کا کمرہ ہوسکتا تھا۔ یہاں معمولی قسم کا فرنیچر

"ہاں..... تفضل صاحب کتنے دنوں سے تھا یہ کتا آپ کے پاس۔" حمید نے پو

"ایک ماہ سے۔"

"اور بیگم صاحبہ غالباً کتوں سے نفرت کرتی ہیں۔ اسی لئے پہلے آپ کے یہاں
نہ رہا ہوگا۔"

"جی ہاں..... پہلے کبھی نہیں تھا۔"

"اسے کیوں رکھا تھا آپ نے جب معلوم تھا کہ بیگم صاحبہ اتنی جابر ہیں۔"

"ارے بس کیا بتاؤں۔ میرا خیال ہے کہ کوئی میرے یہاں لمبی چوری کی تا
ہے۔ چوکیدار تو رہتا ہے لیکن اگر کئی آدمی ہوئے تو وہ اکیلا ان کا کیا بگاڑ لے گا۔"

"چوری کا خیال کیسے پیدا ہوا تھا۔"

"ایک رات کچھ آدمی کمپاؤنڈ کی دیوار پر نظر آئے تھے۔ اتفاقاً میری آنکھ کھل
چوکیدار نے بھی انہیں نہیں دیکھا تھا۔ میں نے للکارا تو بھاگ نکلے۔"

"اس کے باوجود بھی بیگم صاحبہ نے کتا رکھنے کی مخالفت کی تھی۔ مجھے حیرت ہے"

"وہ فرماتی ہیں دس آدمی رکھ لو مگر ایک کتا نہ رکھو۔ میں کہتا ہوں ایک کتا دس
سے زیادہ چالاک ہوتا ہے۔ مگر اس عورت کو کون سمجھائے۔ جب بھی مجھ پر غصہ آتا
بیچارے کو پیٹ کر رکھ دیتی تھی اور وہ بھی اس کا دشمن ہی ہوگیا تھا۔ اگر ایک بار بھی

چیتھڑے ہی اڑا کر رکھ دیتا۔ اسی ڈر سے وہ کبھی رات کو باہر نہیں نکلتی تھی۔"

"تب تو مار ڈالنا ہی ضروری ہوا۔"

"ارے تو خواہ مخواہ دشمن بنایا تھا اپنا..... بندھا ہوتا تھا مار لیتی تھی۔ کھلا تو آنکھ اٹھا کر
دیکھنے کی بھی ہمت نہ پڑے۔"

"بہر حال مجھے اس کی موت پر بے حد افسوس ہے۔" حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"دوسری شادی نہ کرنی چاہئے۔"

"یہی تو حماقت ہوئی ہے مجھ سے۔" وہ ران پر ہاتھ مار کر بولا اور اس طرح حمید نے
تصدیق کرلی کہ وہ "بے بی" کی ماں نہیں ہے لیکن بے بی سے برتاؤ برا نہیں معلوم ہوتا۔ مگر یہ
قدیر صاحب۔

"قدیر صاحب خواہ مخواہ آپ کو غصہ دلا رہے تھے۔" حمید نے کہا۔

"مجھے سخت نفرت ہے اس آدمی سے..... اس سے ہی نہیں بیگم کے سارے کزنوں سے۔
خدا سگا بھائی دے یا نہ دے لیکن کزنوں سے بہر حال محفوظ ہی رکھے۔"

"تعداد زیادہ ہے کیا۔"

"میں آج تک انگلیوں پر تو نہیں گن سکا۔ اوہ معاف کیجئے گا میں نجی باتوں میں الجھ گیا۔
یہ تو میرا مقدر ہے الجھوں گا۔"

"ہاں خیر..... لیکن مجھے آپ سے ہمدردی ہے تفضل صاحب۔"

"میں بھی آپ کی شرافت کا لوہا مانتا ہوں۔ آپ کی جگہ اور کوئی ہوتا تو یہی سمجھتا کہ میں
نے اس کے ساتھ فراڈ کیا ہے۔ لیکن یقین کیجئے کہ منگل شاہ نے قسم کھا کر کہا تھا۔"

"پرواہ مت کیجئے۔ میں اس مکان کو بھوتوں سے پاک کردوں گا۔"

"اچھا تو اٹھئے یہاں سے۔"

"کہاں چلوں۔"

"میں آپ لوگوں کو اپنے کمرے میں رکھوں گا۔ جب تک دل چاہے رہئے۔"

''پھر فائدہ ہی کیا ہوا۔نہیں ہم یہیں رہیں گے۔''

''ضد نہ کیجئے۔''

''میں کہتا ہوں آپ قطعی فکر نہ کیجئے ورنہ بھوت میری لنگوٹی ہی کو غنیمت جانیں گے۔''

''بھاگتے بھوت کی لنگوٹی..... ہاہاہاہا۔'' موٹا ہنس پڑا۔''واہ کیا بات پیدا کی ہے۔''

''تو گذارش یہ ہے کہ ہم ہر حال میں یہیں ٹھہریں گے۔''

''دیکھئے..... یہ ناممکن ہے اور میں اسے پسند نہیں کروں گا کہ آپ اس مسئلے پر میر
خیال نہ ہوں۔''

''کچھ بھی ہو۔ میں تو یہیں رہوں گا۔''

''جواب نہیں ہے آپ کا۔''

''آپ بھی تو لاجواب ہیں تفضل صاحب۔ تیس من کا بجو پکڑا تھا آپ نے.....اُ
خدانخواستہ ٹانگ ماردیتا تو کیا حشر ہوتا آپ کا۔''

''اُوہ..... میں ایسے خطرات کی پرواہ نہیں کرتا۔'' موٹے نے فخریہ لہجے میں کہا۔

''اسی طرح بھوت پکڑنا میری ہوبی ہے۔''

''بھوت سامنے نہیں آتے۔''

''اسی لئے میری ہوبی..... آپ کی ہوبی سے زیادہ خطرناک اور دلچسپ ہے۔''

''آپ عجیب آدمی ہیں۔''

''عجیب ترین کہئے مسٹر۔'' حمید بھی فخریہ انداز میں بولا۔''اب تک ساڑھے سا
بھوت پکڑ چکا ہوں۔''

''ساڑھے۔''

''ہاں.....ایک بھوت کا بچہ تھا۔ خیر ہاں تو ہم ہر حال میں یہیں قیام کریں گے۔ب
سمجھئے کہ اسی وقت سے جم گئے ہیں۔''

''ناسمجھی نہ کیجئے۔''

''آپ بالکل مطمئن رہئے۔ اگر کہئے تو ایک تحریر بھی دے دوں آپ کو..... کہ اگر میں مر جاؤں تو اس کی ذمہ داری کسی دوسرے پر عائد نہ کی جائے۔ میں نے دیدہ و دانستہ اس عمارت میں قیام کیا ہے۔بس اب ختم کیجئے۔ میں ذرا فرش دھو ڈالوں بیڈروم کا۔ آپ کے ملازم تو اب یہاں قدم بھی نہ رکھیں گے۔''

''خدا آپ پر رحم کرے۔'' موٹا اٹھتا ہوا بولا۔

اُس کے چلے جانے پر قاسم دروازہ بند کر کے واپس آ گیا۔

''یہ بتاؤ بیٹا۔ وہ کبڈی خانم تمہیں قہاں لے گئی تھی۔'' اس نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

''تمہارے متعلق پوچھ رہی تھیں۔ کہنے لگیں کہ میں نے اتنا گرانڈیل محبوب آج تک نہیں دیکھا۔''

''ابے نہیں.....الاقسم.....ہی ہی ہی ہی.....سالے جھوٹ۔''

''یقین کرو۔ اتنی دیر تک صرف تمہارے ہی متعلق گفتگو کرتی رہی تھی۔ کہنے لگی۔ ہائے رستم کی طرح چلتا ہے.....سہراب کی طرح باتیں کرتا ہے اور ڈمباسٹر کی طرح.....!''

''ڈمباسٹر کیا۔''

''جرمنی کا نامی پہلوان تھا۔''

''اور قیا پوچھا تھا۔'' قاسم ریشہ خطمی ہوا جارہا تھا۔

''بہت کچھ! اب شائد تم سے براہ راست ہی گفتگو کرے۔ لیکن اس کا خیال رکھنا کہ تم جاسوس ہو۔ سمجھے..... ہماری اصلیت نہ ظاہر ہونے پائے۔''

''مبلقل جاسوس ہوں۔'' قاسم اکڑ کر بولا۔''موٹے کا پتہ میں نے ہی لگایا تھا۔''

حمید نے پوری عمارت کا جائزہ لیا۔ اس میں کل پانچ کمرے تھے۔ سامنے بڑا سا دالان تھا اور ایک کافی کشادہ صحن بھی۔

بظاہر وہاں کچھ بھی غیر معمولی نہ تھا۔ لیکن وہ خون اور دھواں۔

قاسم کو پانی کی کئی بالٹیاں کمرے کے فرش پر ڈھلکانی پڑی تھیں اور اس نے پہلے تو

بھوتوں کو گالیاں دی تھیں اور پھر حمید سے الجھ پڑا تھا۔

''اَمے ٹھینگے پر ہے تمہاری جاسوسی واسوسی۔ بھنگی بھی بننا پڑتا ہے۔ قیوں؟''

''صبر سے کام لو۔ اکثر بھیک بھی مانگنی پڑتی ہے۔''

''اچھا..... جی..... اب مجھ سے بھیک بھی منگواؤ گے۔'' وہ بالٹی ایک طرف پھینک کر
غرایا۔ ''میرا باپ بھی سالا نہیں منگوا سکتا۔ جرا کوشش کر کے تو دیکھو۔''

دفعتاً کسی نے دروازے پر دستک دی۔ حمید نے قاسم کو فارم میں آ جانے کو کہا اور خود
دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

تفضل کے گھر کے سارے افراد انہیں سمجھانے آئے تھے۔ بیگم نے یہاں تک کہہ دیا
وہ ان کے لئے اپنا ذاتی کمرہ بھی خالی کر سکتی ہے۔ لیکن وہ اس آسیب زدہ مکان میں قیام نہ
کریں۔ لڑکی نے روہانسی ہو کر کہا تھا کہ وہ دونوں اُن کے لئے بھی کسی بڑی پریشانی کا باعث
بن جائیں گے۔ تفضل تو خیر پہلے ہی زور دیتا رہا تھا کہ وہ وہاں رات بسر نہ کریں۔

بیگم کا کزن قدیر بالآخر جھلا ہی گیا۔

''آپ کو یہاں سے ہٹنا ہی پڑے گا جناب۔'' اس نے کہا۔ ''آپ پورے خاندان کی
سلامتی خطرے میں نہیں ڈال سکتے۔''

''اَمے جاؤ۔'' قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ ''مر گئے ہٹانے والے۔ بڑے آئے کہیں کے۔''

''اوہ..... تو آپ.....!'' قدیر نتھنے پھلا کر آگے بڑھا۔

''پلیز.....!'' حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''اس کی ضرورت نہیں ہے..... قاسم ڈیئر..... خود کو
قابو میں رکھو۔ کیونکہ ہمیں یہاں پورے تین ماہ گذارنے ہیں۔''

''آپ ایک منٹ بھی نہ رہ سکیں گے۔'' قدیر بولا۔

''بھوتوں کے طرفدار ہیں آپ.....!'' حمید نے تیز لہجے میں پوچھا۔

''رشتے کے وہ لگتے ہیں۔'' قاسم پھوہڑپنے سے ہنسا تھا۔

''آپ لوگ بات بڑھا رہے ہیں۔'' بیگم تفضل نے کہا۔

''آپ کوشش کیجئے کہ نہ بڑھنے پائے جس کا بہترین طریقہ یہی ہوگا کہ ہمیں ہمارے
حال پر چھوڑ دیجئے۔''

''باہر والے بھی یہاں آ کر خبطی ہو جاتے ہیں۔''

''یہ نہ بھولئے کہ ہم بھوتوں کے زیر اثر ہیں۔'' حمید مسکرایا۔

''چلو ختم کرو۔'' تفضل کی بیوی دوسروں کی طرف مڑی۔ ''احتیاطاً ہم پولیس اسٹیشن بھی
فون کر دیں۔''

''آپ کو مایوسی ہوگی محترمہ۔'' حمید بولا۔ ''ہماری تعزیرات میں بھوتوں کے قدر دانوں
سے متعلق کوئی دفعہ نہیں ہے۔''

پھر تفضل کے علاوہ اور سب چلے گئے۔ اس نے کہا کہ اگر وہ وہاں سے ہٹنے پر رضامند
نہیں ہیں تو وہ انہیں تنہا نہیں رہنے دے گا خود بھی انہیں کے ساتھ رات بسر کرے گا۔

''ظاہر ہے کہ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔'' حمید بولا۔

رات کا کھانا قاسم ہوٹل سے لایا تھا۔ ویسے تفضل نے کوشش کی تھی کہ وہ اُس کے ساتھ
ہی کھائیں لیکن حمید نے کہا تھا۔ ''ابھی بیگم صاحبہ صرف کتوں ہی سے متنفر ہیں لیکن اگر انہیں
میرے ساتھی کو کھانا کھلانا پڑا تو آدمیوں سے بھی نفرت کرنے لگیں گی۔''

اُس وقت یہ بات تفضل کی سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن جب قاسم کو کھاتے دیکھا تو دیوتا
کوچ کر گئے۔ ویسے اتنا ہوش تو تھا ہی کہ حیرت کا اظہار کر سکتا۔

''لمبے ہونا ہے تو میری ہی طرح کھایا کرو تھچلصاحب۔'' قاسم نے ہنس کر کہا تھا۔

پھر تقریباً دس بجے آرام کی ٹھہری۔ اس وقت تک کوئی غیر معمولی واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔
یہ اور بات ہے کہ تفضل کے لئے قاسم کی خوراک ہی ایک بوکھلا دینے والا حادثہ رہی ہو اور اس
نے اسی کے بھوت ہونے کے امکانات پر غور کیا ہو۔

ساڑھے گیارہ بجے حمید تفضل اور قاسم کے خراٹوں کی آوازیں سن رہا تھا۔ تینوں بستر
ایک ہی کمرے میں لگائے گئے تھے اور پوری عمارت میں روشنی تھی۔

حمید جاگتا رہا۔ قاسم کے متعلق اُسے یقین تھا کہ وہ بے خبر سو رہا تھا۔ لیکن تفضل کے خراٹے اس کی دانست میں سو فیصدی بناوٹی تھی۔

ٹھیک بارہ بجے یک بیک سارے بلب بجھ گئے اور حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا ہے؟" اس نے تفضل کی آواز سنی۔

"اندھیرا۔" حمید نے جواب دیا اور جیب میں پڑے ہوئے ریوالور کے دستے پر اس کی گرفت مضبوط ہو گئی۔

پھر وہ دروازے کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ دالان کے وسط میں روشنی کا جھماکا سا ہوا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے آگ کی لپٹ فرش سے پھوٹی ہو۔

تفضل کی چیخ سے پوری عمارت گونج اٹھی۔

"ابے قیا ہوا.....!" قاسم بھی بوکھلا کر اٹھ گیا۔ لیکن اندھیرے میں مسہری چھوڑنے کی ہمت نہ کر سکا۔

اس بار روشنی کا جھماکا صحن میں ہوا اور پھر اندھیرا چھا گیا۔ تفضل پھر چیخا۔ حمید جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔

"حق اللہ۔" قاسم نے نعرہ لگایا۔ "ارے باپ رے۔"

آگ اور خون

قاسم نے نعرہ لگایا تھا اور پتہ نہیں کس طرح دھم سے نیچے آ گرا تھا۔ پھر وہ اٹھنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ سارے بلب روشن ہو گئے۔ تفضل اپنی مسہری پر اوندھا پڑا ہوا تھا۔

حمید صحن کی طرف لپکا۔ دالان میں ٹھیک اسی جگہ تازہ خون پھیلا ہوا نظر آیا جہاں سے شعلہ اٹھا تھا۔ اسی طرح صحن میں بھی خون کا بڑا سا دھبہ دکھائی دیا۔ حمید کے اندازے کے مطابق وہاں بھی اُسی جگہ سے شعلہ بلند ہوا تھا۔

حمید صدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ قاسم کمرے ہی میں تھا۔ اُس نے اُسے آواز دی۔

"اَمے قہاں.....واپس آ ؤ.....کھمر دار.....!"

لیکن حمید نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ قاسم فرش سے اٹھا اور پھر مسہری پر بیٹھ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ پھر تفضل کو مسہری پر اوندھا پڑا دیکھ کر اُسے ہنسی آ گئی۔

"او بھائی تفضل.....!" اس نے ہانک لگائی۔ "اَمے اوندھے سو رہے ہو..... ہی ہی ہی.....ارے کیسے لیٹا جاتا ہے..... میں تو اس طرح نہیں لیٹ سکتا۔"

تفضل کا منہ اسی کی طرف تھا۔ اُس نے آنکھیں کھول دیں۔

"سالے واقئی بھوت معلوم ہوتے ہیں۔" قاسم نے کہا۔

"کک.....کیا ہوا۔" تفضل نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"اب میں سگار تو پیتا نہیں ہوں کہ سوچ کر بتادوں۔ پتہ نہیں قیا ہوا۔" قاسم نے کہا۔ غالباً کرنل فریدی کا سگار اس کے ذہن کے کسی گوشے میں کلبلایا تھا۔

"حمید صاحب کہاں گئے۔"

"بھوت پکڑنے۔"

"اُف فوہ.....کیسی نادانی ہے۔" تفضل بڑبڑایا۔ پھر قاسم سے بولا۔ "ذرا اٹھائیے تو مجھے۔"

"اَمے اب ایسا بھی کیا۔" قاسم نے آنکھیں نکالیں۔ "اگر بھوت چڑھ بیٹھے تو۔"

"خدا کے لئے ایسی باتیں نہ کیجئے۔" تفضل نے آہستہ سے کہا اور ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا۔

"ارے تو ڈرتے قیوں ہو میاں۔ وہ مچھلی پکڑنے والے جال سے بھوت پکڑتا ہے۔" قاسم نے کہا اور پھر مزید کچھ کہنے کے لئے زبان ہلانے سے قبل ہی یاد آ گیا کہ وہ حمید کا اسسٹنٹ ہے اور خود بھی "جاسوسی کرنا" سیکھ رہا ہے۔ اُس نے دونوں ہاتھوں سے منہ دبالیا۔ کیا پتہ زبان پھسل ہی جاتی۔

"کیوں کیا بات ہے۔" تفضل نے ٹوکا۔

"ارے میں نے کہا..... کہیں یہاں والے بھوت بُرا نہ مان جائیں۔" قاسم نے ہوئی آواز میں کہا۔

"وہ حضرت گئے کہاں۔ خدا کے لئے انہیں آواز دیجئے۔ مجھے خوف معلوم ہو رہا ہے۔"

خوف کے نام پر قاسم کو خیال آیا کہ وہ خود بھی شائد خوفزدہ ہے۔ کیا پتہ بھوت ہوں..... اُسے برف کے بھوت یاد آئے اور سوچا وہ تو آدمی ہی تھے..... لیکن ضروری نہیں کہ بھوت میں آدمیت پائی جائے۔

"تو پھر میں تمہیں اٹھاؤں۔" اُس نے کانپتی ہوئی آواز میں تفضل سے پوچھا۔

"کک..... کیوں۔"

"تلاش کرو جا کر۔" قاسم نے کہا۔

"میں..... نن..... نہیں ہرگز نہیں۔ میں کمرے سے باہر نہیں نکلوں گا۔"

"اچھا جی۔" قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ "تو پھر قیا میں نکلوں غا..... کوئی میری جان پہچان ہے یہاں کے بھوتوں سے۔ کوئی سالا نام پوچھ بیٹھا تو کیا کروں گا۔ سالا۔"

"ارے باپ رے..... سالا نہیں پیارا..... پیارے بھوت بھائی تمہیں نہیں کہا۔"

وہ بوکھلاہٹ میں اپنا منہ پیٹنے لگا۔ قاسم کچھ اسی قسم کا آدمی تھا۔ آہستہ آہستہ ہی اُسے کسی خطرے کا احساس ہوتا تھا۔ یا پھر خطرے سے گذر جانے کے بعد خوفزدگی کی باری آتی تھی۔ مثال کے طور پر..... ایک بار کا ذکر ہے کہ دارالحکومت کی ایک بارونق سڑک پر کسی بپھرے ہوئے سانڈ نے ابتری پھیلا دی تھی۔ لوگ بے تحاشہ آس پاس کی گلیوں میں گھستے پھر رہے تھے۔ بہتیرے گرے تھے اور اُن کے خاصی چوٹیں آئی تھیں۔ اتفاقاً قاسم کا گذر بھی اُدھر سے ہوگیا۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ جھٹ گاڑی روک کر نیچے اُترا اور سانڈ کے سینگ پکڑ لئے۔ دونوں میں زور ہونے لگا۔ کبھی سانڈ اُسے دور دھکیل لے جاتا اور کبھی قاسم اُسے رگید کر رکھ دیتا۔ پھر کچھ فوجیوں نے وہاں پہنچ کر اس کھیل کا خاتمہ کیا تھا اور قاسم کی خوب پیٹھ ٹھونکی گئی تھی۔ اس کے

کانوں میں بے شمار سریلی آوازوں نے رس ٹپکایا تھا۔ لیکن گھر پہنچ کر جب اُسے وہ چویشن دوبارہ یاد آئی تو اُس پر لرزہ طاری ہوگیا۔ اس نے سوچا..... اگر سینگ چھڑا کر سالا پیٹ پھاڑ دیتا تو کیا ہوتا۔

"ہائے..... قیا ہوتا۔" اُس نے رو دینے والی آواز میں بیوی سے پوچھا۔

"کاہے کا کیا ہوتا۔" بیوی اُسے گھورنے لگی تھی۔ اُسے کیا پتہ کہ حضرت باہر کیا کر آئے تھے اور اب ان پر کیا گذر رہی تھی۔ بہرحال قاسم وضاحت کرنے سے پہلے ہی تڑ سے گرا تھا اور بیہوش ہوگیا تھا۔

بالکل اسی طرح اس وقت بھی بھوتوں کا خوف میدان صاف ہو جانے کے بعد ہی طاری ہوا۔ گھگھی بندھ گئی اور اس خیال سے کہ اگر اندھیرے میں بھوت گردن دبوچ لیتا تو کیا ہوتا۔

"اَمے..... اُو بھائی..... تت..... تت..... تفجل....." اُس نے کانپتے ہوئے کہا۔ "یار مجاخ نہیں کر رہے۔"

"کیسا مذاق..... جناب۔"

"میں جناب نہیں..... اُلو کا پٹھا ہوں۔ بس اب کھاموش رہو..... ارے باپ رے..... مار دی ہے۔" اُس کے دانت بھی بجنے لگے۔

اتنے میں قدموں کی آوازیں سنائی دیں، جو رفتہ رفتہ قریب آ رہی تھیں۔

دانت اور تیزی سے بجنے لگے..... لیکن جیسے ہی آنے والے کمرے میں داخل ہوئے اس نے جھٹکے کے ساتھ دانتوں پر دانت جمانے کی کوشش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زبان بُری طرح کچل گئی اور وہ دونوں ہاتھوں سے منہ دبائے ہوئے سیدھا ہوگیا۔

حمید کے ساتھ چوکیدار بھی تھا۔ دونوں نے مل کر تفضل کو سیدھا کیا۔ تفضل اب تک ہانپے جا رہا تھا۔

"آپ کہاں گئے تھے..... کیا ہوا۔" اُس نے حمید سے پوچھا۔

"ابھی تک کچھ بھی نہیں ہوا۔"

"چلئے خدا کے لئے چلئے یہاں سے۔"

"آپ کو میں یہی مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ آپ اسی وقت یہاں سے چلے جائیے۔"
نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور آپ.....!"

"مجھے کہاں جانا ہے۔"

"بھائی تو سیدھے پرستان جائیں گے۔" قاسم جھلا کر بولا اور ایسی نظروں سے
دیکھنے لگا جیسے پھاڑ ہی تو کھائے گا۔

پھر تقریباً تیس منٹ تک تفضل اسی مسئلے پر حمید سے الجھا رہا۔ لیکن اُسے وہاں سے جا
پر آمادہ نہ کرسکا۔

قاسم نے ٹھنڈی سانس لی اور بے بسی سے بولا۔ "خدا کا شکر ہے کہ میں عورت نہ
ہوں۔"

تفضل نے متحیرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"اَمے اور قیا..... عورت ہوتا..... اور ان حجرت کے ساتھ میرا نکاح ہوگیا ہوتا۔ تو.....
..... پھوٹ گئی تھی نا تقدیر۔" اس نے کہا اور دانت پیس کر حمید کو گھونسہ دکھاتا ہوا بولا۔ "اَب
مرو یہیں پر..... میں تو جا رہا ہوں۔"

"ضرور جاؤ.....!" حمید مسکرا کر بولا۔ "میں خود بھی نہیں چاہتا کہ تم ان خطرات میں
جن کی مجھے ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں ہوتی۔"

"جرا..... دیکھو تفجل بھائی۔ اب اگر میرا نکاح ہوگیا ہوتا تو یہیں جل جل کر مرجانا پڑتا
ہے کہ نہیں۔"

تفضل بے ڈھنگے پن سے ہنسنے لگا۔ لیکن اس ہنسی میں خوف بھی شامل تھا اور وہ بار با
کر صحن کی طرف ضرور دیکھتا تھا..... کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر قاسم آنکھیں نکال کر

"اَمے تو پھر تم نہیں چلو گے۔"

"نہیں۔" حمید نے جواب دیا اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

"یہ سالا پائپ بھی مجھے زہر ہی لگتا ہے..... کہیں گے نہیں اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگیں
گے۔ وہ حضرت کہیں گے۔ "نہیں" اور منہ میں سگار گھسیڑ لیں گے۔ چلو کصہ ختم۔ ٹھینگے پر
گئی..... ایسی..... وہ..... وہ..... وہ.....!"

غالباً وہ "جاسوسی" کہنا چاہتا تھا لیکن دفعتاً حمید کے آنکھیں دکھانے پر ہوش آ گیا اور پھر
زبان سے "وہ..... وہ" کے علاوہ اور کچھ نہ نکل سکا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ قاسم کا اُس سے الگ ہونا کہیں کوئی دوسرا مسئلہ نہ پیدا کردے۔ ذہنی
رو بہکتی ہے تو پھر اُسے ہوش نہیں رہتا کہ وہ کہاں ہے اور کیا بک رہا ہے۔

لیکن فی الحال کوئی ایسی تدبیر نہ سوجھ سکی جس کے تحت اُسے روکا جاسکتا۔

"چلئے صاحب پھر آپ ہی چلئے۔" تفضل کراہ کر اٹھتا ہوا بولا۔

"میں.....!" قاسم نے آہستہ سے کہا۔ پھر پاگلوں کی طرح رانیں پیٹتا ہوا چیخا۔

"ارے..... میں قہاں جاسکتا ہوں۔ مجھے تو اسی افلاطون کے ساتھ یہیں..... مرنا سڑنا گلنا ہے۔
ہائے سالے ابا جان تم نے کہیں کا نہ رکھا..... دھکے کھاتا پھر رہا ہوں۔"

"یہ کیا کہہ رہے ہیں۔" تفضل نے متحیرانہ لہجے میں حمید سے پوچھا۔

"آپ جا کر آرام کیجئے تفضل صاحب۔" حمید بولا۔ "اس پر شاید اثر ہوگیا ہے۔ پھونک
جھاڑ کے بغیر نہیں اترے گا۔ بس اب جائیے۔"

تفضل صرف چوکیدار کے ساتھ جانے پر رضامند نہیں ہوا کیونکہ چوکیدار بھی خائف نظر
آ رہا تھا۔ آخر حمید اور قاسم بھی اُسے دوسری عمارت کے برآمدے تک چھوڑنے آئے۔

برآمدے میں روشنی تھی۔ جیسے ہی وہ قریب پہنچے مسز تفضل جھپٹتی ہوئی ایک کمرے سے نکلی۔

"کیا ہوا..... کیا ہوا..... میں نے شور سنا تھا۔" اس نے کہا۔

"اوہ..... یہاں تک آوازیں پہنچی تھیں۔" حمید نے حیرت ظاہر کی۔

"چوکیدار نے شور سن کر ہمیں جگا دیا تھا۔ میں نے پولیس کو فون کر دیا ہے۔"

"کمال ہے..... پولیس بیچاری کیا کر سکے گی۔" حمید نے سر ہلا کر کہا۔

"اور سنو۔" تفضل بولا۔ "یہ لوگ پھر وہیں جا رہے ہیں۔"

"نہیں..... یہ ناممکن ہے..... قطعی ناممکن ہے۔" بے بی نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور قاسم اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"مگر ہوا کیا۔" مسز تفضل نے پوچھا۔

تفضل نے ہانپتے ہوئے پوری کہانی سنائی اور حمید کو یقین ہو گیا وہ واقعات رونما ہونے کے وقت تک سوتا نہیں رہا تھا۔ تو پھر اسکے خراٹے قطعی طور پر مصنوعی تھے۔ لیکن اس حرکت کا مقصد تو ابھی تک کسی بھی حرکت کا سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ تفضل ہی نے یہ مکان اٹھایا تھا لیکن اس کی بیوی مخالفت کرتی رہی تھی اور پھر کتے کی موت جو یقینی طور پر غیر فطری تھی۔ کیا اُسے بھی کسی طرح ان واقعات سے نتھی کیا جا سکتا تھا۔ پھر اس کا مقصد بھی... کرنے کی ضرورت پیش آتی۔

مگر بنیادی بات تو تھی اُس مکان کا کرایہ پر دیا جانا۔ تفضل کیا چاہتا تھا۔ کیا صرف یہی کہ اس مکان کی پبلسٹی آسیب زدہ ہونے کی حیثیت سے ہو جائے یا اس میں کوئی اور مقصد پوشیدہ تھا۔

دوسروں کے بیان کے مطابق وہ مکان بہت عرصے کے بعد کسی کو کرایہ پر دیا گیا تھا۔ دوسرے الفاظ میں کوئی کرایہ دار آ ہی دھمکا تھا ورنہ گھر والے تو پہلے ہی کرایہ داروں کو وہاں تک پہنچنے سے باز رکھتے تھے۔

حمید واپسی کے لئے مڑنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ پھاٹک کے قریب کوئی گاڑی رکی۔ پھر پھاٹک ہلایا جانے لگا۔ غالباً پولیس آ گئی تھی۔

قریبی تھانے کا سیکنڈ آفیسر دو کانسٹیبلوں کے ساتھ آیا تھا۔ رات کے دو بج رہے تھے۔ آفیسر نے یہی سوال کیا کہ جب مکان آسیب زدہ سمجھا جاتا تھا تو کرایہ پر دیا ہی کیوں گیا۔ پھر وہ اُن کے ساتھ اس مکان میں گیا۔ لیکن خون کے دھبے اُسے کہیں نظر نہ آئے۔ ملازم

اس وقت بھی صحن اور دالان میں موجود تھے جب وہ دونوں تفضل کو پہنچانے کے لئے دوسری عمارت تک گئے تھے۔

"خواب دیکھا ہوگا آپ لوگوں نے۔" سیکنڈ آفیسر نے مسکرا کر کہا۔

"یہی میں بھی کہہ رہا تھا آپ سے تفضل صاحب۔" حمید نے بڑی سادگی سے کہا۔

"جی.....!" تفضل آنکھیں پھاڑ کر اس کی طرف گھوما۔

"یہی کہ خواب ہی دیکھا ہوگا آپ نے۔"

"ارے..... یہ آپ کہہ رہے ہیں..... یعنی وہ آگ..... وہ خون۔"

"میں نے تو کچھ بھی نہیں دیکھا تفضل صاحب۔ آپ ہی بوکھلا کر اٹھے تھے اور چیخنے لگے تھے۔"

"غضب خدا کا۔" تفضل نے دہاڑ کر رانوں پر ہاتھ مارے اور قاسم کی طرف گھوما۔ "آپ کیوں چپ ہیں جناب۔"

"دو بجے رات کو میں چپ ہی رہتا ہوں۔" قاسم نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"آپ نے نہیں دیکھا تھا خون..... وہ آگ۔"

"آپ کے خواب میں..... میں کیسے دیکھتا بھائی صاحب۔"

سیکنڈ آفیسر ہنس پڑا اور حمید سے بولا۔ "کیا آپ نے فون کیا تھا؟"

"جی نہیں بھلا میں کیوں کرتا۔ چین سے سو رہا تھا..... کہ یک بیک تفضل صاحب نے چیخم دھاڑ مچا دی..... پھر شاید بیگم صاحبہ نے ان کی آوازیں سن کر ہی فون کیا ہوگا۔"

"جی ہاں..... مم..... میں نے ہی فون کیا تھا۔ سمجھی تھی شائد کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔"

"مگر یہ آپ کے کمرے میں یہاں کیوں سوئے تھے۔" سیکنڈ آفیسر نے حمید کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"دیکھئے قصہ دراصل یہ ہے کہ ہم سے تین ماہ کا پیشگی کرایہ لے کر انہوں نے مکان ہمیں دیا تھا۔ صبح جب ہم سامان لے کر یہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ مکان آسیب زدہ ہے۔ دونوکر غل غپاڑہ مچاتے ہوئے دوڑے آئے کہ کمروں میں دھواں اور خون پھیلا ہوا ہے۔ ٹھیک ہے.....

اُس وقت ہمیں بھی وہ چیزیں دکھائی دے گئی تھیں۔ لیکن ہم نے سوچا ممکن ہے کوئی ایسا
مل گیا ہو جو ہم سے زیادہ کرایہ ادا کر سکے۔ جی ہاں..... پھر ہم ایسی صورت میں کیا
کر لیتے..... بہر حال تفضل صاحب مصر ہو گئے کہ ہم وہاں نہ رہیں۔ لیکن جب ہم اپنے
دستبردار ہونے پر آمادہ نہ ہوئے تو انہوں نے تجویز پیش کی کہ ہمارے ہی ساتھ رات
گے۔ ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ سوئے اور پھر یک بیک چنگھاڑنے لگے۔"

"ارے اُو چوکیدار.....!" تفضل پھر دہاڑا۔ "ابے تو نے بھی تو دیکھا تھا خون۔"

"جج..... جی ہاں..... سرکار!"

"بس صرف ہم دو ہی اندھے بستے ہیں یہاں۔" حمید نے جھلائے ہوئے لہجے

اور قاسم بہ آواز بلند جماہی لے کر منہ چلانے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ان معاملات
قطعی بے تعلق ہو۔

سیکنڈ آفیسر نے تفضل کی بیوی سے کہا۔ "بیگم صاحبہ آئندہ احتیاط رکھئے۔ ہمارا
بہت قیمتی ہوتا ہے۔"

بیگم نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ ہلائے مگر پھر خاموش ہی رہی۔

آفیسر اپنے ماتحتوں سمیت رخصت ہو گیا اور تفضل پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔ "میں
بیہوش ہو جاؤں گا۔"

"اور پھر مجھے ہی بور کرو گے۔" قاسم نے ہاتھ نچا کر کہا۔ "کہ اُمے اب تم دیکھ
کہ میں بیہوش ہو گیا ہوں یا نہیں۔"

"کیا یہ حقیقت ہے کہ آپ لوگوں نے کچھ نہیں دیکھا تھا۔" مسز تفضل نے حمید سے

"خون بھی دیکھا تھا اور آگ بھی دیکھی تھی۔" حمید مسکرایا۔

"حق اللہ.....!" قاسم نے نعرہ لگایا اور دونوں ہاتھوں سے سر پیٹنے لگا۔ پھر تفضل
بولا۔ "ابے تفجل بھائی اب تم بالکل بیہوش ہو جاؤ۔ میں اپنے سر پر طبلہ بجاؤں گا۔"

تفضل کی بیوی ہنس پڑی۔ بس پھر کیا تھا۔ قاسم کی باچھیں کھل گئیں۔ بالکل سنگ

پھر اس طرح ہونٹ سکوڑے جیسے حمید کی ٹھوڑی پر مکا رسید کر دے گا۔

لیکن حمید نے لاپروائی سے جماہی لیتے ہوئے کہا۔ "اگر میں بھی اعتراف کر لیتا تو بات
رہ جاتی اور پھر نہ جانے کب سونا نصیب ہوتا۔"

"خدا کی پناہ..... ایسی حالت میں بھی نیند آپ کے لئے بہت اہم ہے۔" مسز تفضل
قریباً چیخ پڑی۔

"آہستہ بولئے..... محترمہ..... میں دل کا مریض ہوں۔" حمید نے داہنے ہاتھ سے بائیں
کی نبض ٹٹولتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

"یہ لوگ خود بھی بھوت ہیں۔ میں سمجھ گیا۔" تفضل نے غصیلے لہجے میں کہا۔
"آؤ چلیں۔"

"آپ نے پولیس والوں سے غلط بیانی کیوں کی۔" مسز تفضل نے پھر حمید کو مخاطب کیا۔

"سچی بات سے بھی اُسے کوئی دلچسپی نہ ہوتی۔ البتہ اگر میں یہاں مرجاؤں تو لاش کا
پوسٹ مارٹم ضرور ہوگا۔ اگر موت خون کی وجہ سے ثابت ہوگی تب کہیں جا کر وہ بھوتوں کے
امکانات پر غور کریں گے۔ ورنہ پھر انہیں پھانسی کے پھندے کیلئے کسی گردن کی تلاش ہوگی۔"

"سنئے جناب" مسز تفضل ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "ابھی آپ نے آفیسر کے سامنے جیسی باتیں
کیں اُن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان واقعات کو ہماری حرکت تصور کر رہے ہیں۔"

"آپ خود ہی سوچئے..... جب تک میں کسی بھوت کو پکڑ نہ لوں اور کیا سوچوں گا۔"

"بتایئے نا..... وہ خون کے دھبے کہاں ہیں۔"

یک بیک باہر سے شور کی آوازیں آئیں اور ایک نوکر دوڑتا ہوا وہاں پہنچا اور گر کر ہانپنے
لگا۔ اُس کے ہونٹ آہستہ آہستہ ہل رہے تھے اور آنکھیں اس انداز میں بند ہوتی جا رہی تھیں
جیسے دم توڑ رہا ہو۔

حمید بے تحاشہ اس پر جھک پڑا۔

"کیا ہوا..... کیا ہوا۔" وہ سب چیخے۔

حمید کی انگلیاں اس کی نبض پر تھیں..... پھر دوسرا نوکر بھی گرتا پڑتا وہیں آ پہنچا۔

"بے بی۔" تفضل چیخا۔ "بے بی کہاں ہے۔ بے بی کہاں ہے۔"

مسہری کے نیچے

دوسرے ملازم کو بمشکل سنبھالا جاسکا۔ ورنہ وہ بھی گرا ہوتا۔ تفضل بدستور "بے بی بی" چیخے جارہا تھا۔

"خاموش رہو۔ وہ یہاں نہیں آئی تھی۔" اس کی بیوی نے ڈانٹا۔

"بے بی۔" دوسرا ملازم قاسم کے سہارے کھڑا ہانپتا ہوا بولا۔ "بے بی چیخ سرکار..... اور کھڑکی میں..... خبیث..... ہم دونوں برآمدے میں تھے۔"

"کیا بک رہا ہے۔" تفضل چیخا۔ "جلدی سے کہہ چک۔"

"خبیث نے اندر نہیں جانے دیا۔"

"کون سالا ہے چلو میں دیکھوں۔" قاسم غرایا۔

"ارے چلو..... چلو..... خدا کے لئے۔" تفضل دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

دوسرا ملازم بیہوش پڑا تھا۔ حمید نے اس کی طرف دیکھ کر قاسم سے کہا۔

"اسے بھی اٹھائے لیتے چلو..... بیہوش ہے۔"

"اُوہ..... خدا....." بیگم تفضل کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔ "ان لوگوں نے کیسی میں پھنسا دیا۔ ارے جلدی کرو۔ وہ بہت کمزور دل کی لڑکی ہے۔"

ایک بار پھر یہ قافلہ رہائشی عمارت کی طرف آیا۔ ساری کوٹھی چھان ماری گئی۔

لیکن بے بی؟ اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔ عقبی دروازہ جو ویرانے کی طرف کھلتا تھا۔ کھلا اور وہیں ایک سلیپر بھی پڑا نظر آیا۔

"یہ بے بی کا ہے۔" بیگم تفضل ہانپتی ہوئی بولی۔ "یا خدا یہ کیا ہو رہا ہے۔"

حمید نے باہر نکل کر ٹارچ روشن کی اور گردوپیش کا جائزہ لینے لگا۔ پھر اُس ملازم کی طرف مڑا جس نے کسی خبیث کا حوالہ دیا تھا۔

"ہاں کیسا تھا وہ خبیث۔"

"بڑی ڈراؤنی شکل تھی جناب..... بڑے بڑے دو دانت ہاتھی کے دانتوں کی طرح نکلے ہوئے تھے اور آنکھیں انگارہ۔"

"ہوں۔" حمید نے ٹارچ کی روشنی میں پھر آس پاس کی زمین پر ڈالی۔ زمین پتھریلی تھی اس لئے کسی قسم کے نشانات نہ مل سکے۔

پھر وہ ایک طرف بڑھتا چلا گیا۔

"ٹھہریئے۔" دفعتاً تفضل ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "یہ آپ کہاں کھسکے جارہے ہیں۔"

"کہیں نہیں۔" حمید مڑا۔ "کیا آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ بے بی کے غائب ہوجانے میں ہمارا ہاتھ ہے۔"

"اس وقت میں سب کچھ سوچ سکتا ہوں۔ بُرا لگا ہو تو معاف کردیجئے۔ اُوہ بیگم فون..... خدا کے لئے پھر فون کرو۔"

"اب کس منہ سے فون کروں گی۔ تم ہی کوشش کرو۔"

"براہ راست ایس پی واصف کو فون کرو..... میرا دوست ہے..... خدا کے لئے جلدی کرو۔ جب تک اس کی آواز نہ سنو برابر رنگ کرتی رہو..... سو رہا ہوگا..... نمبر تھری فائیو ایٹ زیرو۔ پھر سنو..... تھری فائیو ایٹ ناٹ.....!"

"جارہی ہوں۔ مگر ان لوگوں سے ہوشیار رہنا۔ اب تو مجھے بھی شبہ ہو رہا ہے۔"

"کیا کہہ رہی ہیں بیگم صاحب۔" قاسم نے دانت نکالے۔

لیکن وہ کوئی جواب دیئے بغیر اندر چلی گئی اور حمید جو کچھ دور چل کر واپس آ گیا تھا ملازم سے بولا۔ "چلو بتاؤ وہ کس کھڑکی میں نظر آیا تھا۔"

"جنت کی کھڑکی۔" قاسم جھلا کر ہاتھ نچاتا ہوا بولا۔ "اب ڈفلی بجاتے پھر... کر رہا تھا۔"

"کیا منع کر رہے تھے۔" تفضل اُسے گھورنے لگا۔

"صبح کمرے میں خون دیکھ کر یہ بھی بوکھلا گئے تھے۔" حمید نے کہا اور مجھے مشو... کہ ہم یہاں سے واپس چلیں۔

"اَمے کھوپڑی استعمال کرو۔" قاسم نے حمید سے قہر آلود لہجے میں کہا۔ "ان کا... یہ ہے کہ ان کی بے بی کو ہم نے ہی گائب کر دیا ہے۔ اے میاں تفجل..... تم اپنی بے... سمجھتے ہو۔"

"آپ کے اس سوال کا مطلب۔"

"ایسی آنکھیں بنائے رکھتی ہیں۔" قاسم نے اپنی آنکھیں نشیلی بناتے ہوئے کہا۔ "... اب مریں اور تب مریں۔"

"کیا بکواس کر رہے ہیں آپ۔" تفضل آپے سے باہر ہو گیا۔

"قاسم خاموش رہو۔" حمید نے بھی ڈانٹا۔

"اَمے تم چوپ راؤ۔ میں دماگ درست قردوں گا ان کا۔ بیگم صاحبہ گائب ہوئی ہو... میں مان لیتا کہ چلو بھئی ٹھیک ہی ہوگا..... مگر یہ بے بی جو آپ ہی آپ مری جا رہی ہیں..... بلا کوت۔"

"اُووو..... میں پاگل ہو جاؤں گا.....!" تفضل اپنا سینہ پیٹتا ہوا بولا۔ "یہ بیہودہ ک... رہا ہے۔"

"لاؤ..... لاؤ..... میں کوٹ دوں سینہ۔ سچی بات پر سب کو غصہ آتا ہے۔ اَمے تمہار... بی تو میری گلہری خانم سے بھی جیادہ مریل ہیں۔"

"قاسم.....!" حمید نے پھر اُسے للکارا۔

"اَمے..... یہ الزام لگائے جائیں اور میں کھاموش رہوں تمہاری بھی ایسی کی تیسی..... ہاں

اتنے میں تفضل کی بیوی بھی واپس آ گئی اور قاسم یک بیک ساکت ہو گیا۔

تفضل جو کچھ بھی سمجھا ہو لیکن قاسم کی اس بکواس کا مطلب یہی تھا کہ اُسے دبلی پتلی اور دھان پان قسم کی لڑکیوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ البتہ اگر بیگم صاحبہ غائب ہوئی ہوتیں تو وہ ضرور سوچتا کہ کہیں واقعی اسی نے نہ غائب کر دیا ہو۔

"تفضل صاحب۔" حمید نے کہا۔ "اگر آپ کو ہم پر کسی قسم کا شبہ ہے تو ہم کہیں بھاگے نہیں جاتے۔ آپ نے ایس۔ پی کو بلو لیا ہے۔ یہ بڑی اچھی بات ہے۔ مجھے سچ مچ صاحبزادی کے بارے میں تشویش ہے۔ کیونکہ بھوت کسی جیتے جاگتے آدمی کو غائب کر دینے کی قوت نہیں رکھتے۔"

"میں پوچھتا ہوں..... یہ حضرت کیا بک رہے ہیں۔" تفضل وحشیانہ انداز میں بولا۔

"میں آپ سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ یہ ہوش میں نہیں ہے۔"

"ٹھینگے سے۔" قاسم بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑایا اور دوسری طرف مڑ گیا۔

حمید بدقت تمام سچویشن پر قابو پانے میں کامیاب ہو سکا اور پھر وہ سب اسی کمرے میں آئے جہاں ایک کھڑکی میں ملازم کو خوفناک چہرہ نظر آیا تھا۔

فرش پر قالین تھا اس لئے یہاں بھی حمید کو ناکامی ہی کا منہ دیکھنا پڑا۔ کم از کم قدموں کے نشانات تو یہاں بھی نہ مل سکتے۔

یک بیک بیگم تفضل کراہی اور حمید چونک کر اسکی طرف دیکھنے لگا۔ وہ کسی سوچ میں گم تھی۔

"اوہ اب میں سمجھی۔" اس نے تفضل کو مخاطب کیا۔ "یہ اس نمک حرام کی حرکت بھی ہو سکتی ہے۔"

"کس کی۔"

"اسی شاعر کے بچے کی جو بے بی کی طرف دیکھتا ہوا جھوم جھوم کر غزلیں سنایا کرتا تھا۔"

"غزلیں سنایا کرتا تھا۔" تفضل گرجا۔ "تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔"

"کیا فرہاد صاحب؟" حمید نے پوچھا۔

"سر پر ہاتھ رکھ کر روئے گا سالا۔" قاسم بولا۔ "ساری فرہادی دھری رہ جائے گی۔"

اس کی طرف کسی نے بھی دھیان نہ دیا۔ لیکن حمید کو بھی اپنے سوال کا جواب نہیں ملا تھا۔

استنے میں باہر سے کسی نے گھنٹی بجائی۔ تفضل دروازے کی طرف بڑھا۔

پھر تھوڑی ہی دیر بعد حمید کو ایک نئے مسئلے سے دو چار ہونا پڑا۔ اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ آج کل رام گڈھ میں ایس پی کے فرائض کون انجام دے رہا ہے۔ لہٰذا ٹیکم گڑھ والے ایس پی واصف کو دیکھ کر وہ بوکھلا گیا۔ واصف بھی اُسے دیکھ کر پہلے تو چونکا اور پھر بڑے پرمسرت انداز میں اس کی طرف بڑھا۔ ''اوہو آپ ہیں۔'' حمید جلدی سے بولا۔ ''چلئے اچھا ہوا اب آپ تفضل صاحب کو مطمئن کرسکیں گے کہ میں ایک باعزت بزنس مین ہوں۔''

اس جملے نے سچویشن قابو سے باہر نہیں ہونے دی۔ واصف ٹھٹکا اور پھر سنبھل گیا۔ غالباً وہ سمجھ گیا تھا کہ حمید یہاں اپنی اصلیت چھپانا چاہتا ہے۔

''اوہ ضرور ضرور۔'' واصف گرم جوشی سے مصافحہ کرتا ہوا بولا۔ ''کیا قصہ ہے۔''

''کہیے تفضل صاحب کیا بات ہے۔ بیگم صاحبہ آداب عرض کرتا ہوں..... کیوں؟ آپ لوگ پریشان معلوم ہوتے ہیں۔''

''میں نے فون پر آپ کو حالات سے آگاہ نہیں کیا۔'' بیگم حمید کو گھورتی ہوئی بولی۔ ''مگر یہ لوگ۔''

''دونوں معزز اور شریف ہیں۔ میں بہت دنوں سے جانتا ہوں۔ کیا آپ کو ان سے کوئی شکائت ہے۔''

''کوئی بے بی کو اٹھا لے گیا ہے۔'' اس نے کہا۔

''میرے خیال سے یہ کہانیاں دہرانے کا وقت نہیں ہے۔'' حمید بولا۔ ''واصف صاحب میرے ساتھ آئیے۔''

وہ آصف کو ساتھ لے کر پھر عقبی دروازے کی طرف آیا۔ اس بار دوسروں نے ان کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ حمید نے مختصراً پوری داستان دہرائی اور پھر وہ باہر نکل کر دور تک بڑھتے چلے گئے..... حمید نے ٹارچ روشن کررکھی تھی۔

دفعتاً وہ رک گیا..... روشنی کا دائرہ لڑکی کے دوسرے سلیپر پر تھم گیا تھا۔ یہاں سے کوٹھی کا

فاصلہ تقریباً ایک فرلانگ ضرور رہا ہوگا۔

''یہ لڑکی کا دوسرا سلیپر ہے۔'' حمید نے کہا۔

واصف نے جھک کر اسے اٹھایا۔ چند لمحے خاموش رہا اور پھر بولا۔ ''یہاں اس زمین پر اندازہ لگانا بہت مشکل ہے کیپٹن۔''

''اسی لئے میں نے پہلے ہی آگے بڑھنے کا ارادہ ترک کردیا تھا۔ آپ کو اس طرف اس لئے لایا ہوں کہ مسٹر اینڈ مسز تفضل کے بارے میں کچھ معلوم کرسکوں۔''

''یہ جوڑا..... میری سمجھ سے باہر ہے۔ حالانکہ پچھلے چھ ماہ سے انہیں جانتا ہوں۔ اکثر قریب سے بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ تفضل احمق اور سادہ لوح ہے۔ اتنا نیک ہے کہ اس کے متعلق سنی سنائی باتوں پر یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ لیکن حقائق سے کسے انکار ہوگا۔ مثال کے طور پر ایک بار راہ چلتے ایسی جگہ جا پہنچا جہاں مذہبی وعظ ہو رہا تھا۔ بس بیٹھ گئے سننے کے لئے..... واعظ غالباً غرباء کی امداد کے متعلق احکام خداوندی کا تذکرہ کررہے تھے۔ اس پر تفضل اتنا رویا کہ ہچکیاں لگ گئیں۔ اُس وقت اس کے پرس میں تقریباً پانچ ہزار روپے موجود تھے جو اس نے وہیں تقسیم کردیئے اور پھر گھر واپس آیا۔ جتنا بھی کیش موجود تھا تجوری سے نکالا اور رات بھر شہر کی غریب بستیوں میں بانٹتا پھرا۔ راہ چلتے لوگوں کے کام آتا ہے..... اکثر یتیم خانوں کے لئے چندہ بھی اکٹھا کرتا ہوا دیکھا گیا ہے۔ کہتا ہے کہ نیک کاموں کے لئے اگر آدمی کو اپنی سطح سے گرنا پڑے تب بھی پرواہ نہ ہونی چاہئے۔''

''جھوٹا بھی ہے۔'' حمید نے کہا۔

''کس حد تک۔'' واصف مسکرایا۔ ''ایک دلچسپ کردار ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے اپنے کارنامے سنائے ہوں آپ کو۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ وہ آپ کے دوست قاسم سے کچھ ہی کم ہے۔ ہاں تو غالباً اس نے آپ کو اپنے شکار کے قصے سنائے ہیں۔ صرف اسی معاملے میں احمقوں کی طرح ڈینگیں مارتا ہے۔ مثلاً آپ ہاتھیوں کے شکار کا قصہ چھیڑیں تو وہ زندہ ہاتھی پکڑنے کی کوشش کرے گا۔ نئے ملاقاتیوں کو خصوصیت سے اپنے اسلحہ خانہ کی سیر کراتا ہے..... لیکن میر

ادعویٰ ہے کہ شائد ہی کبھی فائر کرنے کا اتفاق ہوا ہو۔''

''اس کا ٹائپ تو میری سمجھ میں آ گیا ہے۔ بیگم تفضل کے متعلق کیا خیال ہے۔''

دفعتاً واصف چونک کر بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ ہم وقت برباد کر رہے ہیں۔ لڑکی کے لئے کچھ کرنا چاہیئے۔ کیا انہیں کسی پر شبہ بھی ہے۔''

''پہلا شبہ ہم پر ہے..... پھر بیگم تفضل نے شاعر بھتیجے کا حوالہ دیا تھا۔ غالباً وہ تفضل کا بھتیجا ہے۔ کیا نام ہے..... جی ہاں..... ارشاد۔''

''اچھا..... وہ..... سمجھ گیا۔ ممکن ہے۔ یہاں اس لڑکی کے سینکڑوں امیدوار ہیں کیونکہ تفضل کی اکلوتی لڑکی ہے۔ تفضل کے بعد کروڑوں کی مالک۔''

''تب پھر بیگم تفضل کے امکانات پر بھی غور کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس کی عدم موجودگی میں وہ خود بھی کروڑوں کی مالک ہو سکتی ہے۔''

''تنہا نہیں..... لڑکی کی عدم موجودگی میں تقریباً نصف درجن مزید حقدار پیدا ہو جائیں گے۔ تفضل کے قریبی عزیز..... نہیں اس کے امکانات نہیں ہیں۔ آئیے چلیں۔''

وہ اندر آئے۔ یہاں قاسم غالباً کسی بات پر الجھ کر آنکھیں نکالے کہہ رہا تھا۔ ''اگر میں تمہارا باپ ہوتا تو جانتے ہو کیا ہوتا؟''

''کیا ہوتا.....؟'' تفضل نے بھی اسی کے سے انداز میں آنکھیں نکالیں۔

''میں تمہارا نام تجمل سے، بجائے فضول رکھتا۔''

''حد ہوگئی..... حد ہوگئی۔'' تفضل دونوں ہاتھوں سے رانیں پیٹنے لگا۔

''قاسم! خدا کے لئے ہوش میں آؤ..... آدمی بنو۔'' حمید نے کہا۔

''تمہارے کہنے سے تو ہرگز نہیں بنوں گا۔'' قاسم غرایا۔ ''ایس پی صاحب کہہ کر دیکھیں۔''

''پلیز.....!'' واصف مسکرایا۔

''اچھی بات ہے۔'' قاسم نے کہا اور کھڑکی کے قریب کھسک گیا۔ اب اس کا رخ تاریک لان کی طرف تھا۔

''کسی پر شبہ ہے آپ کو۔'' واصف نے مسز تفضل سے پوچھا۔

''اگر آپ ان لوگوں کو قابل اطمینان سمجھتے ہیں تو پھر ہم اپنے بھتیجے ارشاد کی طرف سے بے اطمینانی ظاہر کریں گے۔''

''ٹھہریئے..... فون کہاں ہے۔ ہم اُسے چیک کئے لیتے ہیں۔'' واصف نے کہا اور تفضل کے اشارے پر اس کے ساتھ باہر چلا گیا۔

پھر کچھ دیر کیلئے یہاں سناٹا چھا گیا تھا۔ قاسم نے مڑ کر ان کی طرف نہیں دیکھا۔ اس کے چہرے پر بھی تفکر کے آثار تھے۔ لیکن اکثر یہ بھی محسوس ہونے لگتا جیسے اندر ہی اندر کھول رہا ہو۔

دفعتاً مسز تفضل نے حمید سے پوچھا۔ ''واصف صاحب آپ کو کب سے جانتے ہیں۔''

''سالہا سال سے..... سردیوں میں ہم دونوں لومڑیوں کا شکار کھیلا کرتے تھے۔ ٹیکم گڈھ میں۔''

''کچھ بھی ہو..... یہ سب ہوا آپ ہی لوگوں کی بدولت۔''

''جی ہاں درست ہے۔ نہ ہم بھوتوں کو چھیڑتے اور نہ وہ ایک زندہ آدمی کو لے بھاگتے۔''

قاسم بے ڈھنگے پن سے ہنس پڑا اور بولا۔ ''یار ہو بالکل چغد..... عورت کو آدمی کہتے ہو۔''

''پھر بولے تم۔'' حمید جھنجھلا گیا۔

''نہیں..... اب کی عورت کو مولوی صاحب بھی کہہ دینا۔ میں کھاموش ہی رہوں گا۔''

قاسم نے اپنی دانست میں طنزیہ لہجہ اختیار کیا..... اور مسز تفضل بے اختیار مسکرا پڑی۔

قاسم نے پھر منہ پھیر لیا۔ ورنہ اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھ کر اس کی تو باچھیں کھل جاتیں اور حمید اُسے قابو میں نہ رکھ سکتا۔

مسز تفضل نے کہا۔ ''جہاں تک مکان کے آسیب زدہ ہونے کا سوال ہے اب اس میں شبے کی گنجائش نہیں رہی۔ لیکن بے بی کے معاملے کو اس نقطہ نظر سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ یہ کوئی اور ہی تھا جس نے اس ہنگامے سے فائدہ اٹھایا۔''

''یعنی ارشاد کا نام یقین کے ساتھ نہیں لیا جا سکتا۔''

''وہ بھی ہو سکتا ہے..... وہی ایسا ہے جس کی آمد و رفت یہاں زیادہ رہی ہے۔''

"قدیر صاحب کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"آپ بکواس کررہے ہیں۔" مسز تفضل حلق پھاڑ کر چیخی۔

"خدا کا شکر ہے کہ میں کھاموش ہوں۔" قاسم نے مسمسی صورت بنا کر کہا۔

"آپ کو قدیر کا نام لینے کی جرأت کیسے ہوئی..... آپ اسے کیا جانیں..... نسرین ماموں کہتی ہے..... وہ میرا بھائی ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ اچانک کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔

کچھ دیر بعد واصف اور تفضل واپس آئے اور واصف نے مسز تفضل کو بتایا کہ اس ارشاد کے لئے قریبی تھانے کے انچارج کو فون کردیا ہے۔

"فضول ہے..... واصف صاحب۔" حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "مناسب یہی ہے کہ آپ ہمارے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالیں اور زبردستی ہمیں یہاں سے گھسیٹ لے جائیں۔"

"کیوں..... کیوں.....؟" واصف کے لہجے میں تحیر تھا۔

"بھوت یہی چاہتے ہیں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"اگر آپ ہمیں اس مکان میں قیام کرنے سے باز رکھیں تو نسرین صاحبہ بھی واپس آجائیں گی۔ یعنی بھوت صاحبان انہیں ریلیز کردیں گے۔"

"اُوہ.....!" مسز تفضل نے دانت پیس کر بائیں ہتھیلی پر مکا مارا۔ "پھر وہی باتیں۔ ہم مکان خالی کرانے کے لئے خود ہی بھوت بن گئے ہیں۔"

"ارے نہیں بیغم صاحب۔" قاسم نے دانت نکال دیئے۔ "ہی ہی..... آپ بھوت..... لاحول بلاکوت.....!"

"میں نے یہ تو نہیں کہا۔ صرف بھوتوں کی خواہش ظاہر کی ہے۔ ورنہ نسرین صاحبہ تو اب بھی اسی عمارت میں موجود ہیں۔"

"عمارت کا کونا کونا ہم نے دیکھ ڈالا ہے۔" تفضل نے غصیلی آواز میں کہا۔

"شائد میں انہیں ان کی خواب گاہ ہی سے برآمد کرسکوں۔" حمید نے مسز تفضل کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے کہا۔ لیکن وہاں حیرت کے اظہار کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔

"بڑی عجیب باتیں کررہے ہیں آپ۔" واصف مسکرا کر بولا۔ "خیر آیئے دیکھیں۔"

"یہ حضرت پتہ نہیں کس چکر میں ہیں۔" بیگم تفضل بڑبڑاتی ہوئی اُنکے پیچھے چل رہی تھی۔

وہ "بے بی" کی خواب گاہ میں آئے۔ واصف چاروں طرف دیکھ کر حمید کی جانب مڑا۔ اس کی آنکھوں میں سوال تھا۔ حمید مسز تفضل کو گھور رہا تھا۔ لیکن وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ ویسے چہرہ پرسکون ہی دکھائی دیتا تھا۔

بے بی کی مسہری خالی پڑی تھی۔ بستر شکن آلود تھا۔ دفعتاً حمید نے آگے بڑھ کر مسہری سے فرش تک لٹکی ہوئی چادر اٹھادی۔

"اُوہ.....!" واصف جھک کر دیکھنے لگا۔ نسرین مسہری کے نیچے فرش پر چت پڑی ہوئی تھی۔

"کیا ہے..... کیا بات ہے۔" تفضل نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ کیونکہ اس طرح اچانک جھک پڑنا اس کے بس کا روگ تو نہیں تھا۔

بیگم تفضل بھی جھکی تھی اور قاسم نے تفضل کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا تھا۔ "اللہ کی مرجی..... ہم دونوں اتنی جلدی جھک بھی تو نہیں سکتے۔"

قاسم کی جاسوسی

فرہاد اپنا نام سن کر آپے سے باہر ہوگیا۔ پہلے اپنی چچی اور چچا کو برا بھلا کہتا رہا پھر پوچھا۔ "یہ کب کی بات ہے؟"

"پچھلی رات کی۔" واصف نے جواب دیا۔

"اس سے بڑی بیہودگی آج تک میری نظروں سے نہیں گذری۔ آخر مجھ پر کیوں شبہ کیا گیا۔"

"بیگم تفضل کا خیال ہے کہ آپ بھی محترمہ نسرین کے امیدواروں میں سے ہیں۔"

"مگر میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ کو ان معاملات سے کیا سروکار۔" فرہاد اس پر الٹ

"مطمئن رہیے۔" حمید مسکرایا۔ "امیدواروں کی فہرست میں اضافہ نہیں ہوا۔ چونکہ سارا الزام ہم ہی دونوں پر ہے۔ اس لئے اصلیت معلوم کرنے کی فکر ہونی ہی چاہئے۔ بر اپنے ہی پلنگ کے نیچے سے برآمد ہوئیں تو دونوں نے برملا ہمیں ہی الزام دینا شروع کر اتفاق سے دریافت بھی میری ہی تھی۔"

"میں نے آپ کو سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ مکان کے حصول سے باز رہیے۔"

"درست ہے۔ میں نے آپ کی بات نہیں مانی تھی۔ اس لئے.....؟"

"ٹھہریئے! کسی غلط نتیجے پر پہنچنے سے پہلے یہ بھی سوچ لیجئے کہ آپ کے وہاں نہ سے میرا کیا فائدہ ہوتا۔"

"میں یہی معلوم کرنے کی کوشش کررہا ہوں مسٹر فرہاد.....ارر.....ارشاد۔"

"کیا اس خاندان میں کوئی مجھے فرہاد کے نام سے یاد کرتا ہے۔"

"آپ بھول رہے ہیں۔ پرسوں رات ہوٹل میں کسی نے آپ کو اسی نام سے آواز دی تھ

"ہاں تو مجھے یہاں کیوں طلب کیا گیا ہے جناب۔" فرہاد نے واصف سے پو

"ظاہر ہے کہ نسرین گھر سے برآمد ہوگئی تھی۔"

"دراصل مجھے بھی ان بھوتوں سے کچھ دلچسپی سی ہوگئی ہے۔" واصف مسکرایا۔

"تو آپ کو مایوسی ہی ہوگی۔ آپ کے کسی کام نہیں آسکوں گا۔ میں نہیں جانتا کہ اصل کیا ہے۔ مجھ سے کہا گیا تھا کہ میں انہیں صورت حال سے آگاہ کردوں اور اگر یہ تیار ہو جا تو ادا کیا ہوا کرایہ انہیں واپس کردوں۔"

"آپ کو کس نے بھیجا تھا۔"

"چچی صاحبہ نے۔"

یہ گفتگو دوسری صبح واصف کے دفتر میں ہو رہی تھی۔ لیکن قاسم یہاں موجود نہیں تھا

ہوتے ہوتے بیگم تفضل اس پر بہت مہربان ہوگئی تھیں اور وہ وہیں رہ گیا تھا۔ حمید نے اُسے اس سے باز رکھنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ البتہ یاد دہانی ضرور کرائی تھی کہ وہ اُسے اسسٹ کررہا ہے.....خود بھی جاسوس ہے۔

اس پر قاسم نے سر پیٹتے ہوئے کہا تھا۔ "کیا بتاؤں اس سالے دماگ کا بس بات کرتے کرتے کھٹاک سے آؤٹ ہوجاتا ہے۔ اچھا بیٹا تم میری گردن میں گھنٹہ لٹکا دو۔ وہ بجتا رہے گا اور میں یاد کرتا رہوں گا کہ میں بھی سالا جاسوس ہوں۔"

"میں تمہیں مرغا بھی بنا سکتا ہوں کہ ککڑوں کوں کے علاوہ اور کچھ بول ہی نہ سکو.....مگر تم خود ہی ہوش میں رہنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔"

"اب قروں گا۔" قاسم نے بڑی سعادت مندی سے جواب دیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ بات کسی طرح ختم ہو اور حمید دفع ہوجائے۔ ورنہ وہ تو اسی پر بحث شروع کردیتا کہ آخر مرغ "ککڑوں کوں" کے علاوہ اور کچھ بول ہی کیوں نہیں سکتے۔ کس نے منع کیا ہے انہیں کہ وہ "ککڑی کیں" نہ بولیں۔ یا پھر بات مرغ سے مرغ مسلم تک جا پہنچتی۔

بہرحال حمید تنہا واصف کے آفس کے لئے روانہ ہوگیا تھا اور اب سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ قاسم ہی کو اس فرہاد پر مسلط کردیا جائے۔

"آپ بہت اچھا پڑھتے ہیں۔" حمید نے کہا۔ "کل میں نے سنا تھا۔"

"شکریہ۔" فرہاد کا لہجہ ناخوشگوار تھا۔

"لیکن کتا بیچارہ مفت میں مارا گیا۔"

"کیا مطلب.....؟"

"اوہ.....ایک بات مسٹر.....ذرا یہ تو بتایئے.....کیا کل آپ سے سنانے کی فرمائش کی گئی تھی۔" حمید نے پوچھا۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ کو ان معاملات سے کیا سروکار۔"

"پلیز.....!" واصف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "ہوسکتا ہے کہ یہ سوال اہم بھی ہو۔ اگر یہ نہ

پوچھتے تو میں بھی یقینی طور پر یہی سوال اٹھاتا۔"

"جی ہاں! مجھ سے فرمائش کی گئی تھی اور یہ فرمائش چچی صاحبہ کی تھی.....پھر!"

"پھر کیا! آپ کے چلے آنے پر تفضل صاحب بہت گرم ہوئے تھے۔" حمید ر

"اور بیگم صاحبہ ڈنڈا لے کر کتے پر پل پڑی تھیں اور اُسے ختم ہی کر دیا تھا۔"

"ڈنڈے سے۔" فرہاد کے لہجے میں تحیر تھا۔

"جی ہاں۔"

"آپ مذاق کر رہے ہیں۔ ناممکن۔ وہ بڑا جاندار کتا ہے.....ڈنڈوں سے نہیں مر سکتا"

"تصدیق کر لیجئے۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔

"مگر آپ پچھلی رات کہاں تھے۔" واصف نے پوچھا۔ "میں نے تین بجے آپ سے رابطہ قائم کرنا چاہا تھا۔"

"دیکھئے جناب۔ میں ثابت کر سکتا ہوں کہ نو بجے سے ساڑھے تین بجے تک میں ڈریم نائٹ کلب سے باہر نہیں نکلا تھا۔ میرے ساتھ پانچ آدمی اور بھی تھے۔"

"مشکور ہوں گا اگر آپ ان کے نام اور پتے نوٹ کرا دیں۔" واصف نے کہا۔ بجائی اور اس کا اسٹینو اندر آیا۔ اس نے فرہاد کے بتائے ہوئے نام اور پتے نوٹ کئے۔

فرہاد کے چلے جانے پر واصف نے حمید سے کہا۔ "آخر آپ کتے والے مسئلے کو اہمیت کیوں دے رہے ہیں۔"

"مجھے یقین ہے کہ وہ ڈنڈے کی ضربات سے نہیں مرا۔ اُسے زہر دیا گیا تھا۔"

"اُوہ.....!"

"تفضل نے وہ کتا رکھوالی کے لئے پالا تھا۔ حالانکہ ان کے یہاں چوکیدار بھی ہے لیکن ایک رات تفضل نے کچھ نامعلوم آدمیوں کو کمپاؤنڈ میں داخل ہوتے دیکھا اور دوسرے دن کتا خرید لایا۔ بیوی کتا رکھنے کی مخالفت کرتی رہی تھی۔ لہٰذا جب بھی اُسے تفضل پر غصہ ڈنڈا سنبھالتی اور کتے کی مرمت شروع کر دیتی۔ کیا ممکن نہیں ہے کہ کل اس نے دیدہ

فرہاد سے غزل کی فرمائش کی ہو جبکہ تفضل شاعری سے سخت بیزار ہے اور اُسے پسند نہیں کرتا کہ اس کی چھت کے نیچے اشعار الاپے جائیں۔ مقصد یہ رہا ہو کہ تفضل کو غصہ آ جائے اور بیوی اپنا غصہ کتے پر اتارے۔ لیکن یہ بھی اس کے بس کا روگ نہیں تھا کہ محض ڈنڈے کی ضربات سے کتے کو ہلاک کر دیتی اس لئے کتے کو پہلے ہی سے زہر دے دیا ہو۔ ایسا زہر جو دیر میں اثر کرے۔ بہرحال جس وقت وہ اُسے ڈنڈے مار رہی تھی زہر نے بھی اپنا کام شروع کر دیا تھا اور تفضل یہی سمجھا کہ ڈنڈا ہی موت کا باعث بنا تھا۔"

"مگر مقصد.....؟"

"کتے کی موجودگی میں بھوت نہ پیدا کئے جا سکتے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"بھوتوں کا ڈرامہ گھر کے افراد نے اسٹیج نہ کیا ہوگا۔ اس کیلئے ایسے ہی آدمی رہے ہوں گے جن پر کتا چڑھ دوڑتا۔ یعنی وہ اس کے لئے اجنبی ہوتے۔"

"قرین قیاس ہے۔" واصف کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "لیکن پھر تفضل تو نکلا جاتا ہے۔"

"میں تفضل کی بیوی کی بات کر رہا ہوں۔ وہی نہیں چاہتی تھی کہ مکان کرایہ پر دیا جائے۔"

"پھر بھی مقصد دریافت طلب ہی رہے گا۔"

"یہی تو دیکھنا ہے کہ وہ مکان کرایہ پر نہ دینے کے لئے اس حد تک کیوں بڑھ گئی تھی۔"

"بہرحال الجھا دیا معاملے کو۔" واصف مسکرایا۔ "کرنل کی صحبت نے آپ کو بھی....."

"اب دیکھنا ہے کہ فرہاد کس قسم کا رول ادا کر رہا ہے۔ کیا وہ کتے والی سازش میں دیدہ دانستہ شریک ہوا تھا یا لاعلمی میں آلہ کار بن گیا تھا۔"

"چھوڑیئے.....حمید صاحب۔ کتے کی موت اتنی اہم نہیں ہو سکتی کہ ہم سراغ رسانی کرنے بیٹھ جائیں۔" واصف مسکرا کر بولا۔

"اب اس گھر میں کسی آدمی کی موت بھی برحق ہے۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔"

"امکانات ہیں۔ اتنے لمبے چوڑے اور خطرناک ڈرامے کسی ذرا سی بات کے اسٹیج کئے جاتے۔"

واصف نے اس جملے کی وضاحت چاہی۔ لیکن حمید نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ وہ اس مزید غور کرنا چاہتا ہے۔

حمید واپس آیا تو برآمدے میں قدم رکھتے ہی شور سنائی دیا۔ آوازیں اندر تھیں۔ اس نے گھنٹی کا بٹن دبایا۔ یہاں آنے کی ضرورت ہی نہیں تھی پہلے وہ آب عمارت کی طرف گیا تھا۔ مگر پھر اُسے مقفل دیکھ کر ادھر چلا آیا۔ مقصد اس کے علاوہ اور کچھ تھا کہ قاسم کو ساتھ لے جائے۔

ایک ملازم نے دروازہ کھولا اور پھر پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔ "تشریف لایئے جناب۔"

راہداری میں داخل ہوتے وقت اُس نے قاسم کی آواز سنی وہ غالباً کسی پر برس رہا تھا۔ ڈرائنگ روم میں فرہاد بھی دکھائی دیا۔ اس کے چہرے پر وحشت طاری تھی کیونکہ قاسم اسی سے مخاطب تھا۔ حمید کو دیکھتے ہی وہ اس کی طرف مڑا۔

"آؤ..... آؤ..... بی جمالو" وہ دہاڑا۔ "سالے بس میں چنگاری ڈال کر الگ بیٹھ ملائی کھا رہے ہو۔ تم نے اس شاعر کے بچے سے کیا کہہ دیا ہے..... کھوا مکھواہ بیگم صاحب سر ہو رہا ہے۔"

"مت بکواس کرو۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "یہاں کیا کر رہے ہو چلو.....!"

"میں یہیں رہوں گا۔" قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ "تم کو آجاد کر دیا ہے جہاں چاہے رہو میرے ٹھینگے سے۔"

"لٹکاؤں گھنٹہ گردن میں۔"

"اوہ..... ہو.....!" قاسم یک بیک چونک کر سنبھلا۔ چند لمحے خاموشی سے پلکیں جھپکاتا رہا پھر مردہ سی آواز میں بولا۔ "چلو۔"

"کیا بات ہوئی۔" بیگم تفضل بول پڑی۔

"بس قیا بتاؤں بیگم صاحب..... بات نہیں موت ہوئی ہے۔" قاسم گھگھیایا۔ "اور یہ سب سالے ابا جان کی وجہ سے ہو رہا ہے۔" پھر گرج کر بولا۔ "میں کہتا ہوں ایسا نالائق باپ کیوں پیدا ہوتا ہے۔"

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ آپ اپنے ابا جان پر کیوں خفا ہوتے رہتے ہیں۔"

"بس قیا بتاؤں..... تفجل بھائی کے ابا جان بڑے اکلمند آدمی رہے ہوں گے۔"

"میں کچھ بھی نہیں سمجھی۔"

"ارے..... وہ ہی ہی ہی..... جانے دیجئے۔ مطلب یہ کہ تفجل بھائی جتنے تگڑے ہیں....."

"قاسم.....!" حمید نے پھر للکارا۔

"اچھا بیٹا۔" قاسم اُسے گھونسہ دکھا کر بولا۔ "تم سالے دل کا بکھار بھی نہیں نکالنے دیتے۔ تمہارے تو باپ دادا کی بھی کبھی شادی نہیں ہوئی تھی تم قیا جانو۔" پھر اس نے ٹھنڈی سانس لی "اللہ.....!"

"بھئی..... خدا کے لئے انہیں لے جایئے۔" تفضل بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

قاسم نے قہر آلود نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ مگر کچھ بولا نہیں۔ حمید کے مڑتے ہی وہ بھی چپ چاپ دروازے کی طرف مڑ گیا۔

"تم کیا کرتے رہے تھے۔" حمید نے باہر نکل کر پوچھا۔

"تمہاری ناک کاٹتا رہا تھا۔" قاسم اکڑ کر بولا۔ "تمہارے باپ نے بھی کبھی ایسی کسی نے نہ کی ہوگی..... بیٹا..... ایسی ایسی باتیں معلوم کی ہیں جو کسی کو بھی نہ معلوم ہوں گی۔"

"ہوں..... اور خود بھی دوسروں کو معلومات بہم پہنچائی ہوں گی۔"

"اتنا چگد نہیں ہوں۔" قاسم نے دانت نکالے۔ "سنو..... یہ جو بیگم ہیں نا ان
خالہ تھیں جو شکر قند بہت کھاتی تھیں۔ ایک دن وہ بیٹھی شکر قند کھا رہی تھیں کہ ان
آ گئے۔ بہت کھفا ہوئے۔ کھالا کو بھی غصہ آ گیا اور شکر قند ان کے حلق میں پھنس گئی۔
تھا تڑ سے وہیں گریں اور مر گئیں..... اب بتاؤ بیٹا۔"

مطلع ابر آلود تھا۔ کسی قدر خنکی بھی تھی اور وہ لان کے وسط میں گھاس پر جا بیٹھے۔
تک کسی کا پتہ نہیں تھا۔

"ہاں تو بتاؤ نا.....!" قاسم بولا۔

"یہ جاسوسی کی ہے تم نے۔"

"کرو..... بحث شروع کرو..... ابھی نقل آئے گی جاسوسی بھی تم اور قرنل صاحب
بحث مارتے ہو اور نقلنے لگتی ہے..... جاسوسی۔ میں قہتا ہوں شقر کند..... کھاتے دیکھ کر کھفا
کی کیا جرورت تھی..... اب تم کچھ قہو۔"

"بہک رہے ہو تم..... اُن کی خالا کا اس کیس سے کیا تعلق.....!"

"ان پر بھی کسی جن کا سایہ تھا..... جب جن آتا تھا تو وہ پانچ سیر شقر قند لے کر بیٹھ
تھیں۔ اور تھرنے لگتی تھیں۔ میاں کا دیوالہ نکل رہا تھا۔ روزانہ پانچ دس سیر شقر کند..... جب
کند کی فصل نہیں ہوتی تھی تو کچے بینگن..... اُوع..... ارے باپ رے۔ ابے کیسے کھائے
رہے ہوں گے۔"

اُسے پھر اوبکائی آ گئی اور وہ دونوں ہاتھوں سے سینہ پیٹنے لگا۔

"نسرین نے کیا بتایا ہے..... پچھلی رات وہ بیہوش کیسے ہوئی تھی۔"

"بس کھاموش۔" قاسم ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اس کا تو نام ہی مت لو..... ہڈیاں نکلی
اس کی صورت دیکھ کر..... ایسی آنکھیں بنائے رکھتی ہے جیسے پھونک دو تو اڑ جائے گی
میں تو قہتا ہوں کہ رات ہی کیوں نہیں مر گئی۔"

"کیوں بکواس کر رہے ہو۔ تمہارا اُس نے کیا بگاڑا ہے۔"

"میرا نہیں بگاڑا تو کسی دوسرے کا بگاڑے گی۔ اللہ کرے مر جائے..... میں تو قہوں گا
دیکھتا ہوں تم کیا کر لیتے ہو۔ امے چھوڑو..... ہی ہی ہی..... قہاں کی بات نکل آئی۔ اچھا یہ
بتاؤ قبل کی تلاخ نہیں ہو سکتی کیا.....!"

"کیوں.....!" حمید نے معنی خیز انداز میں آنکھیں نکالیں۔

"بیگم صاحب اس سے کتنی لمبی ہیں۔ جبھی تو سالے نے کہا تھا۔ ان کو یہاں سے لے جائیے۔"

"یہ جاسوسی کرتے رہے ہو تم حرام خور۔"

"حمید بھائی..... پیارے حمید بھائی۔" قاسم گھگھیایا۔ "قچھ کرو..... ابے میں نے ایک جاسوسی
ناول میں پڑھا تھا کہ سرکاری جاسوس کو ہیروئن سے محوبت ہو گئی تھی۔ پکڑ دھکڑ ہو جانے کے بعد
ہیروئن کے ابا میاں بہت خوش ہوئے تھے اور سکینہ بیگم کی شادی انسپکٹر محمد علی سے ہو گئی تھی۔"

"خیر..... خیر..... میں دیکھوں گا۔ کسی سے سنا تو ہو گا کہ نسرین نے کیا بتایا تھا۔"

"نہیں پہلے تم وعدہ کرو کہ کچھ کرو گے۔ اس بار حمید بھائی۔" وہ ٹھنڈی سانس لے کر
بولا۔ "اس بار مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے قلیجہ نکل پڑے گا۔ وہ مسکرا کر کہتی ہیں..... قاسم
صاحب آپ بڑے بھولے آدمی ہیں..... ہائے میں بھولا ہوں..... دیخو..... نہیں..... جرا دیکھو
میرے چہرے پر بھولا پن ہے کہ نہیں۔"

اس نے خاموش ہو کر بڑی مضحکہ خیز صورت بنائی..... پلکیں جھکی پڑ رہی تھیں۔ ہونٹ
شرمیلے انداز میں پھیل رہے تھے اور گال پھڑکنے لگے تھے۔

"اچھا میں کچھ کروں گا..... بتاؤ۔"

"کیا بتاؤں..... میں یہ چاہتا ہوں کہ تلاخ ہو جائے۔"

"ابے میں نسرین کے متعلق پوچھ رہا ہوں۔"

"تمہارے لئے بالکل ٹھیخ رہے گی۔ تمہیں پسند ہیں نا ویسی آنکھیں..... مگر مجھے جلن لگتی
ہے۔ جب دیکھے گی تو ایسا معلوم ہو گا جیسے پانی مانگ رہی ہو۔"

"وہ کیسے بیہوش ہوئی تھی۔"

"بس کھاموش کھڑی تھی کہ کھوپڑی کے چاروں طرف دھواں ناچنے لگا۔ اس نے
ماریں اور بیہوش ہوگئی۔"

"کوئی دکھائی نہیں دیا تھا۔"

"قوئی نہیں.....مرنہ جاتی اگر دکھائی دیا ہوتا۔"

"اچھا خاموش رہو۔ فرہاد آ رہا ہے۔" حمید نے کہا اور جیب سے پائپ نکال کر اس
تمبا کو بھرنے لگا۔ فرہاد برآمدے سے اُتر کر انہیں کی طرف آ رہا تھا۔

اس نے کچھ کہے بغیر ان کے قریب ہی بیٹھ کر ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔ "مجھے معلوم
ہے کہ ایس۔ پی واصف سے آپ لوگوں کے گہرے مراسم ہیں۔"

"آپ نے غلط نہیں سنا۔"

"اور آپ شاید تہیہ کر چکے ہیں کہ اس سازش سے پردہ اٹھا دیں۔"

"سازش! کمال ہے آپ بھی اسے سازش قرار دے رہے ہیں۔"

اس سے پہلے کبھی مجھے بھوتوں کا تجربہ نہیں ہوا۔ یقین کیجئے میں نے صرف ایک
آپ تک پہنچایا تھا۔ لیکن اب میں اس کا مقصد سمجھنے سے قاصر ہوں۔ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے
کار بنانے کی کوشش کیوں کی گئی ہے۔

"بھوت! بھوت ہی ٹھہرے۔ آپ خواہ مخواہ گھر والوں سے بدگمان ہو رہے ہیں۔"

"جی نہیں۔" اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں سب سمجھتا ہوں۔ لیکن یاد ر
کہ میں صرف شاعر ہی نہیں ہوں میری انگلیاں ٹریگر پر بھی بہت اچھی چلتی ہیں، خون کی ند
بہا دوں گا۔"

"کس کے خلاف.....!"

لیکن فرہاد جواب دینے کی بجائے اٹھا اور تیزی سے پھاٹک کی طرف بڑھ گیا۔

بیگم کی چیخ

رات کے نو بجے تھے اور حمید اس وقت رام گڈھ کے سب سے اونچے نائٹ کلب فیریز
ڈریم میں فرہاد کی نگرانی کر رہا تھا۔ قاسم ساتھ نہیں آیا تھا۔ آتا بھی کیسے۔ دن تو کسی طرح جاگ
کر گزار دیا تھا.....لیکن شام ہوتے ہی نیند نے چکر دینے شروع کر دیئے اور وہ اسی آسیب زدہ
مکان میں جا کر ڈھیر ہو گیا تھا۔ حمید نے وہاں سے ہٹنے پر آمادگی نہیں ظاہر کی تھی اس لئے
واصف نے چار مسلح کانسٹیبل بھیج دیئے تھے۔ ویسے اس کا تو یہی خیال تھا کہ حمید اُن گھریلو قضیوں
میں الجھنے کی بجائے تفریح کرے۔

بہر حال حمید قاسم کی طرف سے مطمئن ہو کر فرہاد کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا تھا۔ وہ فیریز
ڈریم میں ملا اور یہاں حمید اس کی میز سے اتنے ہی فاصلے پر تھا کہ اس کی آواز بہ آسانی سن سکتا
لیکن فرہاد کے فرشتے بھی اُسے نہ پہچان سکتے۔

میک اپ تھا تو ریڈی میڈ ہی قسم کا لیکن حلیہ یکسر بدل کر رہ گیا تھا۔ اس وقت اس کے
نتھنوں میں فریدی کے ایجاد کردہ اسپرنگ تھے جن کے دباؤ سے ناک کی نوک اوپر اٹھ جاتی تھی
اور اوپری ہونٹ بھی اس کے ساتھ ہی کسی قدر سکڑ کر اس طرح اوپر اٹھ جاتا تھا کہ دانت نظر
آنے لگتے تھے۔

فرہاد اپنی میز پر تنہا نہیں تھا۔ ایک خوش پوش آدمی اور بھی تھا لیکن لب و لہجہ کے اعتبار سے
وہ فرہاد ہی کے طبقے سے متعلق نہیں معلوم ہوتا تھا۔

"او..... پیارے۔" وہ فرہاد سے کہہ رہا تھا۔ "کبھی کچھ کہہ کر بھی تو دیکھو۔ بڑے بڑے
ترم خاں دیکھے ہیں میں نے.....لیکن کسی کی بھی آنتیں پیٹ کے اندر نہیں رہی تھیں۔"

"ابھی نہیں۔" فرہاد بولا۔ "پانی سر سے اونچا ہونے کا انتظار تو کرنا ہی پڑے گا۔"

"اُسے جاؤ.....میرا معاملہ ہوتا تو اب تک کوئی خون ہو چکے ہوتے۔"

اتنے میں ویٹر کشتی میں بوتلیں اور گلاس لے آیا۔ پیتے وقت بھی دونوں باتیں کرتے
لیکن صاف طور پر نہیں کہا جاسکتا تھا کہ موضوع گفتگو کیا ہے اور دوسرے آدمی نے کس سلسلے
ڈینگیں ماری تھیں۔

ساڑھے دس بجے کے قریب فرہاد اٹھ گیا۔ اس کے قدموں میں ہلکی سی لڑکھڑاہٹ
لیکن حقیقتاً زیادہ نشے میں نہیں معلوم ہوتا تھا۔

دوسرا آدمی بیٹھا ہی رہا۔ جب فرہاد نکاسی کے دروازے کے قریب پہنچا تو حمید بھی اٹھ
کمپاؤنڈ میں پھاٹک کے قریب اندھیرا تھا۔ فرہاد پیدل ہی پھاٹک کی طرف بڑھتا
یک بیک حمید کو ایک آدمی اور بھی نظر آیا جو بائیں جانب سے روشنی میں آکر فرہاد پر جھپٹا
ایک پل کے لئے کوئی چیز چمکی اور ساتھ ہی فرہاد کی چیخ بھی سناٹے میں تیرتی چلی گئی۔
آدمی چھلانگ مار کر ڈونیا کی باڑھ پار کر گیا۔

"اُف میرے باپ رے۔" قاسم حلق پھاڑ کر دہاڑا.....آنکھیں تو اسی وقت کھل گئی تھیں
کوئی وزنی چیز اس پر گری تھی اور پھر وہ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑنے لگا تھا۔ جسم پر وزن کا
اب بھی پڑ رہا تھا۔ کانپتا ہوا وزن..... پھر کوئی چیز اس کی ناک کے بائیں نتھنے میں گھستی چلی

"آق چھیں.....!" وہ چھینک مار کر چیخا۔ "ابے ابے.....کون ہے۔"

"کک.....کانسٹیبل.....!" کانپتے ہوئے بوجھ سے آواز آئی۔

"ابے تو میری ناک میں کیوں گھسے جا رہے ہو۔" اس نے ناک میں گھسنے والی چیز پر جھپٹا

"ارر.....ارر.....اُوف.....مم.....مونچھ ہے.....ارے مونچھ.....ابے چھوڑ۔"

ساتھ ہی قاسم کے سینے پر دھم سے ایک گھونسہ بھی پڑا اور کانسٹیبل کی نوکیلی مونچھ ہاتھ
سے چھوٹ گئی۔ اس نے جھلا کر کانسٹیبل کو جھٹک دیا اور وہ پتہ نہیں کتنے فاصلے پر گر کر کراہا۔

اچانک صحن میں روشنی کا جھماکا ہوا۔

"ہوہو.....ہو....." کانسٹیبل کے حلق سے عجیب سی آوازیں نکلنے لگیں اور قاسم غیر شعوری
طور پر اس کا ساتھ دینے لگا۔

پوری عمارت پر اندھیرا مسلط تھا۔

"خبردار.....خبردار.....!" غالباً کسی جی دار کانسٹیبل نے ہانک لگائی.....آواز دور کی تھی۔
ہوسکتا ہے یہ وہ کانسٹیبل رہا ہو جو صدر دروازے کی نگرانی کر رہا تھا۔

روشنی کا جھماکا پھر ہوا۔ لیکن اس بار قاسم کی "ہوہو" رک گئی۔ اس کی عجیب سی کیفیت
تھی۔ نہ وہ خائف تھا اور نہ کسی قسم کی کمزوری ہی محسوس کر رہا تھا۔ ذہن بالکل سپاٹ تھا۔

پھر اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اچانک سارے بلب روشن ہو گئے تھے۔ وہ بوکھلائے
ہوئے انداز میں اٹھ بیٹھا۔ کانسٹیبل فرش پر اوندھا پڑا ہوا تھا۔ غالباً اس پر غشی طاری تھی۔

"کیا بات ہے۔" کسی نے للکار کر پوچھا اور وزنی قدموں کی آوازیں نزدیک آتی گئیں۔

پھر باہر والا کانسٹیبل کمرے میں داخل ہوا۔

"ارے.....یہ کیا ہوا.....وہاں.....باہر خون۔" اس نے خوفزدہ سی آواز میں کہا۔

"ٹھینگے پر گیا خون وون.....یہ مجھ پر کیوں چڑھ بیٹھے تھے۔"

"آپ پر.....!"

"کس مصیبت میں جان پڑ گئی ہے۔"

"وہ دونوں کہاں ہیں۔"

"ہوں گے قہیں.....میں کیا جانوں۔"

"ارے اوہو.....وہ دونوں تو اس کی کوٹھی میں ہوں گے۔" کانسٹیبل بیہوش کانسٹیبل پر

جھکتا ہوا بڑبڑایا۔

اس نے اسے سیدھا کیا اور اٹھا کر مسہری پر ڈال دیا۔ پھر قاسم سے پوچھنے لگا کہ اندھیرا کیسے ہوگیا تھا۔ شائد اس نے روشنی کے جھماکے نہیں دیکھے تھے۔

''اے..... مجھ سے کچھ نہ پوچھو...... میں بے کھبر سو رہا تھا۔ پیارے بھوت بھائی سب کچھ کرسکتے ہیں۔ ارے باپ رے..... کہاں ہے خون۔''

''کئی جگہ۔''

اتنے میں کسی نے دونوں کانسٹیبلوں کو باہر سے آواز دی۔

''اندر آجاؤ..... خاں صاحب۔'' کانسٹیبل نے چلا کر جواب دیا۔

''باہر آؤ..... کوٹھی میں گڑبڑ ہے۔'' باہر سے پھر آواز آئی۔

''ارے تو یہیں کون سے لڈو بٹ رہے ہیں۔'' قاسم نے ہانک لگائی۔

کانسٹیبل دروازے کی طرف بڑھا اور قاسم اچھل کر کھڑا ہوگیا۔

''اے میں بھی چل رہا ہوں۔''

''آپ یہیں ٹھہریئے..... یہ بیچارا بیہوش ہے۔''

''میں بے چارہ بھی کسی سالے سے کم نہیں ہوں۔ بیہوش ہوغیا تو کیا ہوگا۔''

اتنے میں آواز دینے والا خود ہی اندر آگیا۔ یہ بھی انہیں کانسٹیبلوں میں سے تھا۔ اس نے بتایا کہ تفضل کی رہائشی کوٹھی سے گولی چلنے کی آواز آئی تھی اور عورتیں چیخنے لگی تھیں۔

''چلو ٹھیک ہے'' قاسم سرہلا کر بولا۔ ''شروع ہوگئی ٹھائیں ٹھوئیں بھی۔ مگر وہ کہاں ہیں لارڈ کرزن کے بھتیجے۔''

''کون.....؟''

''ارے وہی..... جا..... اررہپ۔'' اس نے دونوں ہاتھوں سے منہ دبا لیا۔

''آپ کیا کہہ رہے ہیں۔''

''کچھ نہیں..... وہ میرے ساتھی۔''

''ہم نہیں جانتے۔'' کانسٹیبل نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور پھر اس کی نظر صحن میں پھیلے ہوئے خون پر پڑگئی۔ غالباً پہلے نہیں دکھائی دیا تھا۔

''ارے یہ خون۔''

''بھوت.....!'' قاسم کا مختصر سا جواب تھا۔ کانسٹیبل سناٹے میں آگیا۔

پہلے کانسٹیبل نے اس سے کہا۔ ''تم یہیں ٹھہرو! میں دیکھتا ہوں۔ سجاد کہاں ہے۔''

''وہیں۔'' دوسرے کانسٹیبل نے جواب دیا اور اب اُسے گھورنے لگا جو وہیں بیہوش پڑا تھا۔

''ان دونوں نے کچھ دیکھا ہے۔ میں باہر تھا۔'' پہلا بولا۔

''اے تو پھر میں یہاں نہیں ٹھہروں گا۔'' دوسرا بولا۔ ''اسے بھی اٹھائے لیتے چلو۔''

''کائدے کی بات ہے۔'' قاسم سرہلا کر بولا۔

دوسری صبح حمید واصف کے آفس میں نظر آیا..... واصف گہری سوچ میں تھا۔

''آپ کو یقین ہے کہ وہ قدیر ہی تھا۔'' واصف نے پوچھا۔

''بس ایک جھلک نظر آئی تھی لیکن مجھے یقین ہے کہ قدیر ہی تھا۔ مگر میں تعاقب نہ کرسکا۔ ہاں ارشاد نے کوئی بیان دیا۔''

''ہاتھ بہک گیا تھا حملہ آور کا..... ورنہ بیان دینے کے قابل ہی نہ رہتا۔ معمولی زخم ہے۔ جلد ہی ٹھیک ہوجائے گا۔'' واصف بولا۔ ''اسے حملہ آور کو دیکھنے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا۔ لیکن اس نے بھی قدیر ہی کے خلاف شبہ ظاہر کیا ہے کیونکہ اس کی دانست میں قدیر بھی نسرین کے امیدواروں میں سے ہے اور بھئی وہ تو کہتا ہے کہ اس کا اور نسرین کا رومان بہت دنوں سے چل رہا تھا۔ لیکن مسز تفضل اس کی شادی قدیر سے کرنا چاہتی ہے اور اسی مقصد کے تحت وہ بھوتوں

والا ڈرامہ اسٹیج کرا رہی ہے کہ اسے یعنی ارشاد کو کسی چکر میں پھنسا دے۔ لیکن جب رات والے واقعے کے بعد بھی پولیس نے اس کے خلاف کوئی خاص کارروائی نہ کی تو پھر راست اس پر قاتلانہ حملہ ہی ہو گیا۔ مقصد اُسے کسی نہ کسی طرح راستے سے ہٹانا ہے۔ اب کی بات کچھ کچھ میری سمجھ میں آ رہی ہے۔ مسز تفضل نے بھوتوں والا معاملہ ارشاد ہی کے منڈھنے کی کوشش کی ہے۔ کتے کی موت سے بھی اسی سمت اشارہ ہوتا ہے۔ غالباً وہ یہی کرانا چاہتی تھی کہ کتے کو ارشاد ہی نے زہر دیا تھا اور پھر خود ہی غزل چھیڑی تھی تاکہ تفضل پر خفا ہونا شروع کر دے اور ارشاد کہے کہ اس نے چچی کی فرمائش پر غزل شروع کی تھی۔ ظا ہے کہ تفضل بیوی پر بگڑتا اور وہ کتے پر غصہ اتارتی لیکن کتا زہر کا شکار ہو کر مرتا۔''

''مگر یہ کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے کہ کتے کو زہر ہی دیا گیا تھا۔'' حمید نے کہا۔ ''محض خیال تھا۔''

''جی نہیں۔ قطعی طور پر ثابت ہو گیا ہے کہ اُسے زہر دیا گیا ہے۔ مسز تفضل نے خود اس کے منہ سے گرے ہوئے خون کے لختے کیمیاوی تجزیہ کے لئے پرسوں ہی سرکاری لیبارٹری بھجوائے تھے..... آج اس کی رپورٹ میرے پاس آ گئی ہے۔''

''گڈ..... تب تو معاملہ صاف ہے کہ ارشاد کو الجھانے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس کے بعد ارشاد کے مکان میں پہنچا دی جاتی۔ وہ تنہا ہی رہتا ہے اور اُس رات تو میدان صاف ہی تھا کیونکہ اس نے وہ رات فیریز ڈریم میں گذاری تھی۔ لڑکی وہاں پہنچا دی جاتی..... اور پھر وہ سے برآمد بھی کرا لی جاتی۔ خیال رکھا جاتا کہ وہ وہاں بھی بیہوش ہی رہے۔ اس طرح اسے پتہ نہ چلتا کہ اسے وہاں کون لے گیا تھا اور وہ خود بھی ارشاد کے متعلق شبہات میں مبتلا ہو جا اور پھر جیل ہوتی اور میاں فرہاد ہوتے۔ قدیر کے لئے راستہ صاف ہو جاتا۔''

حمید پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر اس نے کہا۔ ''لیکن پھ رات تفضل پر جو فائر کیا گیا تھا اسے کس خانے میں فٹ کریں گے۔''

''یہ مسئلہ ضرور غور طلب ہے۔'' واصف سر ہلا کر بولا۔

''وہ اپنی خواب گاہ میں سو رہا تھا۔ کسی نے روشندان سے اس پر فائر کیا۔ بس مقدر ہی تھا کہ بچ گیا ورنہ وہ تو بے خبر تھا۔ ہو سکتا ہے کہ گھبراہٹ میں حملہ آور کا ہاتھ بہک گیا ہو۔ ٹھیک اسی وقت آسیب زدہ مکان میں بھوتوں والا ہنگامہ بھی برپا تھا۔ لیکن ارشاد پر اس سے پہلے ہی حملہ ہو چکا تھا۔ اگر ان سب حرکتوں کا الزام اسی پر رکھنا تھا تو اس پر حملہ ہرگز نہ ہونا چاہئے تھا۔''

''بھئی دیکھئے یہ دونوں ہی حملے میری سمجھ میں تو نہیں آئے۔'' واصف بولا۔ ''نہ ارشاد مرسکا اور نہ تفضل۔ چلئے اب تو بساط ہی الٹ گئی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ کو نظر کا دھوکہ ہوا ہو۔ حملہ آور نہ رہا ہو۔''

''خیر میں فرض کئے لیتا ہوں پھر.....!'' حمید نے کہا۔

''پہلے مسز تفضل نے ارشاد کو پھانسنے کی کوشش کی۔ اب ارشاد اُسے پھنسوانا چاہتا ہے۔ اس نے خود ہی اپنے اوپر حملہ کرایا۔ چھچھلتا سا چاقو بائیں بازو پر پڑا ہے۔ اب وہ ہمیں باور کرانا چاہتا ہے کہ نسرین اس سے محبت کرتی ہے اس لئے پرسوں رات والی اسکیم فیل ہو جانے کی بناء پر مسز تفضل یا قدیر نے یہی مناسب سمجھا کہ اب اُسے قتل کر دیا جائے۔ ورنہ کھیل بگڑ جائے گا۔ نسرین اب کھل کر کہہ دے گی کہ وہ ارشاد کے علاوہ اور کسی سے شادی نہیں کرے گی۔''

''ممکن ہے..... لیکن پھر تفضل پر حملے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔''

''ہاں اس پر سوچنا پڑے گا۔'' واصف نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''اہم ترین سوال ہے..... پوائنٹ..... خاص طور پر نوٹ کیجئے۔'' حمید پائپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔

''خیر اس پر پھر غور کروں گا۔ یہ بتایئے کہ پرسوں رات آپ نے لڑکی کو اچانک مسہری کے نیچے سے کیسے برآمد کر لیا تھا۔''

''بہت پہلے کی دریافت تھی۔ مصلحتاً خاموش رہا تھا۔ مقصد تھا کہ ان لوگوں کے حرکات و سکنات کا جائزہ لوں لیکن پھر مجھ سے جلد بازی ہی سرزد ہوئی۔ اس مسئلے پر قطعی طور پر خاموش رہتا اور چھپ کر دیکھتا کہ اب کیا ہوتا ہے۔ اگر وہ ارشاد کے گھر لے جائی جاتی تو کھیل پرسوں

ہی ختم ہو جاتا۔ رنگے ہاتھوں پکڑا جاتا وہ آدمی جو اُسے وہاں سے لے جاتا اور پولیس
سامنے آجاتی۔"

"مگر آپ تو اس طرح چونکے تھے جیسے اسی وقت آپ کو خیال ہو کہ آپ مسہری کی
الٹ کر دیکھنا بھول گئے تھے۔"

"سو فیصدی ایکٹنگ تھی۔" حمید مسکرایا۔

"اگر ایکٹنگ تھی تو شروع سے آخیر تک شاندار رہی تھی۔"

"اب قدیر کے متعلق کیا خیال ہے۔ اُسے حراست میں لے رہے ہیں یا نہیں۔" فریدی
نے پوچھا۔

"فی الحال مشکل ہے۔ اگر آپ نے اُسے پکڑ لیا ہوتا تو خیر کوئی بات نہ تھی۔ بھئی وہ
پہنچ کا آدمی ہے۔ حملے کے وقت کہیں اور اپنی موجودگی ثابت کرا دینا اس کیلئے مشکل نہ ہوگا۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

آسیب زدہ مکان کے بائیں بازو میں کمپاؤنڈ وال کے قریب مالتی کی بے ترتیب
جھاڑیاں تھیں۔ جیسے ہی حمید ان کے قریب سے گذرا یک بیک ان میں سرسراہٹ ہوئی
اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔

دوسرے ہی لمحے میں نسرین اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"خدا کے لئے بچائیے..... ڈیڈی کو بچائیے۔" اس نے تیز قسم کی سرگوشی میں کہا۔

"کیا ہوا.....؟"

"آپ ایس پی واصف کے دوست ہیں۔ ڈیڈی خطرے میں ہیں۔ انہیں زبردستی

یہاں سے لے جایئے ورنہ وہ قتل کر دیئے جائیں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ دو کانسٹیبل کوٹھی میں موجود ہیں۔"

"اس سے کچھ نہیں ہوگا۔ کل رات چار تھے لیکن خدا ہی نے بچایا انہیں..... وہ قتل کر دیئے
جائیں گے اور الزام ارشاد کے سر آئے گا۔ میرے معاملے میں بھی لوگوں نے اُسے پھنسانے
کی کوشش کی تھی..... یہ سازش ہے۔"

"سازشی کسے سمجھوں۔"

"اوہ آپ سب سمجھتے ہیں۔ سنئے..... وہ کہتی ہیں کہ ارشاد نے پہلے کتے کو زہر دیا تھا پھر
اندر آ کر خواہ مخواہ غزل سنانے لگا تھا۔ ڈیڈی آئے اور اس پر برس پڑے۔ وہ کہتی ہیں مجھے غصہ
آ گیا اور میں نے عادت کے مطابق کتے کو پیٹنا شروع کر دیا۔ اگر کتا نہ مرتا تو کوئی احاطے میں
قدم بھی نہ رکھ سکتا۔ کتا اسی لئے مار ڈالا گیا کہ ارشاد بھوتوں کا کھیل پیش کر سکے۔"

"ممکن ہے یہی درست ہو محترمہ۔"

"نہیں..... نہیں..... نہیں۔ وہ مجھے اور ڈیڈی کو زندہ نہیں دیکھنا چاہتیں۔"

"کیوں.....؟"

"ہماری دولت..... تنہا قابض ہونا چاہتی ہیں۔"

"مگر میں نے تو سنا ہے کہ ان کے علاوہ بھی کئی اور حصہ دار ہیں۔"

"جی نہیں۔ اگر ہم مر جائیں اور ارشاد پھانسی پر چڑھا دیا جائے تو وہ تنہا ہی مالک ہوں گی
اور کوئی عزیز اتنا قریبی نہیں ہے کہ ان کی موجودگی میں حقدار ہو سکے۔"

"اوہ..... شکریہ۔ یہ نئی اطلاع ہے۔ لیکن سنئے تو سہی۔ وہ پولیس کو کیسے باور کرا سکتی ہیں
کہ مسٹر تفضل پر ارشاد ہی نے حملہ کیا تھا۔"

"ڈیڈی ارشاد کو پسند نہیں کرتے۔ اگر انہیں معلوم ہو جائے تو ہم دونوں کو گولی مار دیں۔
وہ کہیں گی کہ ارشاد نے ڈیڈی کو راستے سے ہٹا دینا ہی مناسب سمجھا۔"

"اوہ..... مگر آپ کا خیال کیا ہے؟"

"ارشاد ایسا ہرگز نہیں کرسکتا..... ہرگز نہیں..... ڈیڈی بھی اسے تسلیم کرتے
ہیں۔ جب انہوں نے اس سلسلے میں ارشاد کا نام لیا تھا تو ڈیڈی کو غصہ آ گیا تھا۔ وہ کہتے
ارشاد تمہیں قتل کر کے قتل کا الزام مجھ پر رکھنا چاہتا ہے۔ اسی لئے پچھلی رات بے ہوش
کر کے یہیں ڈال گیا تھا۔ کیا پتہ لے جانے کا موقعہ نہ ملا ہو۔ اس تاک میں رہا ہو کہ
بیہوشی کی حالت میں میرے کسی عزیز کے یہاں ڈال آئے۔"

"بات لگتی ہے دل کو.....!" حمید سر ہلا کر بولا۔

"ہے نا! میں پھر کہتی ہوں کہ یہ ارشاد کے خلاف ایک بڑی گھناؤنی سازش ہے۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ یہ اچھا ہی ہوا تھا کہ اس نے ارشاد پر حملے کی خبر پھیلنے نہیں دی تھی اور
واصف کو تاکید کردی تھی کہ وہ ہسپتال کے باہر قدم نہ رکھنے پائے۔

"ارشاد تو کل رات سے غائب ہے۔" اس نے کہا۔

"کیا.....!" وہ اس طرح آنکھیں پھاڑ کر بولی جیسے اُسے اُس کے قتل کر دیئے جانے کا
خدشہ رہا ہو۔

"جی ہاں! کل آٹھ بجے رات سے ان کا سراغ نہیں مل سکا۔"

"خدا خیر کرے۔ اب کیا ہوگا۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ اُسے ہی ان لوگوں نے مار ڈالا ہو اور
لاش غائب کردی تا کہ پولیس یہی سمجھے کہ ڈیڈی پر حملہ کر کے روپوش ہوگیا ہے۔"

"آپ شائد جاسوسی ناول کثرت سے پڑھتی ہیں۔" حمید مسکرایا۔

"اوہ..... اب میں کیا کروں۔!" اس نے کہا اور بے تحاشہ کوٹھی کی طرف بھاگتی چلی گئی
حمید وہیں کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔

"سلا مالے قم..... بھائی ساب۔" پشت سے قاسم کی چہکتی ہوئی سی آواز آئی۔ "میں نے
کہا..... سب ٹھیک ٹھاخ ہے نا۔"

وہ دانت نکالے برآمدے میں کھڑا تھا۔ جیسے ہی حمید اس کی طرف مڑا۔ اس نے
آنکھیں ماریں اور ہنستا ہوا نیچے اتر آیا۔ پھر رازدارانہ لہجے میں بولا۔ "بڑا فس کلاس موقع

"کیا مطلب.....؟"

"دونوں میں بڑی دیر سے دانتا کلکل ہو رہی ہے۔ بس تم جرا سازور لگا دو کھٹاک سے
طلاق ہو جائے گی۔ اے حمید بھائی جندگی بھر احسان مانوں گا..... میرے بھائی تو..... لغادے
یار..... ابے اپنے اسسٹنٹ کے لئے اتنا بھی نہیں قرسکتے۔"

"اسسٹنٹ.....!" حمید نے بُرا سا منہ بنایا۔ "تم نے اس کیس میں رتی برابر بھی کام نہیں
کیا۔"

"ارے جاؤ بکرا بنادیا ہے سالے تحمل کو..... دور سے میری صورت دیکھتا ہے اور ہاتھ جوڑ
کر گھگھیاتا ہے خدا کے لئے مجھ سے دور رہیئے ورنہ میں تیتر کی بولی بولنا شروع کردوں گا۔ مگر
پیارے وہ ٹلاخ والا معاملہ..... ہر ہر طرح سالے کو سمجھانے کی کوشش کر چکا ہوں۔ لیکن سمجھ میں
نہیں آتا۔ یہاں تک کہہ دیا کہ اگر میری بیوی اتنی بدزبان ہوتی تو میں اس کے باپ دادا تک کو
لاتوں سے ڈالتا۔"

"نہیں ہے تمہاری بیوی بدزبان۔"

"ابے تو اُسے کیا معلوم۔" قاسم کھی کھی ہنستا ہوا آہستہ سے بولا۔ "میں تو اس سالی کی
شکل بھی نہ دیکھوں گا اگر اس سے ہوگئی۔ ہائے حمید بھائی رات بھر میرے خواب میں چہچہاتی
رہی ہے۔ لاقسم ڈانٹتی ہے تو اور اچھا لگتا ہے۔ جی چاہتا ہے..... بچوں کی طرح ٹھنکنے لگو۔"

"کیا اپنے ابا جان کے امکانات پر بھی غور کر رہے ہو۔"

"کس ولایات کا نام لیا ہے تم نے۔" قاسم آنکھیں نکال کر تیز لہجے میں جلدی جلدی
بولا۔ "سالے منحوسیت نہ پھیلاؤ۔"

رات کے آٹھ بجے تھے۔ واصف نے آسیب زدہ عمارت کی گھنٹی کا بٹن دبایا ہی تھا کہ
ایک کانسٹیبل نے دروازہ کھول کر اسے سلوٹ کیا۔

"دونوں موجود ہیں۔" واصف نے پوچھا۔

"جی حضور.....!" کانسٹیبل نے کہا اور ایک طرف ہٹ گیا۔

"نہیں..... میں اندر نہیں جاؤں گا۔ حمید صاحب سے کہہ دو کہ بس ہوں۔"

کانسٹیبل ایڑیاں بجا کر واپس چلا گیا۔ حمید نے برآمد ہونے میں دیر نہیں لگائی۔

واصف اس کا ہاتھ پکڑ کر کوٹھی کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "پتہ نہیں..... یہ محترمہ ار
چاہتی ہیں۔ مجھے فون کیا تھا شائد کوئی اہم بات بتانے کا ارادہ ہے۔"

"کیا میری موجودگی میں بتا سکے گی۔" حمید نے پوچھا۔

"آخر آپ کب تک اپنی اصلیت چھپائیں گے۔"

"میری دانست میں بھی اب اس اسٹیج پر اصلیت چھپانا سودمند نہ ثابت ہوگا۔"

"بھئی ایک زبردست غلطی ہوئی ہے مجھ سے..... قدیر کی نگرانی نہیں کرائی تھی۔
غائب ہے۔ پچھلی رات سے اسے کسی نے نہیں دیکھا۔ اب میرا خیال ہے کہ ارشاد پر
حملہ کیا تھا۔ ہوسکتا ہے بعد میں دہشت زدہ ہوکر روپوش ہوگیا ہو۔ یا اُسے ارشاد کے بچ
علم ہونے کے ساتھ ہی شبہ بھی ہوگیا ہو کہ کہیں ارشاد نے اُسے پہچان نہ لیا ہو۔"

حمید کچھ نہ بولا۔ دفعتاً پشت سے آواز آئی۔ "اے..... اے اے..... میں چ
کیا..... ٹھہرو..... اقیلے اقیلے۔"

"عذاب جان بن گیا ہے۔" حمید رک کر بڑبڑایا۔

"آنے دیجئے..... خاصی تفریح ہوجاتی ہے ان حضرت کے ساتھ۔" واصف ہنس کر

قاسم جھپٹتا ہوا قریب پہنچا اور وہ کوٹھی کے برآمدے میں آئے۔ کال بل کا بٹن دبا
پھر ایک ملازم نے ڈرائنگ روم تک ان کی رہنمائی کی۔

دو منٹ گذر گئے۔ یک بیک حمید کی نظر ایک گوشے میں ٹھہر گئی جہاں قالین پر
سرخ دھبہ نظر آرہا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر تیزی سے آگے بڑھا۔

تازہ خون کا دھبہ تھا جس سے ایک پتلی سی سرخ لکیر پھوٹ کر آگے بڑھ گئی تھی۔

واصف اور قاسم بھی اٹھ آئے۔

"تہیں پیچھا نہیں چھوڑیں گی سالے۔" قاسم بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ اتنے میں تفضل
تفضل بھی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔

"کیا ہے۔" تفضل چلتے چلتے لڑکھڑایا۔ پھر سنبھل کر بولا۔ "یا خدا کب ختم ہوگا یہ سلسلہ۔
بڑی مصیبت میں پھنس گیا۔"

"یہ لکیر آگے ہی بڑھتی چلی گئی ہے۔ وہ دیکھئے..... اس دروازے سے گذر کر نہ جانے
گئی ہو..... حمید نے ایک بند دروازے کی طرف اشارہ کیا جس کے نیچے سے خون کی لکیر
طرف نکل گئی تھی۔

مسز تفضل تیزی سے آگے بڑھی اور دروازے سے نکل گئی۔ پھر جلدی سے پلٹ آئی۔

"یہ لکیر تو دور تک گئی ہے۔" اس نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

"کیا ہم دیکھ سکتے ہیں۔" واصف نے پوچھا۔

"ضرور ضرور..... آئیے۔" وہ پھر دروازے کی طرف بڑھتی ہوئی بولی اور قاسم ٹھنڈی
سانس لے کر کچھ بڑبڑانے لگا۔ حمید کی سمجھ میں صرف اتنا آسکا۔ "ناولوں میں سالے ماں باپ
کا کباڑا کردیتے ہیں اور یہاں یہ بھوت۔ کہیں چین نہیں ہے۔"

وہ راہداری میں داخل ہوئے۔ تفضل تو گویا گھسٹتا ہوا چل رہا تھا۔ لکیر آگے ہی بڑھتی رہی
اُس کا اختتام ایک مقفل کمرے کے دروازے پر ہوا۔
یعنی وہ بند دروازے کے نیچے سے اندر رینگ گئی تھی۔

"ہائیں..... یہاں۔" تفضل نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "یہ تو میرا کتب خانہ ہے۔"

"بیگم خدا کے لئے کنجی لاؤ..... یا اللہ رحم کر میرے حال پر..... یہاں کیا ہوگا۔"

اس کی بیوی مخالف سمت میں دوڑ گئی۔

"گھبرائیے نہیں۔ دیکھتے ہیں۔"

"ارے یہاں اس عمارت میں کبھی آسیب کا شبہ بھی نہیں ہوا۔ بیگم نے آپ کو اس وقت

اسی لئے بلوایا تھا کہ ہمیں بحفاظت ریلوے اسٹیشن بھجوا دیجئے۔ وہاں سے ہم نصیر
جائیں گے۔"

"جرور.....جرور.....!" قاسم بولا۔ "وہاں میری کوٹھی ہے خالی کرادوں گا۔"

"جی میری بھی ایک کوٹھی ہے وہاں۔"

"کھیر کھیر.....!"

"قدیر صاحب آئے تھے.....آج۔" واصف نے پوچھا۔

"جی نہیں..... پتہ نہیں۔ مجھے ہوش کہاں ہے آئے گئے کا۔" تفضل نے کہا
خاموش ہوکر ہانپنے لگا۔ وہ برسوں کا بیمار معلوم ہوتا تھا۔ چہرہ زرد ہوگیا تھا۔ ہونٹ خشک
پر بار بار زبان پھیرنے لگتا تھا۔

"بیگم جلد ہی واپس آگئی اور اسی نے قفل کھولا۔ وہ اندر داخل ہوئے۔ الماری
قریب ایک سیاہ رنگ کی بلی کی لاش پڑی نظر آئی۔"

"اُف فوہ..... میں پاگل ہوجاؤں گا۔" تفضل لڑکھڑا کر دیوار سے ٹکتا ہوا بولا۔ "
صاحب خدا کے لئے ہمیں نکالئے جلدی یہاں سے۔"

"ٹھہرئیے..... میں انتظام کرتا ہوں۔" واصف نے کہا اور بیگم سے پوچھا۔ "آپ
کیوں یاد فرمایا تھا مجھے۔"

"براہِ کرم ہمیں نصیر آباد پہنچا دیجئے۔ نصیر آباد تو ہم خود ہی چلے جائیں گے۔
اسٹیشن تک بحفاظت بھجوا دیجئے۔ میں بہت خوف محسوس کر رہی ہوں۔ پچھلی رات ان پر
ہوا تھا اُسے میں بھوتوں کا کارنامہ سمجھنے پر تیار نہیں اور جو کچھ بے بی کو پیش آیا.....!"

پھر یک بیک اس کے حلق سے ایک بیساختہ قسم کی چیخ نکلی اور وہ فرش پر گر کر تڑ
وہ تفضل ہی کے قریب کھڑی تھی۔

"کیا ہوا.....!" تفضل چیخا اور خود بھی لڑکھڑا کر ڈھیر ہوگیا۔ بیگم کی پیشانی سے
فوارہ چھوٹ رہا تھا۔

قاتل

"روشندان سے" دفعتاً حمید چیخا اور پھر دروازے کی طرف جھپٹا۔

پھر ایسی ہی آواز باہر سے آئی تھی جیسے کوئی بلندی سے کودا ہو۔ ساتھ ہی ایک چیخ بھی
دی۔ واصف بھی دروازے کی طرف لپکا۔ حمید عقبی دروازے کی طرف بھاگ رہا تھا۔

"سنئے تو..... ٹھہرئیے تو سہی۔" واصف نے اُسے آواز دی۔

"سائیلنسر لگے ہوئے ریوالور کا فائر تھا۔" حمید نے دروازے سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔
پلٹ کر چیخا..... "ٹارچ..... ٹارچ.....!"

واصف پھر اندر بھاگا۔ بدحواس ملازم سے ایک ٹارچ لی اور حمید کو آوازیں دینے لگا۔

"چلے آئیے..... چلے آئیے۔" حمید کی آواز کانپ رہی تھی۔

واصف نے ٹارچ روشن کی اور آواز کی جانب بڑھتا چلا گیا۔ دیوار کے اختتام کے قریب
سیاہ پوش آدمی اوندھا پڑا نظر آیا۔ حمید اس پر جھکا ہوا تھا۔

"کیا ہے.....کون ہے۔" اس نے پوچھا۔

"قریب آئیے۔"

ٹارچ کی روشنی کا دائرہ زمین پر پڑتے ہی سیاہ پوش پر تھم گیا۔ اس کے قریب ہی ایک
لسر لگا ہوا ریوالور بھی پڑا نظر آیا۔

حمید نے اُسے سیدھا کیا۔ پورا چہرہ نقاب میں چھپا ہوا تھا اور نقاب خون سے تر ہو چکی تھی۔

پھر روشنی کا دائرہ دیوار کے اوپر رینگتا چلا گیا۔

"روشندان.....!" حمید بڑبڑایا۔ "ہم اسی کمرے میں تھے..... اُوہ..... اب کیا اس کم

بخت نے بھی رونا شروع کر دیا۔''

روشندان سے دو آدمیوں کے دہاڑیں مار مار کر رونے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ان...
سے ایک یقینی طور پر قاسم تھا۔

''نقاب تو ہٹائیے۔'' واصف نے مضطربانہ انداز میں کہا اور پھر بیساختہ اچھل پڑا۔
حمید نے اس کے چہرے سے نقاب ہٹا دی تھی۔

''قدیر.....!''

حالانکہ اس کا چہرہ خون سے تر تھا لیکن پہلی ہی نظر میں پہچان لیا گیا۔ یہ بیگم تفضل کا
قدیر تھا۔

''چھت سے فائر کیا تھا غالباً.....'' واصف نے کہا۔ ''اور پھر وہیں سے کود پ...
اوہو..... میرے خدا..... یہ فائر بھی تفضل ہی کے لئے تھا۔ مگر وہ بال بال بچ گیا..... اور بیگ...
میرے خدا..... اوہ..... اوہ..... اپنے کھودے ہوئے کنوئیں میں خود ہی غرق ہو گئی۔''

حمید کچھ نہ بولا۔ قدیر گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

اتنے میں وہ دونوں کانسٹیبل بھی پہنچ گئے جو اس عمارت کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔

''یہ کیسے ہوا.....!'' واصف دہاڑا۔

''چلو اٹھاؤ اسے۔'' حمید نے کہا اور واصف کا بازو دبا کر اسے خاموش رہنے کا اشار...
وہ اسے اٹھا کر اندر لائے اور واصف فون والے کمرے کی طرف دوڑا۔ نوکرو...
معلوم ہوا کہ تفضل کی گاڑی کئی دنوں سے بیکار پڑی ہے۔ اس لئے اس کے علاوہ اور کوئ...
نہیں رہ گیا تھا کہ ایمبولینس کے لئے فون کر کے وہیں انتظار کیا جاتا۔ واصف اپنی گاڑ...
نہیں لایا تھا۔

بیگم ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ قاسم اور تفضل ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے دہاڑیں مار ر...
منظر متاثر کن تھا۔ لیکن قاسم کی طرف خیال منتقل ہوتے ہی حمید کو خوف محسوس ہوا ک...
الجھنوں کی دبیز تہیں چیرتا ہوا کوئی قہقہہ ہونٹوں تک آ ہی نہ جائے۔ اس لئے وہ کمرے...

...نکل آیا۔

قدیر کا ریوالور اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے اس کی نال سونگھی۔ بارود کی ہلکی
...ی بو موجود تھی۔ ایک چیمبر بھی خالی نظر آیا۔

پھر ایمبولینس گاڑی پہنچ گئی۔ قدیر زندہ تھا لیکن بیہوش۔ پتہ نہیں کہاں کہاں چوٹیں آئی
...ں..... ویسے پیشانی کی چوٹ تو ظاہر ہی تھی۔

بیگم کی لاش اٹھوا دی گئی اور قدیر کو ہسپتال روانہ کر دیا گیا۔ لیکن تفضل ابھی تک روئے
...ا تھا اور قاسم تو اس وقت پتہ نہیں کیا بن کر رہ گیا تھا۔ تفضل کو روتے دیکھ کر خود بھی بسورتا
...ا۔ پھر یکایک دہاڑیں مارتا ہوا اس سے لپٹ جاتا۔ تفضل کی آواز کچھ اور بلند ہو جاتی۔ قاسم
...ے چھوڑ کر الگ ہٹ جاتا۔ خود اس کی آواز بتدریج کم ہوتے ہوتے بالکل ہی ختم ہو جاتی.....
...کچھ دیر بعد وہی حرکت کرتا۔ یعنی یک بیک دہاڑیں مارتا اور پھر تفضل سے لپٹ جاتا۔

نسرین تو روتے روتے بیہوش ہو گئی تھی۔ پتہ نہیں یہ صدمہ تھا یا محض ذہنی جھٹکا۔

واصف لاش کے ساتھ ہی چلا گیا تھا اور حمید سے کہہ گیا تھا کہ وہ اس کے واپس آنے
...ک وہیں ٹھہرے۔

''تفضل صاحب صبر کیجئے۔'' بالآخر حمید نے کہا۔ ''نسرین بیہوش ہیں۔ انہیں ہوش میں
...نے کی فکر کرنی چاہئے۔ میں نے ڈاکٹر کو فون کیا ہے۔''

''ہائے یہ اچانک حادثہ..... اُف مار آستین..... کم بخت قدیر..... بیگم کے کتنے احسانات
...ے اس پر..... ہائے احسان فراموش..... کتا۔''

''ہوش میں آئیے مسٹر..... فائر آپ کے لئے تھا۔''

''میرے لئے۔'' تفضل کا منہ کھل گیا۔ آواز بند ہو گئی لیکن قاسم بدستور روتا ہوا دہاڑا۔
''ہائے تو یہ کمباخت غولی..... بیگم کے کیوں لگ گئی..... یہی کیوں نہیں چل بسے ہائے رے
قدیر.....!''

''خاموش رہو۔'' حمید کو غصہ آ گیا۔

"آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" تفضل اس بار چیخا تھا۔

"پچھلی رات بیگم پر نہیں آپ پر فائر ہوا تھا!" حمید نے کہا۔

"اوہ..... تو آخر قدیر..... نہیں..... وہ میرا دشمن کیوں ہو گیا۔ میں اس سے ہمیشہ شفقت سے پیش آیا ہوں۔"

"ڈیڈی.....!" نسرین کی آواز آئی۔ وہ شائد خود ہی ہوش میں آ گئی تھی۔

"میری بچی..... میری بچی۔" تفضل چیختا ہوا اس کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

اب رہ گئے میاں قاسم جو ابھی تک سسکیاں لئے جا رہے تھے۔ حمید کے گھورنے پھوٹے بھی تو یہ کہ "ٹھینگے پر گئی ایسی جاسوسی..... میری تو جندگی برباد ہو گئی۔"

"تم ہوش میں ہو یا نہیں..... تفضل کو ہوش آ گیا تو تمہاری گردن ہی اڑا دے گا۔ تم اس کی بیوی کے لئے رو رہے ہو۔" حمید نے مکا ہلا کر کہا۔

"جب اپنی نہ رونے دے تو دوسرے ہی کی سہی..... جاؤ جاؤ..... اپنا فلسفہ اپنے ہی رکھو۔ میں تو آج رو رو کر جان دے دوں غا..... دیکھتا ہوں کوئی سالا کیا کر لیتا ہے۔"

✿

دوسری شام ایس پی واصف اپنے دفتر سے اٹھ ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ کال حمید کی تھی اور وہ تفضل کی کوٹھی سے بول رہا تھا۔

"ہاں..... میں نے یہاں تھوڑا سا کام کیا ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "آپ کچھ دیر کے لئے تفضل سمیت آ جائیے..... مسئلہ ذرا کچھ الجھ گیا ہے۔"

"کیا بات ہے۔" واصف نے پوچھا۔

"بھئی..... قدیر ہوش میں آ جانے کے باوجود بھی ہوش میں نہیں ہے۔ میرا خیال ہے

اس نے ذہنی توازن کھو بیٹھنے کی ایکٹنگ شروع کر دی ہے۔"

"اچھی بات ہے..... میں آدھے گھنٹے کے اندر اندر پہنچ رہا ہوں۔"

سلسلہ منقطع ہو گیا۔

اس حادثے کے بعد واصف نسرین اور تفضل کو اپنے گھر لایا تھا اور وہ فی الحال اس کے ساتھ مقیم تھے۔ تاوقتیکہ رپورٹ مکمل نہ ہو جاتی اور کیس عدالت میں نہ پیش ہو جاتا وہ نصیر آباد کیسے جا سکتے۔ حمید نے بھی واصف کو یہی مشورہ دیا تھا کہ ضابطے کی کارروائی مکمل ہو جانے تک وہ انہیں اپنے ساتھ ہی رکھے۔

حسب وعدہ وہ تفضل سمیت آدھے گھنٹے کے اندر ہی اندر کوٹھی پہنچ گیا۔ یہاں حمید کے ساتھ مقامی سی آئی ڈی آفس کا ایک سب انسپکٹر بھی موجود تھا۔

"مجھے افسوس ہے مسٹر تفضل کہ آپ کے آرام میں خلل انداز ہوا۔" حمید نے کہا۔

"ارے میں تو خود ہی آپ سے ملنا چاہتا تھا جناب..... مجھ سے بڑی گستاخیاں ہوئی ہیں۔ آپ کی شان میں..... مگر مجھے کیا علم تھا کہ آپ کون ہیں۔ بہر حال میں تو آپ کو فرشتہ رحمت ہی سمجھتا ہوں۔"

"ایک طبقے میں ہم لوگ جہنم کے فرشتوں کے نام سے بھی یاد کئے جاتے ہیں۔" حمید مسکرایا۔ "خیر ہاں تشریف رکھئے۔ بعض بہت اہم مسائل درپیش ہیں۔ ان کے سلسلے میں آپ کی مدد درکار ہو گی۔"

"میں کوشش کروں گا کہ آپکی مدد کر سکوں۔ ویسے میرا دماغ بالکل کسی کام کا نہیں رہا جناب۔"

"قدرتی بات ہے۔ مجھے بے حد افسوس ہے کہ ایسے موقع پر آپ کی الجھنوں میں مزید اضافہ کر رہا ہوں لیکن اس کے بغیر کام بھی تو نہیں چلتا۔"

"خیر..... پوچھئے جو کچھ پوچھنا ہے۔"

"کیا آپ کو علم ہے کہ بیگم صاحبہ نے کتے کے منہ سے گرے ہوئے خون کے لختے کیمیاوی تجزیہ کے لئے سرکاری لیبارٹری میں بھجوائے تھے۔"

"جی.....!" تفضل کا لہجہ متحیرانہ تھا۔ "نہیں۔ مجھے اس کا علم نہیں۔ مگر کیوں بھجوائے تھے؟"

"انہیں شبہ تھا کہ کتے کو زہر دیا گیا تھا۔ ان کا شبہ درست نکلا۔"

"خدا کی پناہ..... مگر کس نے زہر دیا تھا۔ یہی تو میں کہوں کہ آخر وہ ڈنڈوں کی ضربات سے کیسے ہلاک ہوگیا۔"

"یہی سوال حل طلب ہے کہ زہر کس نے دیا تھا۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا۔" تفضل پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔ "میں پاگل ہو جاؤں گا۔"

"آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ یہ حرکت خود بیگم صاحبہ ہی کی تھی۔"

"بھئی خدا کے لئے مجھے اور پریشان نہ کیجئے۔ بھلا یہ کیا بات ہوئی کہ انہوں نے زہر بھی دیا تھا اور انہیں ہی شبہ بھی تھا کہ کتے کو کسی اور نے زہر دیا ہے۔"

"جی ہاں..... ان کے اس فعل سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ انہوں نے زہر نہیں دیا تھا حالانکہ زہر دینے والی وہی تھیں۔ اس کا مطلب یہی ہوسکتا ہے کہ وہ اس کا ذمہ دار کسی اور کو ٹھہرانا چاہتی تھیں.....!"

"مگر کیسے.....!"

"وہی جو آپ کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ یا جس کے سر آپ کے قتل کا الزام آنے والا تھا؟"

"مجھے ارشاد کے متعلق معلوم ہو چکا ہے۔ غالباً آپ کا اشارہ اُسی کی طرف ہے۔"

"جی ہاں..... آپ کے قتل کے بعد جب ارشاد نہ ملتا تو خیال اسی کی طرف جاتا۔ اُسے قدیر نے پہلے ہی ٹھکانے لگانے کی کوشش کی تھی۔ اس طرح نسرین صاحبہ بھی اس سے متنفر ہو جاتیں اور قدیر کے لئے بھی راستہ صاف ہو جاتا..... اور آپ کے بعد آپ کی دولت کی مالک نسرین اور بیگم صاحبہ ہوتیں۔ بیگم صاحبہ قدیر سے کوئی ایسا معاہدہ کر لیتیں کہ وہ ہمیشہ ان کے قبضے میں رہتا۔ یعنی نسرین کی شادی اس سے اسی معاہدے کے تحت کرتیں۔ اس طرح پوری دولت کا مالک صحیح معنوں میں کون ہوتا..... بیگم صاحبہ۔"

"اُوہ..... اُوہ.....!" تفضل دردناک آواز میں کراہا۔

"لیکن تفضل صاحب..... قدیر سے وہ حماقت کیوں سرزد ہوئی تھی۔"

"کون سی۔"

"اس نے ارشاد پر ایسی جگہ حملہ کیا تھا کہ اس کے فرشتے بھی وہاں سے اس کی لاش نہ اٹھا سکتے۔ یہ حملہ فیریز ڈریم کی کمپاؤنڈ میں ہوا تھا۔ وہ بھی عین پھاٹک کے سامنے۔ اس حملے کا مقصد یہی ہونا چاہئے نا کہ ارشاد لاپتہ ہو جائے تب ہی تو اس پر قتل کا الزام آتا اور پولیس اس کے لئے جھک مارتی پھرتی۔"

"ہاں یہ بات تو ہے..... مگر سنئے تو سہی۔ ہوسکتا ہے اس نے ارشاد پر حملہ نہ کیا ہو..... حملہ آور کوئی اور رہا ہو۔"

"میری آنکھیں مشکل سے دھوکا کھاتی ہیں۔ میں نے خود اُسے ارشاد پر حملہ کرتے دیکھا تھا۔"

"تب تو بھئی ٹھیک ہی ہوگا۔" تفضل کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "مگر اس طرح تو آپ کا خیال غلط ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ میرے قتل کا الزام ارشاد کے سر رکھنا چاہتا تھا۔"

"یہ خیال تو غلط ہو جاتا ہے..... لیکن یہیں پر صحیح خیال کی بنیاد پڑتی ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"میں سمجھاتا ہوں..... دیکھئے مثال کے طور پر آپ کا ایک ہاتھ چھوٹا ہے اور ایک بڑا۔"

"یہ کیسے ممکن ہے۔"

"ناپ کر دیکھ لیجئے۔"

تفضل احمقانہ انداز میں اپنی دونوں ہتھیلیاں میز پر ایک دوسری کے برابر رکھ کر ناپتا ہے۔

"دیکھئے انسپکٹر....." حمید نے سب انسپکٹر سے کہا۔ "اب یہ کتنا آسان ہوگیا۔ آپ نہایت اطمینان سے ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال سکتے ہیں۔ کتنے سلیقے سے میز پر رکھے ہوئے ہیں۔"

"کیا مطلب.....؟" تفضل اچھل کر کھڑا ہوگیا۔

"بیٹھ جائیے مسٹر تفضل۔ میں آپ کو تکلیف نہیں دینا چاہتا۔ اگر آپ نے جدوجہد کی تو

خواہ مخواہ ہانپنے لگیں گے۔"

"ارے..... ارے۔" واصف بوکھلا گیا اور اسی بوکھلاہٹ کے عالم میں تیزی سے جانے والی میز کی زد میں آ گیا۔

"خبردار.....!" حمید نے اچھل کر پیچھے ہٹتے ہوئے ریوالور نکال لیا۔ تفضل تھوڑے ہی فاصلے پر تھا۔ اس نے اکڑ کر کہا۔ "کردو فائر..... میری لاش ہی کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال سکو گے۔ میں نے شکست تسلیم کرنا سیکھا ہی نہیں۔"

"اگر تم جیسے اٹھائیس من کے بجو کو پھانسی کے تختے تک نہ گھسیٹا تو کچھ کیا ہی نہیں یہ تفضل۔" حمید نے ریوالور جیب میں رکھتے ہوئے کہا اور آہستہ آہستہ تفضل کی طرف بڑھنے لگا۔ تفضل کسی ایسے پہلوان کے پوز میں آ گیا تھا جو ہاتھ ملاتے ہی چیر اس مار دینے کا ارادہ رکھتا ہو اور حمید بھی ایسے ہی انداز میں آگے بڑھ رہا تھا جیسے زور آزمائی ہی کا ارادہ رکھتا ہو۔ لیکن اچانک غیر متوقع طور پر جھپٹ کر اس کی توند میں ٹکر ماری۔ مقصد غالباً یہی تھا کہ وہ اچانک گر پڑے۔ پھر گر جانے کے بعد کہاں اٹھ سکتا۔ اس کا تجربہ تو حمید کو پہلے ہی ہو چکا تھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کا سر چکرا گیا۔ کیونکہ وہ تو اسی ربڑ کی گڑیا کی طرح اٹھ کھڑا ہوا تھا جس کے پیروں میں وزنی سیسہ بھرا ہوتا ہے اور جو زمین پر لیٹ ہی نہیں سکتی۔ ادھر گراؤ اور ادھر اٹھ کھڑی ہوئی۔

یہ دیکھتے ہی واصف اور سب انسپکٹر بھی اس پر ٹوٹ پڑے..... لیکن اُن کا دل ہی جانتا ہو گا جس بُری طرح وہ دونوں اِدھر اُدھر کی دیواروں سے جا ٹکرائے تھے۔

وہ تو ہاتھی تھا ہاتھی۔ حمید سوچ میں پڑ گیا۔ ٹھیک اسی وقت اُسے قاسم کی آواز سنائی دی۔ غالباً برآمدے میں دہاڑ رہا تھا۔ "اے قدھر ہو..... کپتان صاحب کے دُمچے۔"

"آ جاؤ.....!" حمید نے جواباً آواز دی اور پھر تفضل پر ٹوٹ پڑا۔ لیکن اب تفضل کے چہرے پر کسی قدر سراسیمگی کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ وہ غالباً قاسم سے نہیں بھڑنا چاہتا تھا۔ حمید نے دو چار ہاتھ جھاڑے اور اس نے چپ چاپ کھالئے لیکن پھر جیسے ہی ہاتھ پکڑے

چاہے اُسے بھی اس نے واصف اور انسپکٹر ہی کی طرح جھٹک دیا۔

اتنے میں قاسم کی آواز پھر آئی۔ "ہائیں..... ہائیں..... یہ قیا ہو رہا ہے۔ تفجل بھائی..... کپتان صاحب کو قیوں مار رہے ہو۔ ارے وہ میں سمجھ غیا..... مغر پیارے بھائی..... ان کو ماف کردو..... یہ بالکل چغد ہیں۔ قیوں بیٹا پہلے ہی نہیں سمجھایا تھا کہ پانی مانگنے والی آنکھیں فجول ہوتی ہیں..... ہاہاہاہا..... اب بھگتا کرو..... ٹھینگے سے۔"

تفضل خاموش کھڑا قاسم کو گھورتا رہا۔ غالباً سوچ رہا تھا کہ اس سے کس طرح نپٹا جائے۔

"ہائیں..... پیارے تم تو مجھ سے بھی کھفا معلوم ہوتے ہو۔" قاسم اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ حمید چپکے سے اس کے پیچھے کھسک آیا تھا۔ یک بیک اس نے قاسم کی کمر پر ٹکر ماری اور قاسم "ابے ابے" کہتا ہوا تفضل پر ڈھیر ہو گیا۔ تفضل نیچے تھا اور قاسم اوپر..... قریب تھا کہ دونوں کا تصادم انہیں الگ کر دیتا۔ حمید نے جھپٹ کر تفضل کی گردن دبوچ لی اور قاسم دوسری طرف لڑھکتا چلا گیا۔ تفضل اکیلے حمید کے بس کا روگ اب بھی نہیں تھا۔ اگر واصف اور انسپکٹر بھی نہ دوڑ پڑتے تو وہ پھر اٹھ کھڑا ہوتا۔

اس طرح تفضل کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالی جا سکیں اور قاسم کو حیرت کی زیادتی کی وجہ سے یہ بھی یاد نہ آ سکا کہ اسے حمید کو کم از کم پانچ ہزار گالیاں دینی چاہئیں اور کوشش کرنی چاہئے کہ دو چار دھپ بھی رسید ہو سکیں۔

دو گھنٹے بعد وہ اس کمرے میں نظر آئے جہاں بیگم تفضل کا قتل ہوا تھا۔

تفضل کو یہاں سے مسلح گاڑی میں کوتوالی بھجوانے کے بعد ہی واصف کو ہوش آ سکا تھا کہ وہ حمید سے مزید استفسار کرتا۔ لیکن حمید اس وقت تک خاموش رہا جب تک کہ قتل والے کمرے

میں نہیں پہنچ گیا۔

''اس سوئچ بورڈ کو دیکھئے۔'' اس نے دیوار سے لگے ہوئے سوئچ بورڈ کی طرف
کیا۔''اس پر سے ایک سوئچ غائب ہے۔ جو کل قتل کے وقت موجود تھا۔ یہ پش بٹن والا
اور اسے سوئچ بورڈ پر دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی تھی۔ یہ لائبریری ہے اور پش بٹن والے سوئچ
بزر یا گھنٹی کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ لیکن کسی نجی لائبریری میں گھنٹی کا پش بٹن سوئچ
پر مشکل ہی سے ملے گا۔ یہاں سوئچ عموماً پڑھنے والی میزوں کے پایوں سے لگائے جاتے
تا کہ بیٹھے ہی بیٹھے گھنٹی کا بٹن دبا کر ملازموں کو بلایا جاسکے۔ یہ دیکھئے اس سوئچ بورڈ کا فاصلہ
پڑھنے کی میز سے کتنا زیادہ ہے۔ اگر ملازم بلانا ہو تو اٹھ کر یہاں تک آیئے۔ ہے نا بے تکی
بات۔ اس سوئچ کو لکھنے والی میز کے پائے ہی پر ہونا چاہئے تھا۔ بس اسی وجہ سے سوئچ میرے
ذہن میں محفوظ رہا تھا۔ لیکن اس وقت میں نے اسے اہمیت نہیں دی تھی۔ سوچا ضرور تھا اس کے
متعلق..... پھر تفضل بظاہر سنکی تو تھا ہی..... اسلئے اُسے اہمیت دینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

پھر وہ لمحہ بھی آیا جب وہ سوئچ ذہن سے بالکل ہی محو ہو گیا۔ اور وہ لمحہ وہی تھا جب ذہن
اس حال میں تھا۔ سیاہ پوش اور نقاب میں چہرہ چھپائے ہوئے۔ سائیلنسر لگا ہوا ریوالور بھی
کے قریب ہی موجود تھا اور ہم نے کسی کے کودنے اور چیخنے کی آوازیں بھی سنی تھیں۔ ا
صاف حالات میں قدیر ہی کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہونی چاہئے تھیں۔ لہٰذا قاتل بھی آ
واحد میں ہمارے ہاتھ آ گیا۔ پھر ہم سب یہاں سے رخصت ہو گئے۔ میں بھی اپنا سامان
وقت لیتا گیا تھا کیونکہ کھیل تو بظاہر ختم ہی ہو چکا تھا اس لئے یہاں کیوں ٹھہرتے۔ پھر ہوٹل
راہ لی۔ یہاں چار مسلح کانسٹیبل بدستور موجود رہے اور پھر بیچارہ فرہاد..... اس کا مسئلہ پھر میرے
ذہن میں چبھنے لگا۔ اگر اُسے ہی بحیثیت قاتل مشہور کرنا تھا تو ایسی غلط جگہ اس پر حملہ کیوں
اس الجھن کے ساتھ ہی لائبریری والا پش سوئچ بھی میرے ذہن میں ابھرا اور بُری طرح
رہا۔ صبح اٹھ کر میں نے سب سے پہلے کوٹھی ہی کا رخ کیا۔ چاروں مسلح سپاہی بدستور
تھے۔ ملازمین بھی شاگرد پیشہ ہی میں ملے۔ ایک نوکر کی حالت بہت ابتر تھی۔ آنکھیں

ہو رہی تھیں اور پلکیں سوجی ہوئی تھیں۔ مجھے دیکھتے ہی وہ دہاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ اُسے بیگم
صاحبہ سے بڑا انس تھا۔ میرے ساتھ وہ عمارت میں آیا۔ سسکیاں لیتا جا رہا تھا اور بیگم ہی کے
تذکرے تھے۔ میں کتب خانے کا دروازہ کھولنے لگا لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ نہ چاہتا ہو
کہ دروازہ کھولا جائے۔ میں اندر آیا تو وہ بھی ساتھ ہی چلا آیا۔ میں نے اعتراض نہ کیا۔ مجھے
ضرورت تھی کسی ایسے آدمی کی جس سے میں مزید پوچھ گچھ کرسکتا۔ سب سے پہلے میری نظر سوئچ
بورڈ ہی پر پڑی۔ وہ سوئچ غائب تھا۔ البتہ دونوں تار بورڈ کے سوراخوں سے باہر نکلے ہوئے
تھے۔ وہ اب بھی آپ دیکھ رہے ہیں۔ میں نے اس سے سوئچ کے متعلق پوچھا اور وہ چونک کر
مجھے گھورنے لگا۔ پھر فوراً سنبھل کر لاعلمی ظاہر کی۔ میں نے آگے بڑھ کر دونوں تاروں کو ملا کر
دیکھنا چاہا اور وہ بڑے وحشیانہ انداز میں مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ میں چونکہ یہاں داخل ہوتے ہی اس
کی طرف سے غیر مطمئن ہو گیا تھا اس لئے غافل بھی نہیں تھا ورنہ شائد دوبارہ آسمان دیکھنا
نصیب نہ ہوتا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے خود مر جائے گا یا مجھے مار ڈالے گا۔ میں نے پانچ یا چھ
منٹ کے اندر ہی اندر اُسے بے بس کر دیا۔ تب یہ کہانی میرے سامنے آئی جو پچھلی رات والے
نظریات سے بالکل مختلف تھی۔ ٹھہریئے..... دیکھئے آپ لوگ ادھر..... اس گوشے میں آجایئے
کھیل خطرناک ہے۔''

حمید نے سوئچ بورڈ کے قریب پہنچ کر کہا۔ ''اب روشندان کے فریم پر بائیں جانب دیکھئے
جہاں سیاہ دائرہ سا نظر آ رہا ہے۔ آپ اسے زیادہ سے زیادہ لکڑی کی گانٹھ سمجھیں گے۔ لیکن
دیکھئے۔'' جیسے ہی حمید نے سوئچ بورڈ کے تار ملائے سیاہ دائرہ برق جہندہ کی طرح چھوٹے سے
خلاء میں تبدیل ہوا اور پھر اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔ ادھر سامنے والی دیوار سے کھٹاکے کی آواز
آئی اور بہت سا پلاسٹر ادھر گیا۔ حمید نے آگے بڑھ کر فرش سے گولی اٹھائی اور بولا..... یہ گولی
قدیر کے ریوالور میں پائی جانے والی گولیوں سے مختلف نہیں ہے..... پچھلی رات تفضل اسی جگہ
دیوار سے لگا کھڑا تھا۔ دفعتاً وہ لڑکھڑایا تھا اور اس کی بیوی اُسے سہارا دینے کے لئے کچھ اور
کھسک آئی تھی اس طرح جب وہ نشانے پر آ گئی تھی تو تفضل نے اپنے سر کے پچھلے حصے سے

سوئچ کا بٹن دبا دیا تھا۔ چونکہ گولی بے آواز تھی اس لئے ہم دیر میں سمجھے تھے کہ کیا ہوا۔ بھی تو یہی تھے کہ کسی نے بے آواز ریوالور روشندان سے چلایا ہے۔ پھر قدرتی بات تھی باہر دوڑے جاتے۔ باہر قاتل تیار ملا..... چونکہ اس سے پہلے والی رات کو تفضل پر فائر ہو اس لئے ہم نے فوری طور پر یہی نتیجہ اخذ کیا کہ اس بار بھی قاتل کا ہاتھ بہک گیا اور تو بجائے بیگم تفضل ہی ٹھکانے لگ گئی۔“

”مگر یہ قدیر.....!“ واصف نے ٹوکا۔

”اب شروع ہی سے کہانی سنئے۔ تفضل نے بہت پہلے سے اس قتل کا پروگرام بنا لیکن اسے آج کل پر ٹالتا رہا۔ بنائے مخاصمت تھی بیگم کی آوارگی۔ تفضل اس کی حرکتو اچھی طرح واقف تھا مگر اس نے کبھی اس پر یہ بات ظاہر نہیں ہونے دی۔ بلکہ اس وقت قتل کا پروگرام بھی نہیں بنایا جب تک کہ اسی نوکر نے اُسے غیرت نہیں دلائی جس کا تذکر کر چکا ہوں۔ یہ نوکر بھی کوئی معمولی آدمی نہیں، دھام نگر ڈکیتی کیس والے نامی بدمعاش یاد ہی ہوں گے یہ بھی انہیں میں سے تھا۔ دس سال کا سزا یافتہ اور ایک ماہر مکینک روشندان والا خطرناک میکنزم اسی نے ترتیب دیا تھا۔ ہاں تو جب اس نے تفضل کو غیرت تو اس کا خون بھی کھول گیا ورنہ پہلے تو وہ یہ سمجھ کر نظرانداز کرتا رہا تھا کہ جب اس کے علا کوئی اس کے کرتوت سے واقف نہیں ہے تو خواہ مخواہ بات بڑھا کر اپنی پگڑی بھی کیوں اچ جائے۔ بیوی کی حرکت یہ تھی کہ اس نے برابر والی عمارت کو آسیب زدہ مشہور کر رکھا تھا۔ ہے کہ آسیب زدگی کے اظہار کے سلسلے میں پہلا واقعہ اس کی جدت طبع کا نتیجہ رہا ہو۔ ہو اس کے بعد سے اس نے کسی کرایہ دار کو وہاں ٹکنے ہی نہیں دیا۔ اگر تفضل کسی کو کرایہ پر دیتا تھا تو وہ وہی طریقے اختیار کر کے معاہدہ ختم کرا دیتی تھی جو اس نے میرے ساتھ اختیار کیا بہرحال مکان خالی رکھنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ رات کی تاریکی میں وہیں اپنے دوستوں رہے۔ تفضل نے اس پر کبھی ظاہر ہی نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ اس کی حرکتوں سے واقف لیکن جب قتل کا پروگرام بن گیا تو اسکیم کے مطابق تفضل نے کچھ دنوں کے لئے اُس مکان

وتوں کی آمد و رفت ملتوی کرانی چاہی۔ اس کے لئے اس نے ایک کتا پال لیا۔ نتیجہ خاطر خواہ لا۔ آمد و رفت بند ہو گئی اور بیگم بور ہونے لگیں۔ لہٰذا انہوں نے بھی کتے کے لئے ایک اسکیم ڈالی۔ یعنی جب بھی انہیں غصہ آتا کتے ہی کو پیٹ کر رکھ دیتیں۔ انہوں نے بھی سوچ رکھا تھا کسی دن مناسب موقع دیکھ کر کتے کو زہر دے دیں گی اور پھر کریں گی ڈنڈے سے پٹائی اور مرے گا تو زہر ہی کی وجہ سے مگر سمجھا یہ جائے گا کہ ڈنڈا مہلک ثابت ہوا ہے۔ اتفاق سے وہ تفضل کو سچ مچ گھامڑ ہی سمجھتی تھی۔ ادھر میاں تفضل پھر ایک کرایہ دار بسانا چاہتے تھے تاکہ بھی ایک بار بھوتوں کا ہنگامہ برپا کریں اور اسی ہنگامے کے دوران پولیس آفیسروں کی جودگی ہی میں اسے ٹھکانے لگا دیں۔ بیگم صاحبہ نے دیکھا کہ ایک کرایہ دار آ ہی مرا ہے تو ہوں نے بھی سوچا کہ کتا تو خیر مر ہی جائے گا لیکن یہ کرایہ دار کیسے کھسکے گا۔ لہٰذا شائد انہوں نے ”بھوتیت“ کے مظاہروں کا پروگرام بنا لیا تھا۔ لیکن دوپہر کو جب ہمارا سامان رکھا جانے تو اُن کے کچھ کر گزرنے سے پہلے ہی بھوتوں نے حرکتیں شروع کر دیں اور وہ چکرا گئیں۔ ر تفضل کی طرف خیال ہی نہ گیا ہوگا کیونکہ اُسے تو وہ ڈفر سمجھتی تھیں۔ پس نظر ارشاد ہی پر تھی۔ ادھر تفضل نے کتے کا خون کیمیاوی تجزیہ کے لئے بھیج دیا تھا۔ اپنی بیوی کے نام سے لیبارٹری کو ہدایت کر دی تھی کہ نتیجہ اُسے ایس پی واصف کے توسط سے بتایا جائے۔ واصف اُسے اطلاع دی تو وہ ایک بار پھر چکرا گئی اور غالباً یہی سوچا کہ یہ بھی ارشاد ہی کی حرکت تی ہے۔ کیونکہ وہ بھی نسرین کا نہ صرف امیدوار تھا بلکہ دعویٰ رکھتا تھا کہ نسرین بھی اُسے تی ہے۔ ادھر وہ خود اس کی شادی قدیر سے کرنا چاہتی تھی۔ پھر بھوتوں کے ہنگامے کی پہلی ت شروع ہوئی۔ یہ ہنگامے سو فیصدی تفضل ہی کی طرف سے برپا کرائے گئے تھے اور ان کی اس کا وہی ملازم تھا جسے آج میں نے گرفتار کیا تھا۔“

”مگر یار وہ روشنی کے جھماکے..... وہ خون۔“ واصف نے ٹوکا۔

”ارے اُسے تو میں پہلے ہی مسخرہ پن سمجھا تھا۔ کیا بڑی بات ہے..... اندھیری رات میں ے کپڑے پہن لیجئے اور کسی سے صرف دس گز کے فاصلے پر جو چاہئے کرتے پھرے اُسے

کانوں کان نہیں بلکہ آنکھوں آنکھ خبر نہ ہوگی۔ روشنی کے جھماکے بجلی غائب ہو جانے
ہوتے تھے۔ مین سوئچ آف کیا اور حرکتیں شروع کر دیں۔ پوٹاشیم سلفیٹ کی ڈھیری پر
سلفیورک ایسڈ ٹپکا دیجئے بھک سے اڑ جائے گا۔ ارے یہ شعبدہ تو جاہل چورن والے
کوچوں میں دکھاتے پھرتے ہیں۔ چورن پر ایک چٹکی پوٹاشیم سلفیٹ ڈالی اور ایسڈ کی شیشی
سلائی ڈبو کر پوٹاشیم پر لگائی۔ شعلہ نکلا بچے خوش ہوئے اور اکنی کی پڑیا خرید کر لے گئے
چالاکی یہ ہوتی تھی کہ اُسی جگہ تازہ تازہ خون بھی ڈال دیا جاتا تھا تاکہ فرش پر پوٹاشیم جلنے
پڑنے والا دھبہ چھپ جائے۔ اس نتیجے پر تو میں پہلے ہی پہنچا تھا اسی لئے تو جما رہ گیا۔ پھر
غائب کر دی گئی جس کا مقصد یہ تھا کہ پولیس کو فوری طور پر متوجہ کیا جا سکے تاکہ آئندہ پولیس
کی موجودگی میں بیگم کو بھی قتل کیا جا سکے۔ بے بی کے غائب ہونے کا قصہ قدیر کو گراں
ہوگا۔ اس نے سوچا ہوگا کہ وہ بیہوشی ہی کی حالت میں اس کے گھر پہنچا دی جاتی اور ب
حالت میں وہاں سے برآمد بھی کر لی جاتی۔ اس طرح امید واروں کی فہرست سے اس
خارج کرا دیا جاتا۔ یہ حرکت اس کی دانست میں ارشاد کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی
اُسے تاؤ آ گیا اور اس نے ارشاد پر ایک ناکام حملہ بھی کر ڈالا اور ہم خواہ مخواہ اس کی
تھیوریاں بناتے رہے۔ حالانکہ وہ قطعی غیر متعلق چیز تھی۔ ارشاد بیچارہ تو ان معاملات سے
ہی دور رہا تھا۔ اس نے صرف اتنا کیا تھا کہ بیگم کے کہنے پر اس کا پیغام مجھ تک پہنچا دیا تھا
بیگم کا یہی خیال تھا کہ ہنگامہ اسی نے برپا کیا تھا تاکہ قدیر کو بدنام کیا جا سکے۔ ادھر تفضل
پچھلی رات قدیر کو پکڑوا لیا اور بیہوش کر رکھا۔ اسکیم کے مطابق بیہوشی ہی کی حالت میں اُ
پوش بنایا گیا اور وہی نوکر چھت پر اس سمیت موجود رہا ادھر بیگم کی چیخ نکلی تھی اور اُدھر اس
بیہوش قدیر کو پستول سمیت عین روشندان کے نیچے پھینک دیا تھا۔ ہم سمجھے کہ اس نے فائر
نیچے چھلانگ لگائی تھی اور ہاتھ پیر توڑ بیٹھا تھا۔ نوکر کا بیان ہے کہ اب وہ کبھی صحیح الد
ہو سکے گا کیونکہ اس کے جسم میں ایک ایسا زہریلا مادہ انجکٹ کیا گیا تھا جو ہمیشہ کے لئے
ماؤف کر دیتا ہے۔ لیکن میڈیکل ٹسٹ سے اس کا سراغ نہیں مل سکتا۔ یہ ہے کہانی..... او

تفضل جسے آج تک آپ سب ڈیوٹ سمجھتے رہے۔ بلا کا ذہین ہے جناب۔ لیکن ان لوگوں میں
ہے جو دراصل ہوتے تو ہیں بھیڑئیے لیکن گیدڑ کی کھال اوڑھے رہتے ہیں۔ کون جانے
دولت مندی میں اس کی دبی فطرت کو دخل ہو۔ اس نوکر کے نام اس نے بینک میں ایک لاکھ
منتقل کیا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ اپنی ریاست میں بھی اس کا خیال رکھے گا۔ یہ بڑی عجیب بات
کہ تفضل حقیقتاً بیوی سے خائف بھی رہتا تھا۔ غالباً یہ خوف ہی اس اقدام کا باعث بنا تھا۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ سبھی کچھ نہ کچھ سوچ رہے تھے۔

"اللہ ناٹے کو لمبی اور لمبے کو ناٹی عورت سے بچائے۔" قاسم جماہی لے کر بڑبڑایا۔"اور
مجھ کو تو بالکل غارت ہی کر دے۔"

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 87

زہریلا آدمی

(مکمل ناول)

پیش رس

لیجئے بہت دنوں بعد پھر ایک ایسی کہانی دے رہا ہوں جسے آپ عرصہ تک یاد رکھ سکیں۔

اس کہانی کا مجرم جنسی کجروی (یا شاید گمراہی) کا شاہکار ہے۔ لیکن بھئی نہ تو یہ امریکن فلمیں دیکھ کر مجرم بنا ہے اور نہ جاسوسی ناول پڑھ کر۔ جنسیت کے معاملہ میں اسے مجرمانہ ذہنیت ورثہ میں ملی تھی۔ وہ خود بھی اس کا اعتراف کرتا ہے لیکن اس کے جرائم کی ابتداء جنسی گمراہی سے نہیں ہوتی۔ جو کچھ بھی ہوا تھا غلط فہمی کی بناء پر ہوا تھا۔ اسے اس کی پاداش میں جو سزا ملی وہ بڑی گھناؤنی اور انسانیت سوز تھی.... پھر کیا ہوا....؟

اس کہانی میں تو وہ اس منزل پر ملے گا جہاں پھانسی پانے کا تصور بھی اس کیلئے جنسی استلذاذ کا ذریعہ بن گیا تھا کہ یہ اذیت طلبی (Masochism) کی انتہا نہیں ہے۔ اس نے دوسروں کو مار ڈالنے کے لئے ایک ایسا طریقہ ایجاد کیا تھا کہ خود کو اژدھا تصور کر سکے۔ میری دانست میں اسے بھی (Sadistie) رجحانات کی انتہا ہی سمجھنا چاہئے۔

اذیت پسندی کے علاوہ "استلذاذ" (Incest) بالا قارب کا بھی شاہکار تھا۔

کاش اس کی ایک غلطی فہمی اتنی بڑی سزا کا باعث نہ بنتی۔ کاش پہلی غلطی پر وہ کسی "اصلاح خانے" کے سپرد کر دیا گیا ہوتا۔

بچوں کو سزا دینے کے سلسلے میں بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ ہمیشہ یاد رکھئے۔

"بہتیروں کی ایک پرانی خواہش کے مطابق اس کہانی میں انور اور رشیدہ بھی پیش کئے جا رہے ہیں۔"

ابن صفی

آغاز

کرائم رپورٹر انور نے اپنی جیبیں ٹٹولیں اور ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ گالوں پر
ہی ہاتھ پھیر کر بڑھے ہوئے شیو کی چبھن محسوس کر چکا تھا۔ خیر شیو تو اتنا بھی بڑھ سکتا تھا کہ
ڈاڑھی کہتے اور انور کچھ دنوں تک پھندنے والی قدیم رومن کیپ پہنے پھرتا اور لوگ کہتے
کہ شاید خدا نے اُسے نیک توفیق عطا کر ہی دی آخر کار۔

لیکن... سگریٹ کا مسئلہ پیسوں کے بغیر کیسے حل ہوتا۔ ادھر بہت دنوں سے اپنے کو
اہم پرائیویٹ کیس بھی نہیں ملا تھا جس میں تین ہی ہندسے والی کسی رقم سے مڈبھیڑ ہوتی
لے دے کر اس تنخواہ سے کام تھا جو اسٹار کے دفتر سے ملتی تھی۔ لیکن وہ تو شاید پورے ایک
سگرٹوں کی بھی کفالت نہ کر سکتی۔

اس نے آج تک فاقے تو نہیں کئے تھے البتہ اکثر سگرٹوں کو ضرور ترس گیا تھا۔
ہو۔ اس نے سوچا آج یقینی طور پر ردی فروشی کرنی پڑے گی۔ رشیدہ سے بھی کچھ مل جا
توقع نہیں تھی جب انور نے اس کے سامنے سگرٹوں کا خالی ڈبہ بجانا شروع کر دیا تھا۔

اس نے ایک بار پھر ان شیلفوں پر نظر ڈالی جن میں اخبارات اور رسائل بھرے
تھے۔ ان کا وزن ڈیڑھ یا دو من سے کسی طرح کم نہ رہا ہوگا۔

"ادبی خدمت.... آٹھ آنے سیر۔" اس نے خوانچہ دانوں کے سے انداز میں آ
آواز لگائی۔

اور پھر ان شیلفوں کو خالی کرنے کے لئے آگے بڑھا ہی تھا کہ رشیدہ کمرے میں داخل
ہوئی۔ اس کا موڈ کچھ خراب معلوم ہوتا تھا۔

"کیا میں تمہارے باپ کی نوکر ہوں۔" اس نے خواہ مخواہ پھاڑ کھانے والے انداز میں
پوچھا۔

"باپ ہی سے پوچھو۔" انور نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی اور شیلف کے خانے
میں ہاتھ ڈال کر رسائل کی ایک تہہ نیچے فرش پر گرا لی۔

"نہیں تمہارے ملاقاتی یہی سمجھتے ہیں۔"

"میں ان کا بے حد شکر گزار ہوں۔"

"کیا....؟"

انور نے خاموشی سے رسائل کی دوسری تہہ بھی فرش پر گرائی... وہ رشیدہ کی طرف متوجہ
نہیں تھا لیکن رشیدہ اُسے بدستور گھورے جا رہی تھی۔

انور نے جماہی لی اور کراہ کر بولا۔ "یہ کام بھی جلد ہی ہونا چاہئے۔ غالباً اس وقت تمہیں
زحمت ہے۔"

"دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔ میں ردی بیچنے جاؤں گی۔"

"اور نہیں تو کیا میں بیچوں گا۔" انور غصیلے انداز میں اس کی طرف مڑا۔

"بکواس بند کرو۔ وہ بہت غصے میں ہے.... تعجب نہیں کہ بُری طرح پیش آئے۔"

"کون....؟"

"میں نہیں جانتی۔"

"کہاں ہے۔"

"اپنے فلیٹ میں بٹھا آئی ہوں۔"

"کیوں؟ میں تم سے کئی بار کہہ چکا ہوں کہ....!"

"پوری بات سنو۔" رشیدہ کی جھلاہٹ بڑھ گئی۔ "وہ کہہ رہا تھا کہ اگر آج تصفیہ نہ ہوا

تو.... ایک آدھ قتل بھی ہو سکتا ہے۔''

''اوہ....!'' انور نے سنجیدگی اختیار کرنے میں جلدی کی۔ ''غنڈہ ہے کوئی۔''

''ہوش کی دوا کرو۔ غنڈہ ہوتا تو میں اسے اپنے فلیٹ میں بٹھاتی۔''

''کیا اس نے مجھے قتل کی دھمکی دی ہے۔''

''تم سنتے کیوں نہیں۔ میں کہہ رہی ہوں کہ اس سے گفتگو کر کے جلد از جلد یہاں سے کھسکانے کی کوشش کرو۔''

''سوال یہ ہے کہ تم نے اسے اپنے فلیٹ میں بٹھایا کیوں؟ براہِ راست... کیوں نہ بھیج دیا۔''

''او.... انور کے بچے.... میں اسے ٹھنڈا کرنا چاہتی تھی.... تیغ بے نیام ہو رہا تھا۔''

''اچھی بات ہے۔ اس کا.... کارڈ....!''

''اس نے اپنے متعلق کچھ نہیں بتایا۔ لیکن گفتگو سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ شاید تمہیں بلیک میلر سمجھتا ہے۔''

''تمہاری کیا رائے ہے میرے متعلق۔''

''انور....!'' رشیدہ دانت پیس کر بولی۔ ''کیا یہ ضروری ہے کہ تم اسی وقت میری رائے بھی جاننا چاہو۔ میں کہتی ہوں سے جلد از جلد رخصت کرنے کی کوشش کرو۔''

''یہ کام تم بھی کر سکتی ہو۔'' انور نے لاپروائی سے کہا اور پھر شیلف کی طرف مڑ گیا۔

''تو تم یہ بھی نہیں معلوم کرنا چاہتے کہ وہ ہے کون۔'' رشیدہ نے اپنا دماغ ٹھنڈا رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''اس وقت تو میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ردی کتنے دام دے نکلے گی۔''

''اچھی بات ہے۔'' رشیدہ دروازے کی طرف مڑتی ہوئی بولی۔ ''مگر ہوشیار رہنا.... تمہاری طرح ادھر ہی آئے گا۔''

انور نے اس کی طرف مڑے بغیر بے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

اجنبی دراز قد صحت مند اور وجیہہ تھا۔ عمر تقریباً چالیس سال ہی ہوگی۔ نیلے رنگ کے سوٹ میں تھا۔ سر پر مخصوص وضع کی سفید پگڑی تھی... چپکی ہوئی سی یعنی اتنی مدور نہیں تھی کہ گالوں کی سطح سے ابھری ہوئی معلوم ہوتی۔

رشیدہ کی آمد پر وہ اٹھا نہیں تھا بلکہ اس انداز میں اسے گھورتا رہا تھا جیسے وہ دنیا کی کوئی بدترین مخلوق ہو۔

رشیدہ کو اس کی اس حرکت پر بے حد تاؤ آیا۔ لیکن وہ خاموش ہی رہی۔

''کیوں...؟'' اجنبی کا لہجہ بھی غصہ بڑھانے کے لئے کافی تھا۔

''وہ اتنے سویرے کسی سے بھی ملنا پسند نہیں کرتا۔'' رشیدہ نے کہا۔

''مگر مجھ سے تو ملنا ہی پڑے گا۔'' اجنبی پرسکون لہجے میں بولا۔ طرزِ گفتگو میں خود اعتمادی کی جھلکیاں تھیں۔ وہ چند لمحے خاموشی سے خلاء میں گھورتا رہا پھر بولا۔ ''تمہارا اس سے کیا رشتہ ہے.... مگر تم تو بہت شریف لڑکی معلوم ہوتی ہو۔''

''شکریہ....!'' رشیدہ نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ ''میں اس کی دیکھ بھال کرتی ہوں اور ہم دونوں ایک دوسرے کے سب کچھ ہیں۔''

''اوہ.... مسز انور....!''

''جی نہیں۔''

''خیر.... خیر....!'' اجنبی کا لہجہ خشک تھا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے لہجے کی اچانک تبدیلی کا باعث کوئی فوری خیال بنا ہو۔

وہ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ''کیا تم لوگوں کی حالت بہتر نہیں ہے۔''

''میں سوال کا مطلب نہیں سمجھی۔'' رشیدہ کو پھر تاؤ آ گیا۔

''ضرورت بھی نہیں ہے۔'' اجنبی کے لہجے کی خشکی بدستور قائم رہی۔ ''بھونکنے والے کتے

پر پتھر چلاؤ تو وہ اور زیادہ شور مچائے گا.... پھر کیوں نہ پتھر کی بجائے کوئی ایسی چیز پھینکی جا
اس کے حلق سے اتر سکے۔"

اجنبی خاموش ہو کر اپنا بریف کیس کھولنے لگا.... رشیدہ کسی بھوکی شیرنی کی طرح ا
گھورے جا رہی تھی۔

بریف کیس سے دس دس کے نوٹوں کی دو گڈیاں نکلیں اور اجنبی نے رشیدہ کی طر
دیکھے بغیر کہا۔ "بہتر یہی ہے کہ بھونکنے والے منہ چلانے میں مشغول ہو جائیں اور راہی چ
چاپ آگے بڑھ جائے۔ کیا خیال ہے اچھی لڑکی۔"

"تم ہماری توہین کر رہے ہو مسٹر۔"

"میرا کوئی نام نہیں ہے۔" اجنبی مسکرایا اور نوٹ کی گڈیوں کو میز پر ڈالتا ہوا اٹھ گیا۔ چن
لمحے رشیدہ کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر سفاکانہ لہجے میں بولا۔ "اگر وہ منہ چلانے میں مشغول نہ
ہو جائیں تو پھر ایسے کتوں کو گولی ماردی جاتی ہے۔ تم اس سلسلے میں رانا پرمود کا حوالہ دے سکو گی۔"

پھر وہ اتنی تیزی سے کمرے سے نکل گیا کہ رشیدہ نوٹوں کی گڈیاں اس کے منہ پر بھی نہ
مار سکی۔

سارجنٹ حمید جھوم جھوم کر ماؤتھ آرگن بجا رہا تھا۔ دفعتاً ایک ملازم کمرے میں داخل ہوا
اور ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"صاحب.... یہاں سناٹا چاہتے ہیں۔" نوکر گھگھیایا۔ "میری شامت آجائے گی سرکار۔"

"اچھا....!" حمید اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "تیری یہ مجال....!"

"سرکار.... سرکار۔" نوکر اور شدت سے گڑگڑایا۔

"قبروں پر بھی قوالیاں ہوتی ہیں لیکن یہ زندہ شہید سناٹا پسندی کے مرض میں مبتلا ہے۔
ے خدا.... میں کیا کروں۔"

نوکر چپ چاپ کمرے سے نکل گیا اور حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

ایک ہفتے سے گھر میں سناٹا تھا۔ قبرستان کا سا سناٹا۔ صرف کبھی کبھی کتے بھونکنے لگتے
تھے۔ ان کے متعلق حمید کا خیال تھا کہ وہ بھی یہی پوچھتے ہیں آخر سناٹا کیوں؟

ایک ہفتے سے اس نے فریدی کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ لیکن وہ اس وقت بھی اوپری منزل
پر اپنی تجربہ گاہ میں موجود تھا۔ ہو سکتا ہے وہ باہر بھی جاتا رہا ہو اس دوران میں۔ لیکن حمید کو علم
یں ہوتا تھا کیونکہ عقبی پارک کی طرف بھی زینے تھے۔ فریدی بہ آسانی اس طرح باہر جا سکتا
کہ کسی کو خبر نہ ہوتی۔

حمید کو علم تھا کہ سپرنٹنڈنٹ مارش اسمتھ نے کوئی کیس اس کے سپرد کیا ہے۔ لیکن ابھی
ک اسے کیس کی نوعیت نہیں معلوم ہو سکی تھی۔

بہر حال وہ کوئی ایسا ہی کیس تھا جس کے لئے تجربہ گاہ میں بھی وقت گزارنا ضروری ہوتا۔

"زندگی!" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ چند لمحے کلاک پر نظر جمائے رہا پھر ماؤتھ آرگن
و جیب میں ڈالتا ہوا اٹھ گیا۔

فریدی کی خواب گاہ میں فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ وہ تیزی سے باہر نکلا۔ گھنٹی بند ہو گئی۔
الباً فریدی نے تجربہ گاہ والے فون کا ریسیور اٹھا لیا تھا۔

حمید چپ چاپ کمرے میں داخل ہوا اور فون کا ریسیور اٹھا کر کان کے قریب لے گیا۔
ریدی کی آواز آئی۔ "ایک منٹ ٹھہرو۔"

"بہت بہتر جناب۔" یہ دوسری آواز تھی۔

پھر فریدی کی آواز آئی۔ "حمید ریسیور رکھ دو۔ نکل جاؤ کمرے سے۔ نکلو۔"

حمید نے پھر ٹھنڈی سانس لی۔ ریسیور رکھ دیا۔ لیکن کمرے ہی میں کھڑا رہا۔ پتہ نہیں
دوسری طرف کون تھا۔ فریدی کی یہ جھڑکی اس نے بھی سنی ہوگی۔ حمید نے سوچا اور اسے تاؤ

آ گیا۔

فوراً ہی گھنٹی پھر بجی۔ بجتی ہی رہی.... اس بار شاید یہ فریدی ہی کی کال تھی حمید کے لئے

"فرمایئے۔" حمید نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔

"گھنٹی بند ہو جانے پر تم نے ریسیور کیوں اٹھایا تھا۔" فریدی کے لہجے کی سختی حمید کو کھل گئی

"میں سمجھا تھا شاید میری ہی طرح وہ بھی بے حیا ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ سنو ٹھیک ساڑھے دس بجے پریسٹیج بار میں سارجنٹ ہنری سے ملو

"وہ ڈیوٹی کے اوقات میں بھی پیتا ہے۔ اگر مجھے پلا دی تو کیا ہوگا۔"

"جاؤ....!" فریدی کی غراہٹ کے ساتھ ہی سلسلہ بھی منقطع ہو گیا۔

رشیدہ نے نوٹوں کی گڈیاں انور کے منہ پر کھینچ ماریں۔ لیکن وہ اس کے سر پر سے گذر
ہوئی پچھلی دیوار سے جا ٹکرائی تھیں۔

"تھپڑ رسید کردوں گا۔" انور سیدھا ہوتا ہوا بولا۔ "آدمیوں کی طرح بات کرو۔ صبح
اب تک سگریٹ کا ایک کش بھی نصیب نہیں ہوا۔"

"تم نے بلیک میلنگ شروع کردی ہے۔" وہ دانت پیس کر بولی۔

"بکواس مت کرو۔ یہ بتاؤ وہ کون تھا۔"

"اس نے اپنا نام نہیں بتایا تھا۔ لیکن رانا پرمود کا حوالہ دیا تھا۔"

"گڈ....!" انور کے ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ نظر آئی اور اس نے اٹھ کر دونوں گڈیاں
اٹھائیں۔ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔ "میرے اکاؤنٹ میں صرف ساڑھے سات ہزار
باقی بچے ہیں۔ اب غالباً دو ہزار ساڑھے سات ہو جائیں گے۔"

"تم رکھو گے انہیں۔" رشیدہ نے آنکھیں نکالیں۔

"فی الحال۔" وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ پھر چونک کر مسکرایا۔ "رشو ڈارلنگ....!" لہجہ بڑا رسیلا تھا۔

"پہلے میری بات کا جواب دو۔"

"ختم کرو.... میری بات سنو۔"

"میں ان گڈیوں کا....!"

"مت بور کرو۔" انور کانوں میں انگلیاں ٹھونستا ہوا بولا۔ "جاؤ اُسے تلاش کرو اور واپس
لے آؤ۔ مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"میں کہاں تلاش کروں۔"

"پھر انہیں اٹھا کر سڑک پر پھینک دو۔"

رشیدہ کچھ نہ بولی۔

"تو رشو ڈارلنگ.... یہ بینک ہی میں محفوظ رہ سکیں گے۔"

"چلو خیر.... لیکن تم نے بلیک میلنگ....!"

"خدا غارت کرے۔" انور نے دانت پیس کر میز پر مکا رسید کیا۔ "ختم کرو میری بات سنو۔"

"بکو....!"

"فرہاد نے شیریں کے لئے پہاڑ کھودا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ چوہا بھی نہ نکلا ہو.... شاہ
جہاں نے علاؤ الدین خلجی کے لئے تاج محل بنوایا تھا۔ علاؤ الدین نے قطب مینار کے لئے
رضیہ سلطانہ تعمیر کرا دیا تھا لیکن تم سے اتنا نہیں ہو سکتا کہ صرف ایک پیکٹ....!"

"یہ لو.... زہر مار کرو۔" رشیدہ نے بلاؤز کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر سگرٹوں کا پیکٹ
نکالا اور اُسے اس کی طرف اچھالتی ہوئی بولی۔ "اُدھار لائی ہوں۔"

"شکریہ تم اسی وقت بہت اچھی ہو۔ اب جاؤ.... ذرہ برابر بھی دلچسپی تم میں نہیں رہ گئی۔"
انور نے پیکٹ سنبھالتے ہوئے غسلخانہ کی راہ لی۔

رشیدہ پہلے تو بُرا سا منہ بنائے کھڑی رہی پھر بیٹھ کر غالباً اس کی واپسی کا انتظار کرنے

لگی۔ پندرہ منٹ بعد انور پھر کمرے میں داخل ہوا۔ مگر انداز ایسا ہی تھا جیسے رشیدہ کی مو
سے بے خبر ہو۔

"ادھر دیکھو....!" رشیدہ دہاڑی۔

"دیکھے بغیر بھی تو کام چل ہی جاتا ہے بکے جاؤ۔" انور ڈریسنگ ٹیبل پر جھکتا ہوا بولا۔

"رانا پرمود کا کیا قصہ ہے۔"

"پہلے تم اس نامعلوم آدمی کا حلیہ بتاؤ جو مجھے دھمکیاں دے گیا ہے۔"

"وہ....!" رشیدہ کسی سوچ میں پڑ گئی پھر بولی۔ "کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

"کیا سمجھ میں نہیں آتا۔"

"اس کی شخصیت.... پتا نہیں کیا خاص بات تھی۔"

"مگر تھی ضرور.... مطلب یہ کہ خاص بات۔"

"میں نے ایسی پگڑیاں آج تک نہیں دیکھیں۔ لیکن وہ اس کی شخصیت سے ہم آ
معلوم ہو رہی تھی۔ نیلے سوٹ میں تھا چپکی ہوئی سی پگڑی جو کنپٹیوں سے اتر کر آدھے کانو
ڈھانکتی تھی۔"

"عمر....!"

"شاید چالیس تک رہی ہو۔ میرا خیال ہے کہ کافی طاقتور آدمی تھا۔ بے حد اسمارٹ۔"

"مرعوب ہو گئی تھی تم....!"

"میں کہتی ہوں بکواس بند کرو۔ رانا پرمود کے متعلق بتاؤ۔"

"رانا پرمود.... ریاست ورگوری کا راجہ ہے۔ لیکن زیادہ تر یورپ میں رہتا ہے۔ یہا
اس کا سیکریٹری دیکھ بھال کرتا ہے اور کچھ.... لیکن اُسے دس سال سے کسی نے بھی نہیں دیکھ

"تو تم اُسے بلیک میل کر رہے تھے۔"

"تم اپنا اخبار بہت عرصے سے روزانہ دیکھ رہی ہو۔ کوشش کرو کہ میرے کالموں
بلیک میلنگ کا کچھ مواد بھی دریافت ہو جائے۔" انور کا لہجہ تلخ تھا۔

"مجھے تمہارے کالموں میں کبھی کوئی خاص بات نہیں ملتی۔"

"اگر ملنے لگے تو مجھے چڑی مار کہیں گے۔"

"ہم ہیں بتاؤ گے۔ آخر وہ کس مسئلے پر تمہارا منہ بند کرنا چاہتا ہے۔"

انور شیو کر رہا تھا۔ رشیدہ اس کی خاموشی پر پھر جھنجھلا گئی۔ بات ہی غصہ دلانے والی تھی۔
ب پیکٹ سگریٹ کے لئے رشو ڈارلنگ شیریں فرہاد بھی اکھڑ آئے۔ اور اب....!"

"او کمینے....! اچھا اب میں دیکھوں گی۔" وہ اٹھتی ہوئی بولی۔ "تم مجھے نہ بتاؤ لیکن....!"

"کچھ نہیں....!" انور نے بات کاٹ دی۔ "اس آدمی کے متعلق کچھ اور بھی بتاؤ۔"

"وہ تمہیں قتل کر دے گا۔"

"کفن تیار رکھنا۔ میں تو مفلس ہو رہا ہوں۔"

"تم نہیں بتاؤ گے۔" رشیدہ چیخی۔

"شاید رانا پرمود کے سیکریٹری کو وہم ہو گیا ہے کہ میں اسے بلیک میل کر رہا ہوں۔"

"کس بناء پر.... شبہے کی وجہ۔ وہ خوامخواہ کیوں سوچنے لگا ہے بلیک میلنگ کے متعلق۔"

"ہر آدمی کے ساتھ کچھ کمزوریاں ہیں جو اسے زندگی بھر خود کو چور محسوس کرنے پر مجبور
ا رہتی ہیں۔"

رشیدہ کسی سوچ میں پڑ گئی پھر بولی۔ "کتنے دنوں کا فائیل دیکھنا پڑے گا مجھے۔"

"وقت برباد نہ کرو۔ تمہیں اخبار میں کچھ بھی نہ ملے گا۔"

"جہنم میں جاؤ۔" رشیدہ نے کہا اور پیر پٹختی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

سارجنٹ حمید بار میں داخل ہوا۔ سارجنٹ ہنری فریدی کے خیال کے مطابق وہیں

موجود تھا۔ اس نے حمید کو دیکھ کر سر کو خفیف سی جنبش دی اور اس انداز میں مسکرایا جیسے
مراد ملی ہو۔

سارجنٹ ہنری آئر لینڈ کا باشندہ تھا۔ عمر تیس سے زیادہ نہیں تھی مگر عموماً خود پر
طاری کر لینے کی فکر میں رہتا تھا۔ چہرے پر بچوں کی سی معصومیت اور لاپروائی تھی۔ لیکن
کہ سنجیدہ اور پر رعب معلوم ہو۔ اس لئے کبھی کبھی مضحکہ خیز بھی بن جاتا تھا۔ پوری تنخواہ
پر خرچ کر دینے کے باوجود بھی وہ ''بہت کم'' پیتا تھا۔ نشے میں عموماً اُسے چچا یاد آتے
کے ہاتھ پیر ایک انگریز نے توڑ دیئے تھے۔

''ہالو.... ڈارلنگ۔'' وہ ڈکرا کر بولا۔ ''آؤ.... آؤ.... آج میں بہت اداس ہوں۔
ابھی.... وہ بھی نہیں آئی۔ ضرور آئے گی۔''

حمید نے بیٹھ کر چاروں طرف اچٹتی سی نظر ڈالی پھر بیئر کی اس بوتل کو گھورنے لگا جو
کھولی نہیں گئی تھی۔

''تم یہاں کب سے بیٹھ رہے ہو۔'' حمید نے اس سے پوچھا۔

''جب سے آئر لینڈ زنجیروں میں جکڑا گیا ہے۔'' ہنری نے ٹھنڈی سانس لی۔

''اُو.... ڈفر۔ میں اس وقت سیاست سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ مجھے یہ بتاؤ کہ تم
کب سے اور کیوں بیٹھ رہے ہو۔''

''تم کیوں آئے ہو اور کس نے بھیجا ہے۔'' ہنری نے غصیلے انداز میں آنکھیں نکالیں۔

حمید نے بیئر کی بوتل اٹھائی اور کاگ اڑا کر گلاس میں انڈیلتا ہوا بولا۔ ''لو.... پہلے
ٹھنڈا کر لو پھر دیکھیں گے۔''

''فادر کا خیال نہ ہوتا تو دیکھتا تمہیں۔'' ہنری بڑبڑایا۔ وہ فریدی کو فادر ہی کہتا تھا کیونکہ
شراب کے علاوہ دوسرے اخراجات بھی تو سمجھو وہ فریدی کی جیب سے پورے ہوتے تھے۔
کی دانست میں ہنری بہت کام کا آدمی تھا۔ لیکن یہ بات حمید کی سمجھ میں تو ابھی تک نہیں
تھی۔

اس نے گلاس اٹھا کر ہونٹوں سے لگایا اور ایک ہی سانس میں صاف کر گیا۔

''اب بتاؤ۔'' حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''وہ ایک ایسی لڑکی ہے جس پر شیلی ضرور عاشق ہو جاتا۔''

''شیلی کے بچے میں کیا پوچھ رہا ہوں۔''

''میں سن رہا ہوں جو کچھ پوچھ رہے ہو۔ لیکن مجھ سے اس کی توقع نہ رکھو کہ فادر کے حکم
نہیں کچھ بتا بھی دوں گا۔''

یک بیک حمید چونک پڑا۔ کیونکہ وہ لڑکی بھی اچانک ہی نازل ہوئی تھی اور چیختی ہوئی سی
ں ''ہلو'' کا نعرہ لگایا تھا۔

پھر اس نے بڑی بے تکلفی سے کرسی کھینچی اور بیٹھ گئی۔ غالباً یہ وہی لڑکی تھی جس کا تذکرہ
ری نے کیا تھا۔ لیکن اس کی شکل دیکھتے ہی حمید کو بخار چڑھ آیا۔ سیاہ فام اور چیچک رو تھی
ی اسکرٹ میں اور ٹامیوں کے سے لہجے میں فراٹے سے انگریزی بھی بول سکتی تھی۔

''ارے تم اس وقت بیئر پی رہے ہو ڈیئر۔'' اس نے ہنری سے کہا۔ ''تمہارا ٹیسٹ روز
بیات ہو رہا ہے۔''

ہنری نے جھینپے ہوئے انداز میں کچھ کہا تھا جس پر حمید دھیان نہ دے سکا کیونکہ وہ بھی
کے ٹیسٹ پر جل بھن ہی رہا تھا۔

''اوہ.... یہ کون ہے۔'' وہ تیزی سے حمید کی طرف مڑی۔

''میں افغان ہاؤنڈ ہوں اور زیرولینڈ سے آیا ہوں۔'' حمید نے اوپری ہونٹ بھینچ کر کہا۔

لڑکی نے زوردار قہقہہ لگایا اور ہنری سے بولی۔ ''اوہ ڈیئر.... تمہارے دوست بھی تمہاری
رح دلچسپ ہیں۔''

''بہت زیادہ۔'' حمید کا لہجہ اب بھی تلخ تھا۔ ''اگر یہ سر کے بل کھڑا ہو سکتا ہے تو اس کے
دوست دم کے بل ضرور کھڑے ہو سکیں گے۔''

''خوب خوب۔'' لڑکی نے پھوہڑپن سے قہقہہ لگایا۔

"اچھا اب تم خاموش رہو۔" ہنری نے آہستہ سے کہا۔ "میں اس وقت بہت
ہوں۔ اس وقت مجھے انکل ہوپ یاد آ رہا ہے جن کی ٹانگیں سر ڈگم بگم نے توڑ دی تھیں۔"

"پھر تم نے اپنے چچا کا تذکرہ کیا۔" لڑکی سنجیدہ ہو گئی۔ "کتنی بار کہہ دیا ہے کہ مجھے
اور چچاؤں کے تذکرے سے وحشت ہوتی ہے۔"

"مگر ڈارلنگ تمہارے باپ تو بہت اچھے ہیں۔"

"...ف اس لئے کہ سفید فاموں سے نفرت کرتے ہیں۔" لڑکی ہنس پڑی۔

"اس کی پرواہ نہیں۔" ہنری نے گردن جھٹک کر کہا پھر حمید سے بولا۔ "ان
ڈاکٹر ڈف بڑے شاندار آدمی ہیں۔ میری ان سے جان پہچان نہیں ہے۔ لیکن میں انہیں
طرح جانتا ہوں.... ریگی ڈارلنگ کبھی ملاؤنا ان سے۔"

"کمال ہے....!" ریگی نے آنکھیں نکالیں۔ "مجھے گولی نہ مار دیں گے تمہارے
دیکھ کر۔ تم سفید فام ہو۔"

"کہو تو ابھی سیاہ فام بنا کر رکھ دوں۔" حمید ہنری کو گھورتا ہوا بولا۔

ہنری بیئر کا دوسرا گلاس ختم کر کے رومال سے ہونٹ خشک کر رہا تھا۔

"ہائے میرے مظلوم چچا۔" اس نے ٹھنڈی سانس لی۔ "یہ انگریز واقعی بڑے سؤر
ہیں مگر میں تو آئرش ہوں ڈارلنگ....!"

ریگی پھر ہنسی دیر تک ہنسی رہی اور بولی۔ "وہ ہر سفید فام کو انگریز سمجھتے ہیں۔"

"تب تو میری نظر سے آج تک کوئی ایسا انگریز نہیں گزرا جسے سؤر کہا جا سکے۔"
مسمسی صورت بنا کر بولا اور ریگی کی ہنسی پھر اسٹارٹ ہو گئی.... وہ ہنسے بغیر ایک جملہ بھی
سے ادا نہیں کر سکتی تھی۔ بات ہنسی کی ہو یا نہ ہو۔ بعض اوقات تو ہنسی کی وجہ سے بات بھی
سمجھنے دیتی تھی۔

"ہنری ڈارلنگ۔" دفعتاً حمید بولا۔ "امید ہے کہ تم بالکل بخیر و عافیت ہو گے اور
عرصہ تک رہو.... مگر عنقریب میرا ہارٹ فیل ہونے والا ہے۔"

"کیوں....؟" ریگی تیوری چڑھا کر اُسے گھورنے لگی۔

"بس یونہی۔ آج صبح ہی سے ستارہ گردش میں ہے۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ ٹھیک
وقت صدر دروازے میں سارجنٹ رمیش دکھائی دیا۔ اس نے حمید ہی کو اشارہ کیا تھا اور پھر
نکل گیا تھا۔

"میں معذرت چاہتا ہوں محترمہ۔" حمید اٹھتا ہوا بولا۔

"جاؤ.... جاؤ.... دفع ہو جاؤ۔ کبھی کبھی تکلیف دہ ہو جاتے ہو۔" ہنری نے ہاتھ ہلا کر کہا۔
آگے بڑھ گیا۔ پوری بات سننے کی بھی زحمت نہیں گوارا کی۔

باہر سارجنٹ رمیش ایک پرچہ اس کے حوالے کر کے دوسری سڑک پر مڑ گیا۔ رائٹنگ
...ی ہی کی تھی۔

"حمید اس وقت ڈاکٹر ڈف کا بنگلہ خالی ہے۔ پتہ فورٹین ماڈل کالونی۔ بنگلہ بستی سے الگ
...ے۔ پشت پر ویرانہ ہے۔ تم بہ آسانی اندر داخل ہو سکو گے۔ وہ ماہر حشرات الارض
اس بنگلے میں تمہیں ایسی جگہ تلاش کرنی ہے جہاں انسانی اعضاء رکھے ہوں۔ اگر وہاں
پہنچ سکو تو ان اعضاء کی لسٹ مرتب کرنا جو وہاں موجود ہوں۔ بوکھلاہٹ کی ضرورت نہیں۔
شام سے پہلے گھر نہیں پہنچ سکے گا۔ یہ کام تم اطمینان سے کر سکو گے۔ میک اپ میں جاؤ تو
ہوگا۔"

حمید نے خط پڑھ کر ایک طویل سانس لی اور متفکرانہ انداز میں سر ہلانے لگا۔ ہو سکتا ہے
ہا جس کا تذکرہ فریدی کے خط میں ہے۔ ہنری غالباً یہاں اس بار میں اس لڑکی کے لئے
رہا ہے۔

حمید نے آج سے پہلے کبھی کسی ڈاکٹر ڈف کا نام نہیں سنا تھا۔ بہرحال ڈاکٹر ڈف اس
ت اپنے بنگلے میں موجود نہیں ہے اور اس کی لڑکی یہاں بار میں ہنری کے ساتھ اونہہ.... حمید
سر کو خفیف سی جنبش دی اور قریب سے گزرنے والی ایک ٹیکسی کے لئے ہاتھ اٹھا دیا۔

کرائم رپورٹر انور نے فون پر انسپکٹر فریدی کے نمبر ڈائیل کئے.... دوسری طرف
ریسیور اٹھایا گیا۔

"اِٹ از انور....!"

"یس....!"

انور نے صبح کا واقعہ دہراتے ہوئے رانا پرمود کا حوالہ دیا اور پھر بولا۔ "اب کیا کرنا

"فی الحال خاموش رہو۔" دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔ "اب کچھ
ضرورت نہیں۔ ہاں اس کا حلیہ۔"

"رشیدہ کا بیان کیا ہوا حلیہ دہرا سکتا ہوں۔ میں اس سے نہیں ملا تھا۔"

"غلطی کی تھی انور.... خیر.... بتاؤ۔"

انور اس اجنبی کا حلیہ دہرا کر ایک پل کے لئے رکا اور پھر بولا۔ "ان دو ہزار کا کیا

"مجھے یقین ہے کہ عادت کے مطابق تم آج کل بھی مفلس ہی ہوگے۔" فریدی کی آواز

"ظاہر ہے جناب۔"

"بس تو پھر.... تم خود ہی ان دو ہزار کا مصرف دریافت کرلو گے۔"

"یعنی مطلب یہ کہ اجازت ہے نا۔"

"قطعی....!"

"شکریہ۔" انور نے طویل سانس لی۔

"مگر دیکھو۔ تمہیں اب خود کو بلیک میلر ہی پوز کرنا ہے۔" فریدی بولا۔

"قانون کی اجازت ہے۔" انور کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اس کیس میں قانون کا تحفظ اسی طرح ہو سکے گا۔ ہاں رشیدہ سے کہو کہ اگر وہ
کہیں دکھائی دے تو اس پر نظر رکھے۔"

"وہ کون ہو سکتا ہے۔"

"پگڑی کی وضع سے تو رانا پرمود کا سیکریٹری ہی معلوم ہوتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"اس کی نگرانی تو آپ بھی باقاعدہ طور پر کرا سکتے ہیں۔"

"رانا پرمود ہی کی طرح وہ بھی پُراسرار ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کب اور کہاں قیام کرتا
ہے.... دونوں میں صرف اتنا ہی فرق ہے کہ رانا پرمود کو کسی نے نہیں دیکھا اور سیکریٹری اکثر
دکھائی دیتا ہے۔"

"کیس کی نوعیت کیا ہے جناب۔" انور نے پوچھا۔

"فی الحال اس پر روشنی نہیں ڈالی جا سکتی۔" فریدی نے کہا اور دوسری طرف سے سلسلہ
منقطع ہونے کی آواز آئی۔ انور نے طویل سانس لے کر ریسیور رکھ دیا۔

بنگلے کی پشت پر قد آدم جھاڑیوں کے سلسلے دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ لیکن بنگلے کی پشت
سے بہ آسانی داخلے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔ کیونکہ دیواریں سپاٹ تھیں۔ کہیں کوئی
روشندان بھی تو نہیں دکھائی دیا تھا۔

حمید نے ایک بار پھر فریدی کا نوٹ جیب سے نکال کر بغور پڑھا۔ لفظ "بہ آسانی"
ہتھوڑے کی طرح ذہن پر ضربیں لگا رہا تھا۔

گیٹ کی طرف سے داخلہ محال تھا کیونکہ تھوڑے ہی فاصلے پر سڑک تھی اور اس پر کسی قدر
ٹریفک بھی رہتا تھا۔ پھر اس کی کیا ضمانت تھی کہ ڈاکٹر ڈف کی عدم موجودگی میں اس کا کوئی
...نائی بھی نہ آدھمکے گا۔

روز روشن کی بات تھی۔ رات ہوتی تو گیٹ ہی کی طرف سے سہی۔ وہ چند لمحے وہیں کھڑا

کچھ سوچتا رہا پھر بائیں جانب چل پڑا کیونکہ اس جانب کے سرے پر دیوار میں کچھ ابھری ہوئی نظر آئی تھیں۔

اس جوڑ سے دوسری کوئی دیوار اٹھانے کا پروگرام شائد آئندہ پر ملتوی کر دیا گیا آدھی آدھی اینٹیں باہر نکلی رہ گئی تھیں۔

حمید نے ایک بار پھر گردوپیش کا جائزہ لیا.... دور دور تک کسی کا پتہ نہیں تھا۔

دیوار کی اونچائی کم از کم بیس فٹ ضرور ہوگی۔ اس نے سوچا ممکن ہے بلندی پر دکھائی ہی دے جائے۔ پھر کیا ہوگا۔

''اونہہ بکواس۔'' وہ گردن جھٹک کر بڑبڑایا۔ ''دیکھا جائے گا۔ میک اپ تو ہے چور چور کا شور ہی سہی۔''

پھر تین منٹ کے اندر ہی اندر وہ دیوار کے اوپر تھا۔ چھت دیوار سے تقریباً چار تھی۔ اس لئے یہاں بھی کوئی دشواری پیش نہ آئی۔

چھت سے وہ ان زینوں تک پہنچا جن کا اختتام نچلی منزل کے ایک سلاخ دروازے پر ہوا تھا۔

یک بیک اس نے ایک خوفناک قسم کی غراہٹ سنی اور اچھل کر دو تین زینے او گیا۔ سلاخوں دار دروازے میں ہاتھ لگانے کی بھی نوبت نہیں آئی تھی۔ پھر ایک گوریلے پر نظر کیوں نہ پڑتی جو لنگراتا ہوا اسی طرف چلا آرہا تھا۔

سلاخیں پکڑ کر اس نے کھوپڑی ٹیڑھی کی اور حمید کو اس طرح گھورنے لگا جیسے پہچا کوشش کر ہو۔

''سلاما لیکم۔'' حمید الٹے پاؤں چوتھے زینے پر کھسکتا ہوا بولا اور پھر اُسے اپنی عا میں نظر آئی کہ یہاں سے نو دو گیارہ ہوجائے۔ پتہ نہیں اور کتنی بلائیں عمارت میں اُس کی منتظر

سلاخوں دار دروازہ مقفل نہ ہوتا تو شاید اس وقت اچھی خاصی درگت بنی ہوتی۔

چھت پر پہنچا اور نہایت اطمینان سے واپسی کا سفر شروع کر دیا۔

چونکہ واپسی کا سفر تھا اس لئے کسی قسم کی احتیاط کی بھی ضرورت نہیں محسوس ہوئی تھی۔ حتیٰ کہ ادھر اُدھر دیکھنے کی زحمت بھی نہ گوارا کی گئی۔

پھر جیسے ہی بایاں پیر زمین پر ٹکا پشت سے آواز آئی۔ ''بہت اچھے۔''

حمید بوکھلا کر مڑا۔ ایک مضبوط جسم کا سیاہ فام آدمی جھپٹ پڑنے کے سے انداز میں کھڑا گھور رہا تھا۔ صورت جانی پہچانی سی معلوم ہو رہی تھی کہاں اور کب دیکھا تھا فوری طور پر یاد نہ آسکا۔

اس نے سوچا بُرے پھنسے۔ اب کسی نہ کسی طرح نکل ہی چلو ورنہ شامت ہی آجائے گی۔

''کک.... کچھ نہیں چرا سکا.... جج جناب۔'' حمید ہکلایا۔ ''آپ تلاشی لے لیجئے۔''

''چور.... بدمعاش....!'' کالا آدمی دھاڑا۔

''مم.... معاف کر دیجئے۔'' حمید گھگھیایا۔

''میں تمہیں جہنم میں پہنچا دوں گا۔'' وہ مکا تان کر جھپٹا۔ حمید بھی چاہتا تھا کہ کسی طرح کچھ شروع ہوجائے۔ بھاگ نکلنے کے مواقع اسی صورت میں ہاتھ آتے۔

حمید بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹا۔ پھر قبل اس کے وہ دوسرے حملے کے لئے سنبھلتا حمید کا ہاتھ اس کی داہنی پر پڑا۔ یہ ایسا ہی بچا تلا ہاتھ تھا کہ سیاہ فام آدمی لڑکھڑا کر ڈھیر ہوگیا۔

حمید نے اس کے اوپر ہی سے دوسری طرف چھلانگ لگائی اور جھاڑیوں میں گھستا چلا گیا۔

سیاہ فام کی دہاڑیں دور ہوتی جارہی تھیں۔ شاید وہ وہیں اسی جگہ کھڑا چیخ رہا تھا۔ حمید کا تعاقب کرنے کی ہمت نہیں پڑی تھی۔

حمید دوڑتا رہا۔ جب یقین ہوگیا اس کی پہنچ سے باہر ہے تو ایک جگہ رک کر سانسیں درست کرنے لگا۔ وہ سوچ بھی رہا تھا کہ اس آدمی کو پہلے کہاں دیکھا تھا۔

یک بیک رنگی یاد آئی اور وہ اچھل پڑا۔ دونوں میں بڑی مشابہت تھی۔ اُوہ تو کیا یہی ڈاکٹر ڈف؟

قریب ہی ایک تالاب نظر آیا۔ حمید نے وہیں میک اپ سے بھی پیچھا چھڑانے کے بعد

پھر موڈل کالونی کی راہ لی۔ لیکن ڈاکٹر ڈف کے بنگلے سے دور ہی دور رہا۔

کالونی کے پوسٹ آفس کے قریب پہنچ کر رکا۔ وہ یہیں سے فریدی کو اطلاع دے کر بقیہ وقت کے لئے غائب ہو جانا چاہتا تھا کیونکہ ان دنوں وہ ایک انتہائی غصہ دار اور نک چڑھی لڑکی سے دوستی کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

پبلک کال بوتھ خالی نظر آیا۔ حمید نے اندر داخل ہو کر چٹخنی بھی چڑھا دی تاکہ باہر سے دروازہ کھولا نہ جا سکے۔ بوتھ ساؤنڈ پروف قسم کا تھا۔ اس لئے اس کا بھی خدشہ نہیں تھا کہ گفتگو باہر سے سن لی جائے گی۔

فریدی کے نمبر ڈائیل کئے۔ دوسری طرف سے فوری طور پر جواب ملا۔

"یس سر....!" حمید اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "پہلے چچا جان سے ملاقات ہوئی تھی ان کی آؤ بھگت کی تاب نہ لا کر بھاگنا پڑا۔ چھت پر پہنچا۔ ٹھہریئے سنتے جایئے۔ آخر آپ میری زندگی کے خواہاں کیوں ہو گئے ہیں۔ ایک بار جی کڑا کر کے کہہ دیجئے لگا دوں کسی اندھے کنویں میں چھلانگ۔ آگے اللہ مالک ہے۔ جی جی وہ چچا جان.... ہو سکتا ہے اُن کا کوئی نام بھی ہو لیکن میں صرف گوریلا کہہ سکتا ہوں۔ کم از کم چھ فٹ ضرور اونچا رہا ہوگا۔ رنگت بھوری تھی.... چھت سے زینے جس کمرے میں ختم ہوئے میں وہیں تھا۔ زینوں کا دروازہ لوہے کا ہے۔ سلاخ دار۔ خیریت یہی ہوئی کہ مقفل تھا ورنہ یا تو میں ٹارزن کی شکل میں واپس ہوتا یا اس چیز کی صورت میں جسے تازہ گوشت کا لوتھڑا کہتے ہیں۔"

"تو پھر تم نے عمارت کے دوسرے حصوں میں پہنچنے کی کوشش نہیں کی۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"اب کئے لیتا ہوں۔" حمید غرایا۔

"کچھ بھی نہ ہوا۔"

"لیکن ڈاکٹر ڈف سے ملاقات ہوئی تھی۔"

"گڈ! تب تو میرا خیال ہے کہ بہت کچھ ہوا ہے۔ صاحب زادے ذرا سنجیدگی سے

رپورٹ دہراؤ۔"

دہرانی ہی پڑی۔ فریدی پوری روداد سن لینے کے بعد بولا۔ "تمہارا خیال صحیح ہے۔ حلیہ کے مطابق وہ ڈاکٹر ڈف ہی ہو سکتا ہے۔ کام ختم.... عیش کرو۔"

"شکریہ۔ مگر آپ سے اندازے کی غلطی کیسے ہوئی۔ آپ نے تو لکھا تھا کہ وہ گھر پر موجود نہیں ہے۔"

"میں یہی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ موجود نہ ہونے کے باوجود بھی گھر ہی پر ہوتا ہے۔"

"کیا بات ہوئی۔"

"جب وہ گھر پر تنہائی چاہتا ہے تو لڑکی سے کہہ دیتا ہے کہ فلاں وقت سے فلاں وقت تک گھر سے باہر رہے گا۔ اسی کے سامنے رخصت بھی ہو جاتا ہے۔ قفل کی دہری کنجیاں ہیں۔ ایک لڑکی کے پاس رہتی ہے اور دوسری ڈاکٹر کے پاس۔ لڑکی پابندیوں میں رکھی جاتی ہے.... لہٰذا میدان صاف دیکھ کر اس کا بھاگ نکلنا یقینی ہو جاتا ہے۔ لیکن جس وقت ڈاکٹر اپنی واپسی کا تعین کرتا ہے اس سے آدھا گھنٹہ پہلے ہی وہ گھر پہنچ جاتی ہے۔"

"ڈاکٹر مقفل مکان میں کیسے داخل ہوتا ہوگا۔" حمید نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ وہاں کوئی چور دروازہ بھی ہے۔ جس کا علم ڈاکٹر کے علاوہ اور کسی کو نہیں۔"

"اچھا تو یہ ہنری آپ ہی کی ہدایت پر اپنی مٹی پلید کر رہا ہے۔"

"یہی سمجھ لو۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور پھر حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔ حمید صرف منہ بنا کر رہ گیا۔ کیونکہ اب یہ قصہ اس کیلئے بھی دلچسپ ہو گیا تھا۔ اس نے سوچا کہ پھر رنگ کرے۔ لیکن خیال آیا ممکن ہے فریدی اس بار جھنجھلا کر کوئی ایسی بات کہہ دے جو اس کا اپنا موڈ خراب کرنے کیلئے کافی ہو۔ ویسے وہ دراصل ان انسانی اعضاء کے متعلق معلوم کرنا چاہتا تھا جن کے رکھنے کی جگہ اُسے ڈاکٹر ڈف کے بنگلے میں تلاش کرنی تھی۔

"لاحول ولا قوۃ۔" وہ بُرا سا منہ بنا کر بڑبڑایا اور دروازہ کھول کر بوتھ سے باہر آ گیا۔

بھلا کیا بات ہوئی۔ جناب والا یہ کیسے لکھ دیتے کہ خواہ مخواہ کسی کے مکان میں گھسنے کی

کوشش کرو اور حاضری دے کر واپس چلے جاؤ۔ کوئی معقول وجہ بھی تو ہونی چاہئے اور یہ
حیرت انگیز تھی۔ انسانی اعضاء.... ہونہہ.... یوں اُلو بنا کر کام نکالتے ہیں۔

حمید نے ایک بار پھر بُرا سا منہ بنایا اور وہاں سے چل پڑا۔ کچھ بھی ہو۔ انسانی اعضاء
والی بات بہانہ ہی سہی۔ لیکن معاملہ اہم ہی معلوم ہوتا تھا۔ ورنہ فریدی نے پچھلا ایک ہفتہ
لیبارٹری میں کیوں گذارا تھا۔

وہ چلتا رہا۔ پھر ایک جگہ چونک کر ٹیکسی تلاش کرنے لگا۔ وہ نک چڑھی یاد آئی تھی جسے
پچھلے ماہ ہائی سرکل نائٹ کلب میں دیکھا تھا اور اس کے ایک دوست نے بتایا تھا کہ وہ پرمود
ہاؤز میں رہتی ہے۔ غالباً رانا پرمود کی کوئی رشتہ دار ہے۔ بے حد غصہ ور ہے۔ کسی کو منہ نہیں
لگاتی۔ ہر قسم کی تفریحات میں تنہا ہی نظر آتی ہے۔ کبھی کبھی کوئی عورت بھی ساتھ ہوتی ہے۔ لیکن
کسی مرد کے ساتھ کبھی نہیں دیکھی گئی۔ لڑکی حالانکہ دیسی لباس میں رہتی تھی لیکن اس کے
یوریشین ہونے میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ زیادہ تر اردو میں گفتگو کرتی تھی اور گفتگو کے دوران کوشش
کرتی تھی کہ زبان سے انگریزی کا آدھا لفظ بھی نہ نکلنے پائے۔ بڑے دلکش خدوخال والی تھی۔

حمید چلتا رہا کیونکہ ابھی تک کوئی ٹیکسی نہیں مل سکی تھی۔ دفعتاً ایک جگہ اُسے رکنا پڑا۔ بڑا
حیرت انگیز واقعہ تھا۔ حمید حیرت سے آنکھیں پھاڑے کھڑا رہا کیونکہ ایسا منظر تو شاید الف لیلا
ہی کی کسی داستان میں نظر آتا۔

اُسے ایک دیو قامت آدمی دکھائی دیا تھا جو ایک موٹر سائیکل کو سوار سمیت اٹھانے کی
کوشش کر رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے اسے پوری طرح اٹھا لیا اور اسی طرح چلتا ہوا سڑک
کے دوسرے کنارے پر پہنچا اور موٹر سائیکل پھر زمین پر ٹکا دی۔ سوار ہکا بکا اُس کا منہ دیکھ رہا تھا۔

حمید تیزی سے آگے بڑھا۔ انکے قریب ہی پہنچ گیا لیکن وہ دونوں ایک دوسرے کو اس طرح
گھورے جا رہے تھے کہ شاید انہیں گردو پیش کا ہوش ہی نہیں تھا۔ دفعتاً دیوزاد بولا۔ ''اب بتاؤ۔''

''میں کیا بتاؤں۔'' دبلے پتلے سوار نے بوکھلا کر کہا۔

''نہیں ضرور بتاؤ.... چڑھا دو یہ سالی غاڑی میری کھوپڑی پر۔''

''ارے صاحب آپ کے دھکا بھی تو نہیں لگا تھا۔''

''میرے کوٹ میں تو دھکا لگا تھا۔ اب قہوہ ہوا سے اڑ کیوں رہا تھا۔ میں قھوں غا....
ہوا کیوں چل رہی تھی.... نہیں بتاؤ۔''

موٹر سائیکل سوار نے بے بسی سے چاروں طرف دیکھا اور پھر دیوزاد کی طرف منہ اٹھا

''ارے بولو نا.... میرا وقت بہت کیمتی ہے۔'' دیوزاد نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اب میں کیا بولوں.... اچھا چلئے معاف کر دیجئے۔ غلطی ہوئی تھی۔''

''بعد میں معاف کر دوں گا۔ پہلے تم یہ بتاؤ کہ میرے کوٹ میں دھکا کیوں لگا تھا۔''

حمید اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔ ادھر وہ بے چارا سائیکل سوار بڑی مصیبت میں پھنس گیا
دفعتاً اس نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''مسٹر آپ ہی سمجھایئے۔''

''اے کھبر دار۔'' دیوزاد بپھر گیا۔ ''کسی دوسرے کو بیچ میں نہ ڈالو۔ چاہے وہ مسٹر ہو
یا منشی جی۔''

''ہاں.... یہ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' حمید نے سر ہلا کر کہا اور نظر بچا کر سائیکل سوار کو
آنکھ ماری۔ اب دیوزاد بھی حمید کی طرف پوری طرح متوجہ ہو گیا تھا۔

''ٹھیک ہے نا بھائی صاحب۔'' اس نے دانت نکالے دو تین بار تیزی سے پلکیں جھپکائیں
اور پھر بولا۔ ''اغر میں مر جاتا تو قیا ہوتا۔''

''لاش اٹھوانے میں بڑی دشواری ہوتی۔'' حمید نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

''ہائیں.... لاش.... ارے باپ رے۔'' دیوزاد نے کہا۔ ہونٹوں پر زبان پھیری اور بے
ڈھنگے انداز میں منہ چلانے لگا.... پھر بولا.... ''اُف فوہ.... میرا سر چکرا رہا ہے۔''

سائیکل سوار نے حمید کا اشارہ پا کر مشین اسٹارٹ کر دی۔ لیکن دیوزاد نے مڑ کر اس کی
طرف دیکھا تک نہیں۔ پھر موٹر سائیکل آگے بھی بڑھ گئی۔

''مم.... مجھے میری غاڑی تک پہنچا دیجئے بھائی صاحب۔'' دیوزاد نے بھرائی ہوئی آواز
میں کہا۔ اس کی آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں۔

''گاڑی کہاں ہے۔''

''وہ....ادھر....اس بلاک کے پیچھے....اُف فوہ....میری آنکھیں بند ہو رہی ہیں۔''

حمید اُسے اس کی گاڑی تک لایا اور گاڑی دیکھ کر خود اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ یہ رولز رائیس تھی۔ تو یہ مینار نما گنبد کوئی متمول آدمی ہے۔ اس نے سوچا۔

''سر چکرا رہا ہے تو ڈرائیو کیسے کرو گے۔'' حمید نے پوچھا۔

''اللہ مالک ہے۔'' زیوزاد نے ٹھنڈی سانس لی۔

''میں پہنچا دوں۔''

''جرور جرور....بھائی صاحب....اللہ قسم بڑے اچھے آدمی ہو۔ خدا کھش رکھے۔''

حمید اسٹیئرنگ کے سامنے جا بیٹھا اور دیوزاد بھی اگلی ہی سیٹ پر جم گیا۔

''کہاں چلوں۔'' حمید نے پوچھا۔

''کہیں بھی۔'' دیوزاد نے کراہ کر جواب دیا۔ پھر بولا۔ ''یار واقئی میرا پیٹ پھٹ جاتا تو کیا ہوتا۔''

''آنتیں نکل پڑتیں۔'' حمید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''ارے باپ رے۔'' دیوزاد نے دونوں ہاتھوں سے پیٹ دبا لیا۔

''تم کیا کرتے ہو۔'' حمید نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

''قچھ نہیں....جی گھبراتا ہے سمجھ میں نہیں آتا کیا قروں....!''

''رہتے کہاں ہو۔''

''عاصم ولا میں۔''

''اُوہ وہ خان بہادر عاصم....!''

''ہاں....وہ میرے والد بجرگوار ہیں۔''

''اچھا....اچھا....مگر یار....خیر کچھ نہیں....ہاں تو تمہیں عاصم ولا پہنچا دوں۔''

''نہیں....میں گھر نہیں جانا چاہتا....جہاں دل چاہے پہنچا دو۔''

''تفریح کی رہے گی۔''

''ارے واہ....!'' دیوزاد اچھل پڑنے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ ''جرور....جرور....!''

''زیادہ تر کہاں بیٹھتے ہو۔'' حمید نے پوچھا۔

''اپنی مسہری پر یا گاڑی میں۔'' بھولے پن سے جواب ملا۔ حمید نے سوچا۔ بدھو دی گریٹ معلوم ہوتا ہے۔ خاصی تفریح رہے گی۔ ہوسکتا ہے نک چڑھی لڑکی تارا ہی کے سلسلے میں کسی طرح کارآمد ثابت ہوجائے۔

''کلبوں میں نہیں جاتے۔'' حمید نے پوچھا۔

''نہیں پیارے بھائی۔'' دیوزاد نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''سب میرے باپ کو عاصم صاحب کہتے ہیں۔ لیکن میں ظالم صاحب کہتا ہوں۔ اگر ان کا کوئی آدمی مجھے قسی ہوٹل یا کلب میں دیکھ لے تو جا کر ایسی آگ لگائے گا....ہائے اللہ میں کیا کروں۔''

''جس آدمی پر شبہ ہو کہ یہ جا کر آگ لگائے گا مجھے بتا دینا۔ اُس سے پہلے ہی میں اس کی چٹنی بنا دوں گا۔''

''قیوں....تم کون ہو پیارے بھائی۔'' دیوزاد نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر پلکیں جھپکائیں۔

''میں فلم ڈائریکٹر ہوں۔''

''ہائیں....نہیں۔'' دیوزاد حیرت سے چیخا۔

''ہاں پیارے بھائی۔''

''اے تو وہ تم نے مس مادھوری کو قریب سے دیکھا ہوگا۔''

''ہاں پیارے بھائی....وہ تو مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔''

''اے ہوش میں ہو یا نہیں۔'' دیوزاد نے غصیلے انداز میں آنکھیں نکالیں۔

''کیوں پیارے بھائی۔''

''تم سے قیوں کرنے لگی محوبت....اجی واہ....کھوب رہی۔ میں تو....میں تو....واہ وا۔''

''آخر کیوں؟ کیا تم اسے جانتے ہو۔'' حمید نے پوچھا۔

"یہ دیکھو۔" دیوزاد نے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال کر مادھوری کی تصویر
لیکن یہ تصویر ان تصویروں سے مختلف نہیں تھی جو فٹ پاتھوں پر ایک ایک آنے میں فروخت
کرتی ہیں۔

"اچھا تو تم اس سے محوبت کرتے ہو۔"

دیوزاد نے ٹھنڈی سانس لی اور مسمسی صورت بنا کر رہ گیا۔

"بولو نا... شرمانے کی ضرورت نہیں۔ اگر تم کہو تو میں اس سے تمہاری سفارش کر سکتا ہوں۔"

"ہائے پیارے بھائی جندگی بھر احسان مانوں گا۔ مگر وہ تم سے محوبت کیوں کرتی ہے۔"

"اب نہیں کرے گی۔ میں تم سے زیادہ خوبصورت تو نہیں ہوں۔"

"ارے ہی ہی ہی.... میں کس لائیک ہوں بھائی صاحب۔ یہ سالا ڈیل ڈول نہ ہوتا
شاید ہوتا کسی لائیک....!"

"ارے وہ..... یہی تو ہے.... سب کچھ۔ میں تمہیں کرنل ٹاور کے نام سے ملاؤں گا
لڑکیوں سے۔"

"لڑکیاں.... ارے باپ رے.... ارے نہیں.... ہی ہی ہی۔"

"بس دیکھ لینا.... میرا نام زیتو ہے.... ڈاکٹر زیتو.... وہ فلم دیکھی تھی نا تم نے آپ کی بڑی

"نہیں دیکھی تھی۔"

"میں نے ڈائریکٹ کی تھی۔ پھر کبھی دیکھنا..... ہاں تو یہ مادھوری۔"

تین چار گھنٹے تک پٹرول پھونکا جاتا رہا.... بس شہر گردی ہوتی رہی۔ حمید اسے ہائی سرکل
نائٹ کلب لے جانا چاہتا تھا مگر اس وقت جب تارا وہاں موجود ہوتی تھی۔

ابھی پانچ ہی بجے تھے۔ وہ سات سے پہلے نہیں آتی تھی.... اس دوران میں مختلف
ہوٹلوں میں چائے پی گئی۔ کہیں کہیں حمید کی جان پہچان والیاں بھی ملیں اور دیوزاد ان سے
اپنے مخصوص انداز میں محظوظ بھی ہوا۔ اس کا تعارف کرنل ٹاور ہی کے نام سے ہوتا رہا۔ نہ
جانے کیوں اسے اپنا یہ مضحکہ خیز نام بہت پسند آیا تھا۔"

بہر حال دو چار گھنٹوں ہی میں وہ ایک دوسرے کے یارِ غار معلوم ہونے لگے۔

دیوزاد کا نام قاسم تھا۔

تقریباً چھ بجے جب وہ آرلیکچو سے اٹھ رہے تھے حمید نے اس سے کہا۔ "اب تو تمہارا چکر
رفع ہو چکا ہوگا۔ اپنے گھر جاؤ۔"

"ارے نہیں پیارے بھائی۔ اب وہاں لے چلو نا جہاں مادھوری آتی ہے۔"

"سات بجنے سے پہلے نہیں آتی۔ مگر وہ آج کل کہاں آتی۔ لیکن دیکھو مجھے اپنی نئی فلم
والی معشوقہ عرف قاتل کٹار کے لئے ایک ہیروئن کی تلاش ہے۔ لڑکی میں نے پسند کر لی ہے
نہیں بھی دکھانے کا ارادہ ہے۔"

"ارے.... جرور.... جرور.... پیارے بھائی۔"

"اچھا تو بس سات بجے چلیں گے۔"

"اتنا پیارا دوست مجھے آج تک نہیں ملا تھا۔ واہ رے میرے مولا تو بڑا مہربان ہے۔"
قاسم نے بے حد سرور کے عالم میں کہا۔

اور حمید سوچ رہا تھا کہ بہترین تفریح ہاتھ آئی ہے۔

ٹھیک سات بجے رولس ہائی سرکل نائٹ کلب کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ سردیوں کی
راتیں تھیں اس لئے خاصا اندھیرا پھیل چکا تھا۔

گاڑی پارکنگ شیڈ میں چھوڑ کر وہ عمارت کی طرف روانہ ہوئے۔ قاسم کی بتیسی نکلی پڑ
رہی تھی۔ کہنا کچھ چاہتا اور زبان سے کچھ نکلتا۔

کرائم رپورٹر انور اپنی میز پر تنہا تھا۔ کلب کے ڈائننگ ہال کی فضا زندگی سے بھر پ
اس نے کافی طلب کی اور کسی خیال میں ڈوبا ہوا ہلکی ہلکی چسکیاں لیتا رہا۔ ان دنوں
شامیں عموماً ہائی سرکل کلب ہی میں گزار رہا تھا۔ منیجر سے خاصی جان پہچان تھی اس لئے
بھی چل جاتا تھا۔

کافی کی پیالی ختم کرتے ہی اُس نے محسوس کیا جیسے اس کا سر چکرا رہا ہے۔ سا
عجیب قسم کے اوٹ پٹانگ خیالات بھی اس کے ذہن میں چکرانے لگے۔ مثلاً اگر اس
بھی ہوتی تو پتلون پہننے میں کتنی دشواری پیش آتی۔ دم سمیٹنی پڑتی۔ زیادہ بڑی ہوتی تو
بالکل اسی طرح لپیٹنا پڑتا جیسے عورتیں سر پر جوڑا باندھتی ہیں۔ دفعتاً اس نے قریب ک
ہوئے ویٹر سے کہا۔ ''کیوں دوست! بالکل ایسا ہی لگتا ہے نا جیسے پتلون کے نیچے کمر پر
باندھ رکھی ہو۔''

ویٹر ہکا بکا رہ گیا اور پھر بوکھلا کر بولا۔ ''جی صاحب۔''

''نہیں سمجھتے۔'' انور نے احمقانہ انداز میں قہقہہ لگایا۔ ''اچھا قریب آؤ۔''

ویٹر قریب آ گیا اور انور اس کی کمر تھپتھپا کر بولا۔ ''یہاں گٹھری۔''

''میں نہیں سمجھا جناب۔'' ویٹر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''جہنم میں جاؤ۔ اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتے۔ او گدھے میں دم کی بات کر رہا تھا۔''

''اچھا اچھا صاحب۔'' ویٹر جلدی سے بولا۔ ''میں ابھی حاضر ہوا۔''

پھر اس نے کھسک جانے میں عافیت سمجھی۔ غالباً وہ یہی سمجھا تھا کہ زیادہ چڑھ گئی ہے
میز پر کافی کی ٹرے کے علاوہ اور کیا تھا۔

ایسے ہی بے ڈھنگے خیالات انور کے ذہن میں کلبلاتے رہے اور وہ خواہ مخواہ ہن
آس پاس کے لوگ چونک چونک کر اُسے دیکھتے رہے۔ پھر تو ذہن پر قابو پانا ہی دشوار

وہ بلند آواز میں بڑبڑا رہا تھا۔ واہ.... کیا بات ہوئی۔ شاندار واہ.... عورتوں کی دم کے لئے
طرح طرح کے زیورات بننے لگتے۔ اخبارات میں اس قسم کے اشتہارات نظر آتے.... کبھی
ہماری دوکان پر بھی تشریف لائیے۔ آپ کی دم کی زینت کے سارے سامان مہیا ہیں۔ یا پھر دم
لائیے.... نیل پالش کے ساتھ ہی ساتھ ٹیل پالش بھی ہاہا۔ فلاں لوشن استعمال کر کے دم کی
حفاظت کیجئے۔ دموں کے ریشمی غلاف شادی بیاہ کا مسئلہ ہوتا تو طرفین پوچھتے صاحبزادے کی
کتنی بڑی ہے.... ہر ایک کے پیچھے تو نہیں ہلاتے پھرتے.... کوئی محترمہ گئی ہیں لڑکی دیکھنے
صاحبزادے کے لئے۔ لڑکی کی دم دیکھتے ہی ناک بھوں چڑھائی۔ کچھ سوچتی رہیں اور
ہیں ہائے اللہ بس اتنی سی دم.... ڈپٹی فلاں کی بیوی کہہ رہی تھی کہ لڑکی گز سوا گز کی دم ہی رکھتی
نہیں بھئی ہمیں ذرا دمدار چاہئے۔ دوسری طرف کوئی ساس صاحبہ بہو کو للکار رہی ہیں اری
بخت اٹھتے اٹھتے ذرا دم تو ہلا دیا کرو.... دیکھ کتنا کوڑا، کچرا پھیلا رہتا ہے آس پاس.... والد
صاحب فرزندانِ حمید کی دم تھامے کر رہے ہیں پٹائی۔ کسی بے تکلف دوست نے راہ چلتے بے
ی میں پیچھے سے دم پکڑ لی.... ہاہا.... ہاہا.... ہاہا....!''

''واقعی بُری طرح چڑھ گئی ہے۔'' ایک نے دوسرے سے کہا۔ دوسرا صرف سر ہلا کر رہ
گیا۔ ویسے وہ بھی انور کو مضحکانہ انداز میں گھورے جا رہا ہے۔

''ہاں.... بھئی اور سنو.... کوئی فکر مند ماں پڑوسن سے کہہ رہی ہے۔ اے بہن دیکھو نہ
ئے کیا روگ لگ گیا ہے میری بیٹی کو.... ماشاء اللہ کیسی گنجان دم تھی۔ اے تم نے تو دیکھا ہی
ہے۔ سارے بال جھڑے جا رہے ہیں.... کوئی تیل پھلیل ہی بتاؤ۔''

''یار کہیں کوئی ہنگامہ برپا نہ کرا دینا۔ چلو تمہیں گھر چھوڑ آئیں۔''

''گھر کون جائے گا.... بیٹھو.... واہ.... اور سنو.... دو دوست ملے۔'' انور نے کہا اور یک
بیک خاموش ہو گیا۔ پتہ نہیں کیوں اس کا دل چاہتا تھا کہ اب میز پر کھڑا ہو کر زور زور سے چیخنا
شروع کر دے۔ سر اب بھی چکرا رہا تھا۔

اس نے میز پر چڑھنے کی کوشش کی لیکن دونوں آدمیوں نے باز رکھا۔ کئی ویٹر ان کی

طرف لپکے.... ان میں سپروائزر بھی تھا۔

"ارے بھئی بس لے جا رہے ہیں.... پتہ نہیں کہاں پی آیا تھا۔" ایک آ
سپروائزر سے کہا اور انور ان کے درمیان لڑکھڑاتا ہوا صدر دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

حمید قاسم سے کہہ رہا تھا۔ "یار دیکھو.... پتہ نہیں کیوں آج ابھی تک نہیں آئی۔"

"کھیر....!" قاسم نے ٹھنڈی سانس لی۔ "اپنا مکدر ہی سالا اوندھا سیدھا ہے
مالک ہے۔"

"کیا بتاؤں.... میں نے چاہا تھا کہ آج ہی تمہیں اس سے بھی ملوا دیتا۔"

"جانے دو بڑے بھائی پھر سہی۔ آج میں خوش ہوں.... اُف فوہ۔ اتنا پیارا دوست
آسانی سے مل گیا۔"

"مگر تم نے اُسے موٹر سائیکل سمیت اٹھا کیوں لیا تھا۔"

"ارے بس یونہی.... وہ سالا سمجھا تھا کہ شاید میں اس سے کمزور پڑتا ہوں۔"

"خدا کرے کبھی کوئی گدھا تمہیں لات نہ مارے۔"

"مار کر تو دیکھے سالا۔" قاسم بگڑ گیا۔

"یہی تو میں کہہ رہا ہوں.... ورنہ اُسے اعتراف کرنا پڑے گا کہ اس سے بھی بڑے
دنیا میں موجود ہیں۔"

قاسم نے اکڑ کر چاروں طرف حقارت سے دیکھا اور پھر ایک ایسی لڑکی کو گھورنے لگا جو
بے حد دبلی پتلی تھی۔

"ہائے....!" کچھ دیر بعد اس نے پلک کر جلے کٹے لہجے میں کہا۔ "جرا انہیں تو دیکھو

ایسا لگتا ہے جیسے ابھی ہائے اللہ کہیں گی اور مر جائیں گی۔"

"کس کی بات کر رہے ہو۔"

"وہ جو مہین بیگم بیٹھی ہیں۔"

"ارے تو تمہیں کیوں بُری لگ رہی ہے۔ تم ایسے لہجے میں اس کے متعلق گفتگو کر رہے ہو
رانی دشمنی ہو۔"

"جلن لگتی ہے۔ ہڈیاں سلگتی ہیں.... اب دیکھو.... ہا.... نجاکت کی پڑیا۔
اللہ کیتلی بھی نہیں اٹھتی.... کانکھے مارتی ہیں.... شکل تو دیکھو جیسے پہاڑ اٹھا لیا ہو.... ارے مر
ؤ جلدی سے.... ہاں نہیں تو۔"

حمید کو ہنسی آ گئی۔ کیا جانور ہاتھ لگا ہے۔ واہ....!

"اوہ....!" یک بیک وہ سنجیدہ نظر آنے لگا۔ "انور....!" وہ آہستہ سے بڑبڑایا اور اس
آنکھیں پھاڑنے لگا جیسے کسی انہونی کا سامنا ہو گیا ہو۔ انور شرابی تو نہیں تھا اُسے شراب
رت تھی.... پھر یہ کیا۔

دونوں آدمی قریب آ گئے جو لڑکھڑاتے ہوئے انور کو سہارا دیئے غالباً لے جا رہے تھے۔

"خدا کے لئے اتنی نہ پیا کرو پیارے۔" ان میں سے ایک کہہ رہا تھا۔ "قابو ہی نہیں رہتا
اپنے اوپر۔ کتنی واہیات بات ہے۔"

حمید نے مضطربانہ انداز میں پہلو بدلا۔ وہ سوچ رہا تھا ضروری نہیں کہ یہ شراب ہی کا
....انور کے دوست انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے۔ لیکن دشمنوں کا شکار مشکل تھا۔ جیسے ہی وہ
روازے کے قریب پہنچے حمید بھی اٹھ گیا۔

"کیوں.... پیارے بھائی۔" قاسم نے ٹوکا۔

"بیٹھو.... میں ابھی آیا۔" حمید نے کہا اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ وہ لوگ صدر
سے گزر چکے تھے۔

کمپاؤنڈ میں کئی ٹیکسیاں موجود تھیں۔ حمید نے انہیں ایک میں بیٹھتے دیکھا۔ کمپاؤنڈ میں

عموماً واپسی ہی کی ٹیکسیاں رکا کرتی تھیں۔ لہٰذا ان میں سے کسی کا حاصل کر لینا مشکل نہ
قاسم کی گاڑی وہ اس طرح استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا۔ دفعتاً انور کی موٹر سائیکل دکھائی
اور اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

بابا خاور

انور بھونچکا رہ گیا۔ کیونکہ اس وقت وہ نہ تو ہائی سرکل نائٹ کلب میں تھا اور نہ اپ
میں.... یہ کسی رہائشی عمارت کا ہال تھا۔ لیکن دروازے بند تھے۔ انور کو اپنے علاوہ آس پا
کوئی نہ دکھائی دیا۔

پھر وہ اس آرام کرسی کا جائزہ لینے لگا جس پر پڑا ہوا تھا۔ بھولی بسری باتیں یاد
لگیں۔ ہائی سرکل کلب کی کافی یاد آئی.... اس کیفیت کی دھندلی سی پرچھائیں یادداشت
رینگنے لگی جو کافی پینے کے بعد طاری ہوئی تھی۔ وہ دونوں آدمی اُسے میز سے اٹھا کر باہر
تھے۔ صدر دروازے سے گزر جانے تک کے واقعات اب بھی یاد تھے۔ لیکن پھر.... اس اند
کو حافظہ بھی نہ کرید سکا۔ اسکے بعد کیا ہوا تھا۔ اسکے بعد تو شاید یہیں ہوش آیا تھا اسی کرسی پ

پچھلی شام والی کیفیت بھی عجیب تھی۔ اس نے لاکھ کوشش کی تھی کہ خود کو قابو میں
لیکن ناکام رہا تھا۔ محسوس کرتا رہا تھا کہ اس سے حماقتیں سرزد ہو رہی ہیں لیکن ذہن میں
قوت نہیں رہ گئی تھی کہ وہ منطقی شعور کو دخل دے سکتا۔

یقیناً اُسے کافی میں کوئی ایسی چیز دی گئی تھی جو ذہن و جسم کو بیکار کر دیتی ہے۔

دفعتاً کسی جانب کا دروازہ چرچرایا۔ پھر اس کے بند ہونے کی آواز بھی سنائی دی
انور نے مڑ کر دیکھنے کی زحمت نہیں گوارا کی۔

وہ بے حس و حرکت بیٹھا ہوا تھا۔ آنکھیں خلاء میں گھور رہی تھیں۔ پتھرائی ہوئی

نہیں۔ زندگی سے یکسر خالی۔ چہرہ ویران ہو کر رہ گیا تھا۔
آنے والا اس کے قریب ہی رکا۔ لیکن انور کی حالت میں اب بھی کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔
اس نے جھک کر اسکی پتھرائی ہوئی آنکھوں کا جائزہ لیا۔ پھر تیزی سے ایک جانب بڑھ گیا۔
اب وہ دیوار سے لگے ہوئے سوئچ بورڈ کے ایک پش سوئچ کا بٹن دبا رہا تھا۔
چند ہی لمحوں کے بعد کئی قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ تین آدمی اندر داخل ہوئے۔
پہ آنے والے نے کسی کو مخاطب کیا۔

"ذرا دیکھنا تو اُسے کیا ہو گیا ہے۔"

وہ تینوں ہی انور کے قریب چلے آئے۔

"اُوہ.... یہ کیا.... اس کی تو پلکیں تک نہیں جھپک رہیں۔" ایک نے کہا اور دوسرے نے
ں پر انگلیاں رکھ دیں۔

"نبض تو چل رہی ہے۔" اس نے کہا۔ "اور جسم بھی گرم ہے۔"

پھر وہ انور کو جھنجھوڑ کر آوازیں دینے لگا۔ لیکن انور بالکل پتھر کے بت ہی کی طرح ادھر
لڑھک کر رہ جاتا۔ نہ ان کی طرف دیکھتا اور نہ پلکیں جھپکاتا۔

"کیا مصیبت ہے۔" ایک بڑبڑایا۔

دیوار کے قریب کھڑے ہوئے آدمی نے کہا۔ "دواؤں کا بکس لاؤ۔"

یہ آواز انور کیلئے جانی پہچانی سی تھی۔ لیکن وہ اپنی پوزیشن میں تبدیلی کر کے اسے دیکھنے کی
کوشش نہیں کر سکتا تھا۔ ویسے وہ سوچنے ضرور لگا تھا کہ اس نے یہ آواز کب اور کہاں سنی تھی۔

کچھ دیر خاموشی مسلط رہی.... اس کے بعد پھر وہی جانی پہچانی آواز سنائی دی۔

"تم سب یہیں ٹھہرو.... میں مطمئن نہیں ہوں۔"

انور کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے سچ مچ اب اس کی آنکھیں پتھرا ہی جائیں گی۔ تقریباً
پندرہ منٹ سے اس نے پلکیں نہیں جھپکائی تھیں۔

یک بیک کوئی قریب آیا۔ پھر شاید اسی کے اشارے پر ہی کوئی دوسرا بھی آیا تھا۔

"اسکے بائیں ہاتھ کی آستین اوپر چڑھاؤ۔" یہ جانی پہچانی آواز تھی۔ لہجے میں تحکم تھا
آستین چڑھائی گئی اور انور نے بازو میں سوئی کی چبھن محسوس کی لیکن اب بھی اس
اپنے جسم کو قابو میں رکھا اور وہ لوگ سوئی کی چبھن کا ردعمل بھی نہ دیکھ سکے۔ مگر انور سوچ
کہ اب اسے کیا کرنا چاہیئے۔

"اب اسے ہوش میں آنا چاہیئے۔" اس نے پھر وہی جانی پہچانی سی آواز سنی۔

لیکن انور نے تہیہ کرلیا کہ ہوش میں آنے کے باوجود بھی ہوش کی باتیں نہیں کرے گا
کچھ دیر بعد اس کی پتلیوں میں جنبش ہوئی.... پلکیں جھپکیں.... ہونٹ کپکپائے اور حلق
ایک پھنسی پھنسی سی کراہ آزاد ہوئی۔

اب وہ انہیں بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ پہلے جس آدمی پر نظر پڑی وہی ہوسکتا تھا جس کی آ
اسے جانی پہچانی معلوم ہوتی تھی۔

اسے یاد آ گیا کہ اس نے اُسے کہاں دیکھا تھا.... یہ وہی عجیب وغریب آدمی تھا جو
قابل نفرت ہونے کے باوجود بھی اونچے طبقے میں بے حد مقبول تھا۔

بابا خاور.... الجھے ہوئے بالوں اور بے ہنگم ڈاڑھی والا بدشکل آدمی۔ ایسا معلوم ہو
جیسے اس کے سر اور جسم پر کبھی پانی ہی نہ پڑا ہو۔ البتہ کپڑے بڑے سلیقے سے پہنتا تھا۔ جم
اعلیٰ قسم کے سوٹ نظر آتے اور بے داغ سفید قمیض جن میں عموماً سلولائیڈ کے کالر استعمال
جاتے تھے۔

اس کے کانوں کی بناوٹ عجیب تھی۔ نہ جانے کیوں انہیں دیکھ کر بے ساختہ ہاتھی
کان یاد آتے تھے۔

وہ خصوصیت سے عورتوں میں بے حد مقبول تھا۔ کیونکہ وہ انہیں ان کے مستقبل
بارے میں دلخوش کن اطلاعات دیا کرتا تھا جن میں پچھتر فیصد بالکل درست ثابت ہوتی تھیں

"کیوں.... اب کیسی طبیعت ہے۔" بابا خاور نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"بھائیں....!" انور حلق پھاڑ کر دہاڑا پھر چیل کی سی آواز نکالی.... اور اس طرح مسکر

جیسے کسی ناسمجھ آدمی کے سامنے فلسفہ بولا گیا ہو۔

"یا خدا میں اس شریف آدمی کے لئے کیا کروں۔" بابا خاور نے ٹھنڈی سانس لی۔

سارجنٹ حمید ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ سے فریدی سے گفتگو کررہا تھا۔

"پھر کیا ہوا....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ایک جگہ گاڑی رکی تھی اور انور نے چیخنا شروع کردیا تھا۔ غالباً وہ دونوں آدمیوں کو نوچ
کھسوٹ بھی رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ گاڑی سے اتر آیا اور وہ دونوں بھی اتر کر اُسے گھیرنے
لگے۔ انور نے ان کے کپڑے پھاڑ دیئے تھے اور بالکل مجنونوں کی طرح اچھل کود رہا تھا۔ پھر
ایک دوسری گاڑی قریب ہی آ کر رکی.... اس میں سے تین لڑکیاں اتریں اور وہی اُلو کا پٹھا....
جو بابا خاور کے نام سے مشہور ہے۔"

"اچھا.... پھر....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ان دونوں نے اُسے بتایا تھا کہ وہ نشے میں ہے اور وہ اُسے اس کے گھر پہنچانے
جارہے ہیں۔ لیکن خاور نے کہا کہ وہ یقیناً اُسے کوئی نقصان پہنچائیں گے۔ اس نے کہا تھا کہ وہ
ان کے چہروں سے ان کی نیتوں کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ بہرحال یہ بات سنتے ہی وہ دونوں
وہاں سے بھاگ نکلے تھے اور خاور نے انور کو اپنی گاڑی میں بٹھا لیا تھا۔ لڑکیوں سے کہا تھا کہ
وہ کسی ٹیکسی میں بیٹھ کر اپنے گھروں کو جائیں۔ لڑکیوں نے اس پر اعتراض نہ کیا تھا۔"

"تو خاور انور کو اپنے ساتھ لے گیا تھا لیکن کیسے؟" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"مجھے خود بھی حیرت ہے کہ وہ چپ چاپ اس کے ساتھ گاڑی میں کیوں بیٹھ گیا تھا جبکہ
وہ آدمی بھی اُسے قابو میں کرنے سے قاصر رہے تھے۔"

"وہ اسے کہاں لے گیا ہے۔"

"تھرٹین.... کنکس لین میں۔"

"اچھی بات ہے.... اب تم اس وقت تک وہیں ٹھہرو گے جب تک کہ میں نہ وہاں پہنچ جاؤں۔ خیال رکھنا.... ممکن ہے اس دوران میں وہ اُسے وہاں سے بھی ہٹانے کی کوشش کرے۔"

"کیا یہ بھی کوئی اہم مسئلہ ہے۔"

"تم یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے اس واقعہ کی اطلاع کیوں دی ہے۔"

"محض اس لئے کہ انور شرابی نہیں ہے۔ کبھی تفریحاً بھی نہیں پیتا۔"

"میرے لئے یہی کافی ہے۔ اگر اسے کسی نے پلائی تھی تو یقین کرو کہ اس کی زندگی خطرے میں ہے۔ اس کے ہزاروں دشمن اسی شہر میں ہوں گے۔"

حمید نے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر خود بھی ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

❖

انور نے ہال میں دوڑ لگانی شروع کر دی تھی۔ لیکن کسی کی طرف دھیان دیئے بغیر! معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ان کی موجودگی سے بے خبر ہی ہو۔

خاور ہال کے وسط میں کھڑا متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکاتا رہا۔ بقیہ چاروں آدمی بھی بے خود تھے۔

"میرے خیال سے یہ بن رہا ہے بابا۔" ایک نے کہا۔

"خدا جانے۔"

"اپنے علم کے زور سے پتہ لگائیے۔"

اس پر خاور نے قہقہہ لگایا۔ دیر تک ہنستا رہا پھر بولا۔ "ہاں یہ سچ مچ بن رہا ہے۔ میرا علم

بھی کہتا ہے لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں بن رہا ہے۔ اب تو یہ خطرے سے دور ہے مجھے میرے علم ہی نے اطلاع دی تھی کہ وہ دونوں اس کے دشمن ہیں۔"

"اگر یہ بات ہے پیارے۔" دفعتاً انور رکتا ہوا بولا۔ "تو مجھے ٹھیک ہی سمجھو۔ اب اور کیا کہتا ہے تمہارا علم۔"

"ہاں....!" خاور سنجیدہ نظر آنے لگا۔ پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ چند لمحے ساکت کھڑا رہا پھر آنکھیں کھول کر مسکرایا.... گھنی مونچھوں کے درمیان ہونٹ عجیب انداز میں پھیلے تھے نہ جانے کیوں انور کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی سانپ نے پھن کاڑھ لیا ہو۔

"میرا علم۔" وہ سانپ ہی کی طرح پھپھکارا۔ "میرا علم کہتا ہے کہ تم مستقبل قریب میں بڑی الجھنوں کا شکار ہونے والے ہو۔ زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ مگر ایک ستارہ صرف ایک ستارہ ایسا ہے جس سے تمہیں سہارا مل سکتا ہے۔"

"مجھے ضرور بتاؤ۔"

"کبھی نہیں! میں نظام قدرت میں خلل اندازی کا قائل نہیں ہوں۔ تم اب جا سکتے ہو۔"

"چلو یہی بتا دو کہ وہ لڑکے کون تھے جو مجھے اس طرح لے جا رہے تھے۔" انور نے کہا۔

"یہ بتانا بہت دشوار ہے۔ میں جادوگر تو نہیں ہوں۔"

"اچھا یہی بتا دو کہ مجھے شراب میں کیا دیا گیا تھا۔"

خاور نے پھر آنکھیں بند کر لیں اور یک بیک چونک پڑا۔ اب وہ متحیرانہ انداز میں آنکھیں پھاڑے انور کو گھور رہا تھا۔

"کیا کہا تم نے شراب....!" وہ آہستہ سے بولا۔ "مجھ سے بکواس کرنے کی ضرورت نہیں لڑکے۔ تم شراب نہیں پیتے۔ تمہیں شراب سے نفرت ہے۔"

"ہاں.... میں شرابی نہیں ہوں۔ پھر پاگل کیوں ہو گیا تھا۔"

"کسی دوسرے مشروب میں تمہیں کوئی نشہ آور دوا دی گئی تھی۔"

یک بیک سامنے والا دروازہ زبردست جھٹکے کے ساتھ کھلا اور ایک سیاہ پوش اندر داخل

ہوا جس کا چہرہ نقاب میں چھپا ہوا تھا۔ ہاتھ میں ٹامی گن تھی۔

''تم سب اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔'' نقاب پوش نے انہیں للکارا۔

انور کے ہاتھ بھی اٹھ گئے۔ پھر اس نے دیکھا کہ خاور کے علاوہ سبھی نے اپنے ہاتھ اٹھا دیئے تھے۔

''کیا تم نے سنا نہیں۔'' نقاب پوش نے خاور کو للکارا۔

''میں ایسی باتیں ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دینے کا عادی ہوں۔'' خاور نے لاپروائی سے کہا۔

''تم میرے شکار کو یہاں کیوں لائے ہو۔''

''محض اس لئے کہ ابھی اس کے ستارے گردش میں نہیں آئے۔''

''اس کے ہاتھ پیر باندھ کر میرے حوالے کر دو ورنہ ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''

''کس ہوا میں ہو۔'' خاور نے طنزیہ سا قہقہہ لگایا۔ ''ابھی تمہارے ہاتھ کانپیں گے اور آگ اگلنے والی پچکاری تمہارے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر آ رہے گی اور تم چیختے ہوئے دیوار سے جا لگو گے۔''

نقاب پوش ایک قدم پیچھے ہٹا اور اس انداز میں ادھر اُدھر دیکھا جیسے خدشہ ہو کہ اس پر دھوکہ سے حملہ کیا جائے گا۔

''تم کون ہو اور اس لڑکے کو کیوں پریشان کر رہے ہو۔'' خاور نے تحکمانہ لہجے میں پوچھا۔

''ہاہا....!'' نقاب پوش نے قہقہہ لگایا۔ ''میں تمہیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ بہروپئے! اچھا تم ہی بتاؤ کہ مجھے اس سے دشمنی کیوں ہو گئی ہے۔''

''میں تمہاری ہی زبان سے سننا چاہتا ہوں۔''

''بکواس بند کرو۔ اپنے آدمیوں سے کہو کہ اس کی ٹائی سے اس کے ہاتھ باندھ دیں میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔''

''تمہارے فرشتے بھی نہ لے جا سکیں گے مجھے غصہ نہ دلاؤ۔''

''بوڑھے ہوش میں آ جا.... میری ٹومپسن شور بالکل نہیں مچاتی۔ باہر کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو سکے گی کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔''

''اچھا تو اپنے ہاتھ دیکھو۔'' خاور نے مسکرا کر کہا۔

انور نے دیکھا کہ نقاب پوش کے ہاتھ کانپ رہے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے ٹامی گن ہاتھوں سے چھوٹ گئی اور وہ چیخ مار کر دیوار سے جا لگا۔ خاور کے ساتھیوں نے آگے بڑھنا چاہا لیکن وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''ٹھہرو میں ظالم نہیں ہوں جانے دو۔ میں دنیا میں اس لئے آیا ہوں کہ صرف آنکھیں اور کان کھولتا رہوں۔ مجھے کوئی کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔''

پھر وہ نقاب پوش کی طرف مڑا۔

''اب بتاؤ....اب کیا خیال ہے۔''

نقاب پوش جو دیوار ہی سے لگا ہوا آہستہ آہستہ دروازے کی طرف کھسک رہا تھا اچھل پڑا.... انور نے اس کی آنکھوں میں خوف کی جھلکیاں دیکھیں۔

''میری سنو۔'' خاور ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''تم لوگوں نے روپے سے اس کا منہ بند کرنا چاہا تھا لیکن پھر اسکیم کیوں بدل دی۔ اب اس پر تشدد کیوں کرنا چاہتے ہو؟''

یک بیک نقاب پوش نے دروازے میں چھلانگ لگائی۔ ساتھ ہی انور بھی جھپٹا تھا لیکن خاور راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔

''نہیں بیٹے! میری موجودگی میں نہیں۔ میرا کام صرف ہدایت کرنا ہے۔ جھگڑے اس چھت کے نیچے نہیں ہو سکتے۔''

انور رک کر اُسے گھورنے لگا.... خاور پھر ہنس پڑا۔ ''کیوں....اب کیا تم بھی اپنے کرتب دکھانے کا ارادہ رکھتے ہو۔''

''نہیں....!'' انور بڑی سعادت مندی سے پیچھے ہٹ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ وہ دراصل ایک (Sceptic) قسم کا آدمی تھا۔ اس لئے جلد ہی کسی سے مرعوب ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔ اس آدمی کے متعلق پہلے بھی شبہات میں مبتلا

رہ چکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ مالدار طبقے کے لوگوں کو اپنی بناسپتی روحانی قوت سے
کر کے بڑی بڑی رقومات اینٹھتا ہے اور فیشن ایبل عورتوں کے درمیان راجہ اندر بنے
شائق ہے۔ لیکن اس وقت آخر اُسے ان حالات کا علم کیسے ہوا جن کا علم کسی چوتھے آدمی
تھا۔ تو پھر یہ نقاب پوش رانا پرمود کے سیکریٹری ہی کا کوئی آدمی رہا ہوگا۔ لیکن سوال تو یہ
جو شخص تشدد پر اتر آنے کا ارادہ رکھتا ہو وہ کسی کا منہ بند کرنے کے لئے دو ہزار کیوں خر
کرنے لگا۔

دفعتاً انور نے ایک طویل انگڑائی لی۔ مسکرایا اور خاور سے بولا۔ ''اچھا تو اب آپ بر
چند الجھنیں رفع کیجئے۔ یہ حقیقت ہے کہ آج مجھے ایک معقول رقم ملی تھی تا کہ میں کسی خاص معا
پر اپنی زبان نہ کھولوں۔ پھر آخر انہی لوگوں نے یہ طریقہ کیوں اختیار کیا۔''

''میں نے بھی اس سے یہی سوال کیا تھا۔'' خاور نے مسکرا کر جواب دیا۔

''لیکن وہ جواب دیئے بغیر ہی نکل بھاگا۔''

''پھر بتاؤ میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔''

''اس کا جواب آپ بخوبی دے سکیں گے۔''

''میں.... بھلا میں کیسے!''

''آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ آپ کو تو اس بات کا علم بھی تھا جس کا علم اخبار کے
ایڈیٹر تک کو نہیں رہا۔''

''ہاں تم بہت چالاک ہو۔ مگر اچھے لڑکے بلیک میلنگ بُری چیز ہے۔''

''خدا کی پناہ۔'' انور نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔ ''آپ تو تفصیل سے بھی واقف ہیں۔''

''بالکل....!''

''تو پھر اب بتایئے.... مجھے کیا کرنا چاہئے۔''

''خدا بہتر جانتا ہے۔ میں کیا بتا سکوں گا۔ تم مجرموں کے گروہ کو بلیک میل کر رہے ہو
اگر کسی شریف آدمی پر وار کیا ہوتا تو میں ضرور کہتا کہ ایسا نہ کرو۔ بُری بات ہے۔''

''اچھا تو کیا وہ رقم میرے لئے جائز ہے جو میں نے ان سے وصول کی ہے۔''

''ہرگز نہیں.... میں یہ کہنا چاہتا ہوں۔'' خاور نے کہا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر

''تم آخر انہیں بے نقاب کر کے پولیس کے حوالے کیوں نہیں کر دیتے۔ تمہارا فرض ہے۔
اچھے لڑکے آدمی بنو۔ بُروں کو ان کی منزل تک پہنچا دو تا کہ دوسروں کو بھی فائدہ پہنچے۔ انہیں
بلیک میل کر کے کھلی چھٹی دے رکھنا بھی جرم ہے۔''

دفعتاً عمارت کے کسی گوشے سے ایک کریہہ سی چیخ ابھری اور خاور چونک پڑا۔

گوریلے کی دیوانگی

چند لمحے سکوت میں گزرے پھر خاور نے اپنے آدمیوں سے کہا۔ ''دیکھو یہ کون چیخا تھا۔''
وہ چاروں تیزی سے باہر نکل گئے اور خاور پرسکون انداز میں انور کی طرف مڑا۔

''تم خطرات میں گھرے ہوئے ہو۔'' اس نے کہا۔

''مجھے پوری طرح احساس ہے۔'' انور نے اعترافاً سر کو جنبش دی۔

''میری دانست میں تم اس طرح محفوظ رہ سکو گے کہ ان لوگوں کو بلیک میل کرنے کی
بجائے پولیس کی مدد کرو۔''

''آپ بہت کچھ جانتے ہیں۔'' انور مسکرایا۔ ''اس لئے میرا خیال ہے کہ آپ ان کے
کاروبار سے بھی بخوبی واقف ہوں گے۔''

''میں کسی چیز سے واقف نہیں ہوں۔ لیکن یہ میرا کام نہیں ہے کہ دوسروں کے راز افشاء
کرتا پھروں۔ ورنہ روحانی قوتوں کے مالک تھانے داری کرتے نظر آتے۔'' خاور نے قہقہہ لگایا۔

اتنے میں اس کے چاروں آدمی واپس آ گئے۔

''کیوں کیا بات تھی۔'' خاور نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" ایک بولا۔ "پوری عمارت میں ہم چھ آدمیوں کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں۔"

"پھر کیا بات تھی۔" خاور بڑبڑایا۔

دفعتاً ایک بند دروازے کی پشت سے کھڑکھڑاہٹ کی آواز آئی۔ خاور چونک کر اِدھر اس کے آدمی بھی متوجہ ہو گئے تھے۔

"اپنی روحانی قوتوں کو بروئے کار لاؤ۔" دروازے کی پشت سے بھرائی ہوئی سی آ آئی۔ "پتہ لگاؤ کہ میں کون ہوں اور ابھی تم نے کس کی چیخ سنی تھی۔"

انور نے خاور کی آنکھوں میں سراسیمگی کے آثار دیکھے۔ پھر وہ تیزی سے اپنے آدمی کی طرف مڑا ہی تھا کہ آواز آئی۔ "خبردار یہاں سے کوئی جنبش بھی نہ کرے۔ ورنہ اس بار شعبدہ کام نہ آئے گا۔ پانچ لاشیں فرش پر تڑپتی نظر آئیں گی۔"

"تم کون ہو؟ سامنے آؤ۔" خاور غرایا۔

"روحانی قوت کام میں لاؤ۔" لہجہ مضحکانہ تھا۔

انور کو اس کی آنکھوں میں پھر اضطراب کی لہریں نظر آئیں۔

"اگر میں اپنی روحانی قوت کو کام میں لایا تو تم کوئلے کے مجسمے میں تبدیل ہو جاؤ گے"

خاور نے یہ جملہ تن کر کہا تھا لیکن آواز کا کھوکھلا پن انور سے نہ چھپ سکا۔

"ٹھہرو....!" آواز آئی اور پھر دروازے پر زوردار ٹھوکر پڑی۔ دونوں پاٹ کھل گئے۔

انور بوکھلاہٹ میں لڑکھڑایا۔ سامنے کھڑے ہوئے آدمی نے فلٹ ہیٹ کا گوشہ اٹھا ہوئے کمرے میں قدم رکھا۔ یہ انسپکٹر فریدی تھا۔ اس کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ تھی۔

"تم کون ہو؟ اور میرے مکان میں بغیر اجازت کیوں داخل ہوئے۔" خاور غرایا۔

"بڑی عجیب بات ہے۔" فریدی کا لہجہ طنزیہ تھا۔ "اب بھی تمہاری روحانی قوت تم پہچاننے سے قاصر رہی۔"

خاور کے آدمیوں نے آگے بڑھنا چاہا۔

"ٹھہرو۔" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اس متبرک چھت کے نیچے جھگڑا نہیں ہو سکتا کیوں ہوتا کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔ خدا نے تمہیں ایک خاص مشن پر بھیجا ہے۔ یہ بھی مجھے تسلیم ہے۔"

"ہاں.....تم لوگ دخل اندازی سے باز رہو۔" خاور نے اپنے آدمیوں سے غصیلے لہجے میں کہا۔

"میں نے غلط تو نہیں کہا تھا دوستو۔" فریدی مسکرایا۔

وہ جہاں تھے وہیں رک گئے۔

خاور نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ فریدی نے انور کی طرف دیکھ کر بائیں آنکھ دبائی اور حقارت آمیز انداز میں مسکراتا رہا۔ انور نے اسے ایسے کھلنڈرے موڈ میں کم ہی دیکھا تھا۔

خاور نے آنکھیں کھولیں اور انور نے محسوس کیا کہ وہ بڑی حد تک خود پر قابو پا چکا ہے۔

"کیا میں ایک سرکاری آفیسر سے پوچھ سکتا ہوں کہ اس سے یہ غیر قانونی حرکت کیوں سرزد ہوئی۔"

"یہاں سے میری روحانی قوت کی کہانی شروع ہوتی ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔ "تم یہی چاہتے تھے نا کہ یہ بلیک میلر راہِ راست پر آ جائے۔"

"ہاں میں یہی چاہتا تھا۔"

"بس تو پھر اب یہ راہ راست پر آ جائے گا۔" فریدی بولا۔

"خیر خیر.... میں یہ جسارت قابل معافی سمجھتا ہوں۔ محض اس لئے کہ تم ایک لائق آفیسر ہو۔ تم سے ملک و قوم کو بہتیرے فائدے پہنچے ہیں۔"

"اور اس وقت میں نے تمہاری مشکل بھی آسان کر دی ہے۔"

"کیا مطلب....؟" خاور چونک پڑا۔

"تم یہی معلوم کرنا چاہتے ہو نا کہ اس بلیک میلر کی پشت پر حقیقتاً کون ہے۔ لو دیکھ لو۔ اس نے وہ حرکت میرے ہی ایماء پر کی تھی۔"

"مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔" خاور نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔ "...
یہ کیوں جاننا چاہوں گا۔ کیا مجھے معلوم نہیں تھا۔"

"ٹھیک ہے۔ اسی لئے یہ ڈرامہ اسٹیج کرنے کی ضرورت پیش آئی تھی۔" فریدی مُ...

"پہلے اسے کافی میں کوئی نشہ آور چیز دی گئی پھر دو آدمی اسے کلب سے نکال...
راستے میں تم سے مڈبھیڑ ہوگئی اور تمہاری روحانی قوت نے انہیں بھاگنے پر مجبور کردیا۔ پھ...
تمہاری روحانی قوت نے ایک نقاب پوش پیدا کیا۔"

"ٹھہرو۔" خاور ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "تم شاید کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو۔ تم یہ سمجھے ہو...
نے اس کرائم رپورٹر کو مرعوب کرنے کے لئے یہ سب کچھ خود ہی کیا تھا۔"

"لفظ مرعوب پر مجھے اعتراض ہے۔" فریدی مسکرایا۔ "نہیں مرعوب کرنے کے...
بلکہ اس کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے۔"

"اعتماد.... میں نہیں سمجھا۔"

"اپنی روحانی قوت کو آواز دو سب کچھ سمجھ میں آجائے گا۔ خیر تمہاری آسانی...
بتادوں گا کہ...." فریدی خاموش ہوکر اُسے گھورنے لگا۔

"تم نے مجھ سے الجھ کر اچھا نہیں کیا انسپکٹر۔" خاور بھی اسے گھورتا ہوا بولا۔

"اس کی فکر تمہیں نہیں ہونی چاہئے۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ تم اس سے...
معلوم کرنا چاہتے تھے جو اس کی معلومات کا باعث بنے ہیں۔ لیکن تمہیں علم ہے کہ انور...
بات معلوم کرلینا آسان نہیں۔ خواہ تشدد ہی کیوں نہ بروئے کار لایا جائے۔"

"پھر کہوں گا کہ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔" خاور ہنس پڑا۔

"بکواس بند کرو۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"مجھے غصہ مت دلاؤ لڑکے۔" خاور کا موڈ پھر بگڑ گیا۔

"میں تمہیں اس حد تک غصہ دلانے کا ارادہ رکھتا ہوں کہ تم پاگل ہوجاؤ۔"

"حد ہوگئی.... حد ہوگئی۔" خاور کا ایک ساتھی مٹھیاں بھینچ کر بولا۔ "بابا حکم دیجئے۔"

خاور نے سوالیہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا اگر تم انہیں حکم دے دو۔ میں عرصہ سے بہانہ تلاش کررہا ہوں
کہ کسی طرح تمہاری کلائیوں میں زیور ڈال سکوں۔"

"اچھا یہ بات ہے۔" خاور نے آنکھیں نکالیں۔ "اب تم دیکھنا حشر اپنا۔ بس جاؤ....
بس جاؤ۔"

"ظاہر ہے یہاں قیام کرنے کی نیت سے نہیں آیا تھا۔ لیکن مجھے تم سے شکایت ضرور
رہے گی۔"

"کیا مطلب....؟"

"تم نے میرا شکریہ بھی ادا نہیں کیا۔"

"کس بات کا۔"

"تمہیں انور پر بہت محنت کرنی پڑتی لیکن اس کے باوجود بھی تم اس سے کچھ نہ معلوم
کرسکتے کیونکہ یہ بھی تھوڑی بہت روحانی قوتوں کا مالک ہے۔ میں نے کہا کیوں نہ تمہیں بتا
دوں کہ اس بلیک میلنگ کی پشت پر میں ہی ہوں۔"

"تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔" خاور نے کہا۔ "مجھے اس سے کیا غرض ہوسکتی
ہے۔ میں تو خود اسے یہی سمجھا رہا تھا کہ پولیس کو مطلع کردو۔ مجرموں کو بلیک میل کرنے سے
انہیں تو فائدہ ہوسکتا ہے لیکن عوام خسارے میں رہتے ہیں۔"

"یہ سمجھاتے وقت تمہاری روحانی قوت کہاں سو رہی تھی۔ تمہیں تو معلوم ہونا چاہئے تھا کہ
یہ خود ہی اس بلیک میلنگ کی حوصلہ افزائی کررہی ہے۔"

"بس جاؤ.... خدا کے لئے جاؤ۔ تم پر اگر مصیبتیں نازل نہ ہوں تو یہی سمجھنا کہ وقت کو
تمہارے لئے کسی بہت بُرے دور کا انتظار ہے.... میرا مضحکہ اڑانے والے آج تک خوش نہیں دیکھے
گئے۔" خاور خاموش ہوکر ٹہلنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے چنگاریاں سی نکل رہی تھیں۔ ایسا معلوم
ہوتا ہے جیسے وہ خود پر قابو پانے کے لئے ٹہل رہا ہو۔ پھر دفعتاً وہ رکا اور فریدی کو چند لمحے

گھورتے رہنے کے بعد بولا۔ ''اس شہر میں بہتیرے ایسے آدمی ملیں گے جو مجھے فراڈ... ہیں.... تم بھی انہی میں سے ایک ہو۔''

''میں ان میں سے نہیں ہوں۔'' دفعتاً انور نے غصیلی آواز میں کہا۔ وہ فریدی کو تیز نظروں سے گھور رہا تھا۔

''ابھی میں نے اس پر غور ہی نہیں کیا کہ تمہارے سلسلے میں مجھے کیا کرنا ہے۔'' ف... نے لاپروائی سے کہا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔ انور نے اس کے ساتھ چلے جانے کی... نہیں کی۔

فریدی نے جیسے ہی دروازے میں قدم رکھا کوئی چیز اوپر سے اس پر گری اور وہ اچھل کر پیچھے ہٹ آیا۔ سیاہ رنگ کا سانپ اس کے شانوں سے پھسل کر فرش پر آ گرا تھا۔ وہ پھن ا... اس پر لپکا۔

''بہت اچھے۔'' فریدی نے قہقہہ لگایا۔

''رحم کیجئے خاور صاحب۔'' انور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''میں کچھ نہیں جانتا۔'' خاور نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔ ''خدا ہی میری... نہیں برداشت کرسکتا۔''

سانپ بدستور پھن اٹھا اٹھا کر فریدی پر حملے کر رہا تھا۔ لیکن ابھی تک فریدی محفوظ رہا...

''آپ اس سے کیوں الجھ رہے ہیں جلدی سے باہر نکل جائیے۔'' انور نے جھنجھلا کر...

''ایسے کھیل مجھے پسند ہیں فرزند۔'' فریدی نے جواب دیا۔ وہ اب گھٹنوں کے بل... ہوا سانپ کے وار خالی دے رہا تھا۔

''خود خاور بھی آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھتا رہا۔ دفعتاً فریدی نے سانپ کی دم... جھٹکا دیا۔ اتنی تیزی سے کہ وہ پلٹ بھی نہ سکا اور اب فریدی سیدھا کھڑا نظر آیا۔ سانپ کی... ضرر کیچوے کی طرح اس کے ہاتھ میں لٹکا ہوا تھا۔ اس کی زبان اب بھی بار بار منہ... آ رہی تھی لیکن وہ اپنے جسم کو جنبش نہیں دے سکتا تھا۔

زیدی نے اُسے فرش پر ڈالتے ہوئے کہا۔ ''اب کسی دوسری بلا کو آواز دو۔ اس کی تو ہڈیاں جوڑوں سے الگ ہوگئی ہیں۔''

''خدا کی پناہ۔'' خاور متحیرانہ انداز میں بولا۔ ''تم نے یہ فن کہاں سے سیکھا۔''

زیدی کچھ کہے بغیر دروازے کی طرف مڑ گیا۔ انور نے اس کو اسی دروازے سے ...نے دیکھا جس سے کچھ دیر پہلے نکلنے کی کوشش کی تھی۔

پھر اس کے قدموں کی آوازیں بھی سناٹے میں گم ہوگئیں۔

''خدا اس کے حال پر رحم کرے۔'' خاور نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''مستقبل بے حد ...نظر آ رہا ہے۔''

''نہیں بابا.... رحم کیجئے۔'' انور گڑگڑایا۔ ''وہ صرف ضدی آدمی ہیں۔ دل کے بُرے نہیں۔''

''چلے جاؤ۔'' خاور حلق پھاڑ کر دھاڑا۔ ''تم سب فراڈ ہو۔ تمہاری نیت بھی مجھ پر روشن ...جاؤ ورنہ تم اتنے باکمال نہیں ہو کہ کسی سانپ کی ہڈیاں الگ کرسکو۔''

''یہ بات بھی سو فیصدی درست ہے۔'' انور نے سر ہلا کر کہا۔ ''میری کبھی کسی بداری سے ...نہیں رہی۔ لیکن آپ... یقین کیجئے کہ میں دل سے آپ کی قدر کرتا ہوں۔ مجھ پر بھی رحم ...اگر آپ کا علم مجھے فراڈ قرار دیتا ہے تو میں یہی سمجھوں گا کہ آپ کا علم جھوٹا ہے۔''

خاور نے اس کے چہرے پر نظر جماتے ہوئے پلکیں جھپکائیں۔ انور آہستہ آہستہ آگے ...اس کے قریب پہنچ کر دو زانو ہوتے ہوئے پیر پکڑ لئے۔

''مجھے ایسے ہی کسی مرد کامل کی تلاش تھی بابا.... مجھ پر رحم کیجئے۔'' گڑگڑاہٹ رقت آمیز تھی۔

''اٹھو.... کھڑے ہو جاؤ....!'' خاور نے خلاء میں گھورتے ہوئے کہا۔

انور اٹھ کر چار قدم پیچھے ہٹا اور مؤدب کھڑا رہا۔

''کیا کہنا چاہتے ہو۔''

''مجھے وحیدہ بانو سے عشق ہوگیا ہے۔ لیکن دولت کی دیوار ہمارے درمیان حائل ہے۔''

''وحیدہ بانو کون ہے۔''

"نواب توقیر الزماں کی لڑکی۔"

"تو پھر تم کیا چاہتے ہو۔"

"شادی مگر میں مفلس ہوں....؟"

خاور نے آنکھیں بند کرلیں۔ اسی طرح کھڑا رہا پھر آنکھیں کھول کر بولا۔ "تم ہو گئے ہو۔ اس چکر میں نہ پڑو۔ اس لڑکی کے ستارے تمہارے ستاروں سے مطابقت رکھتے۔ اگر شادی ہوگئی تو تمہیں کتوں کی موت مرنا پڑے گا۔"

"میں سب کچھ بھگتنے کو تیار ہوں۔"

"میں حق تلفیوں کا ذریعہ بنا پسند نہیں کرتا۔" خاور نے خشک لہجے میں کہا۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"میں اس لڑکی کی حق تلفی کی بات کر رہا ہوں جس نے تمہارے لئے خود کو برباد کرلیا جس کی رگوں میں ایک مطلق العنان بادشاہ کا خون دوڑ رہا ہے جو.....!" خاور خاموش ہو گیا۔

"وہ صرف میری دوست ہے۔"

"شادیاں بھی دشمنوں سے نہیں ہوتیں۔"

"نہیں یہ ناممکن ہے۔ اس سے شادی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"پھر تم ساری زندگی کنوارے ہی رہو گے۔ تمہارے ستارے صرف اسی کے ستارے سے ملتے ہیں.... دنیا کی واحد لڑکی یا اسی سے شادی ہوگی یا پھر کسی سے بھی نہیں ہو سکے گی۔"

"میں کیا کروں.....!" انور بھرائی ہوئی آواز میں بولا اور اپنی پیشانی رگڑنے لگا۔

"بس آدمی بنو۔" خاور نے خشک لہجے میں کہا۔ "اب تم جا سکتے ہو۔"

✻

ڈاکٹر ڈف جاگ پڑا۔ کوئی باہر سے گھنٹی بجا رہا تھا۔ کلاک نے ٹھیک اسی وقت

...ئے۔ وہ کمبل پھینک کر اٹھا۔ اتنی رات گئے کون آیا ہے؟ وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا ہوا کمرے سے راہداری میں آ گیا۔ سوئچ آن کر کے بلب روشن کیا۔ جلدی میں سلیپنگ گاؤن ...نا بھی بھول گیا تھا۔

صدر دروازہ کھولتے ہی ایک یوریین پر نظر پڑی۔ شاید آنے والے نے خود ہی برآمدے کا بلب روشن کیا تھا۔

ڈاکٹر ڈف نے بُرا سا منہ بنایا۔ لیکن قبل اس کے کہ کچھ کہتا یوریین نے اپنا کارڈ اس کی ...ف بڑھا گیا۔

"ہنری واگھن.... سی آئی ڈی۔" ڈاکٹر نے بلند آواز میں کارڈ پڑھا پھر متحیرانہ لہجے میں ...لا۔ "ہاں پھر.... میں آپ کے لئے کیا کرسکتا ہوں۔"

"کرنا تو مجھے ہے ڈاکٹر۔" سارجنٹ ہنری نے کہا۔ "آپ نے کوئی رپورٹ درج کرائی تھی۔"

"ہاں.... مگر اب ہوش آیا ہے آپ لوگوں کو۔ دو بجے رات کو.... یہ بھی کوئی وقت ہے۔"

"بہت مناسب وقت ہے ڈاکٹر۔" ہنری بولا۔

"آیئے.... اندر آیئے....!" ڈاکٹر ڈف راہداری میں مڑتا ہوا بولا۔ پھر پلٹ کر دہاڑا ...چوکیدار....!"

"جی صاحب۔" قریب ہی سے آواز آئی۔

"دروازہ کھلا ہوا ہے۔ خیال رکھنا۔" ڈاکٹر غرایا۔

"اچھا صاحب۔" جواب ملا۔

گھنٹی کی آواز ہی نے شاید ریگی کو بھی جگا دیا تھا۔ ہنری نے اُسے راہداری میں کھڑے ...دیکھا۔ اس نے بھی یہ محسوس کیا کہ ریگی اسے دیکھ کر کسی قدر بدحواس نظر آنے لگی ہے۔

وہ دونوں ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے اور ڈاکٹر نے پلٹ کر ریگی سے کہا۔ "بے بی.... ...سو جاؤ.... تم کیوں اٹھ گئی ہو۔" پھر ہنری سے بولا۔

"بیٹھئے مسٹر....!"

''ہنری کہتے ہیں مجھے۔'' ہنری بیٹھتا ہوا بولا۔

ریگی اندر نہیں آئی تھی۔ ہنری نے اطمینان کا سانس لیا۔ غالباً وہ نہیں چاہتا تھا کہ
ایک دوسرے سے اپنی جان پہچان ظاہر کریں۔

''ہاں.....اتنی رات گئے۔'' ڈاکٹر ڈف اُسے گھورتا ہوا بولا۔

''ایک بار پھر معافی چاہتا ہوں ڈاکٹر۔'' ہنری نے لجاجت سے کہا۔ ''لیکن ایک دشوا
آ پڑی ہے۔''

''کیسی دشواری۔''

''آپ نے ایک نامعلوم آدمی کے خلاف رپورٹ درج کرائی تھی کہ وہ آپ کے
میں گھسا تھا۔ لیکن اس سے پہلے ہی ایک رپورٹ آپ کے خلاف بھی آ گئی تھی۔ یہ ایک
آدمی کی رپورٹ ہے جو خرگوش پکڑتا ہے اس کا بیان ہے کہ وہ آپ کے مکان کی پش
جھاڑیوں میں خرگوش تلاش کر رہا تھا کہ آپ نے اُسے خواہ مخواہ للکار کر مارا پیٹا ہے۔''

''یہ بکواس ہے۔'' ڈاکٹر ڈف میز پر ہاتھ مار کر دھاڑا۔

''ڈاکٹر خدا کے لئے سنجیدگی سے گفتگو کیجئے۔'' ہنری نرم لہجے میں بولا۔ ''وہ بھی کو
گزرا آدمی نہیں ہے۔ دولت مند ہے۔ خرگوش کی کھالیں ایکسپورٹ کرتا ہے۔ اکثر خو
خرگوشوں کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا ہے..... آخر اُسے کیا سوجی تھی کہ وہ آپ کی چھت
چڑھتا۔ سوچئے تو کسے یقین آئے گا اس پر۔''

''تو میں جھوٹا ہوں؟'' ڈاکٹر ڈف نے آنکھیں نکالیں۔

''میں یہ نہیں کہتا ڈاکٹر۔ سوچ بھی نہیں سکتا۔ حالانکہ مجھے علم ہے کہ آپ سفید
والے سے بے تحاشہ نفرت کرتے ہیں لیکن پھر بھی مجھے آپ سے ہمدردی ہے آپ سے بڑ
حشرات الارض یہاں اور کون ہے۔''

''آپ یہ کیا جانیں کہ مجھے سفید چمڑی والوں سے نفرت ہے۔''

''میرا تعلق سی آئی بی سے ہے ڈاکٹر۔''

''آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔'' ڈاکٹر نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور دیوار سے لگے
ے کلاک کی طرف دیکھنے لگا جو سوا دو بجا رہا تھا۔

''یہی کہ آپ ذرا اس آدمی کو شناخت کر لیں..... جسے آپ نے مارا پیٹا تھا۔''

''وہ مجھے کہاں ملے گا۔''

''میرے پاس تصویر موجود ہے۔ اگر وہی ہوا تو.....!''

''جلدی کیجئے۔ سوا دو بج رہے ہیں۔ میں شب بیداریوں کا عادی نہیں ہوں۔''

ہنری نے حمید کی وہی میک اپ والی تصویر نکالی جس میں اس نے گوریلے سے ملاقات کی تھی۔

''یہی ہے!'' ڈاکٹر بیساختہ بولا۔ ''بلاشبہ یہی ہے۔ میری یادداشت دھوکا نہیں دے سکتی۔''

''تب پھر یہی وہ شخص ہے جس نے آپ کے خلاف رپورٹ درج کرائی تھی۔''

''میری رپورٹ سے پہلے۔''

''جی ہاں۔''

''اس کی تصویر کہاں سے ملی آپ کو۔'' ڈاکٹر کے لہجے سے بے اعتباری مترشح تھی۔

''آپ کی رپورٹ پہنچنے پر اُسے پھر طلب کیا گیا تھا۔ الجھا دینے والی بات تھی۔ اس لئے
کی لاعلمی میں یہ تصویر کھینچی گئی تا کہ اُسے سامنے لائے بغیر ہی شناخت ہو سکے۔''

''میرا خیال ہے کہ میرے خلاف کوئی بڑی سازش کی جا رہی ہے۔''

''کس پر شبہ ہے آپ کو.....؟''

''فی الحال میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' ڈاکٹر تصویر کو گھورتا ہوا بولا۔ ''لیکن یہ آدمی میرے
لئے قطعی طور پر اجنبی ہے۔ اس واقعہ سے پہلے میں نے اُسے کبھی نہیں دیکھا۔''

''کھل جائیے ڈاکٹر ورنہ.....!''

''کیا مطلب.....!'' ڈاکٹر پھر اُسے گھورنے لگا۔

''یہ بتائیے کہ اس سے آپ کا جھگڑا کس بات پر ہوا تھا۔''

''کیا آپ میری رپورٹ پڑھ چکے ہیں۔'' ڈاکٹر اوپری ہونٹ بھینچ کر بولا۔

''جی ہاں....اچھی طرح۔''

''پھر کیا اس میں جھگڑے کی وجہ درج نہیں ہے۔''

''آپ نہیں سمجھے۔میرا مطلب آج کے جھگڑے سے نہیں۔''

''ہوں....!'' ڈاکٹر نے کچھ سوچتے ہوئے آنکھیں نکالیں۔''میں سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں آپ غالباً یہی کہنا چاہتے ہیں کہ ہماری پرانی جان پہچان تھی۔اچانک ناچاقی ہوگئی پھر ایک بڑا جھگڑا ہوگیا اور ہم دونوں بالکل اجنبیوں کی طرح ایک دوسرے کے خلاف کیس لے دوڑے۔''

''شکریہ ڈاکٹر....میں یہی کہنا چاہتا تھا۔''

''دو بج کر بیس منٹ ہوگئے۔'' ڈاکٹر اٹھتا ہوا بولا۔''اب آپ جا سکتے ہیں۔''

''اگر وہ واقعی آپ کے لئے اجنبی تھا تو....!'' ہنری نے بھی اٹھتے ہوئے تشویش کن لہجے میں کہا۔''تو آپ یقیناً بڑی الجھنوں میں مبتلا ہونے والے ہیں۔''

''کیوں؟''

''وہ دولت مند ضرور ہے لیکن.....لیکن.....شاید آپ تصور بھی نہ کرسکیں کہ کتنا خطرناک آدمی ہے۔''

''بیٹھ جایئے۔'' ڈاکٹر ڈف نے ہاتھ ہلا کر کہا۔''مجھے اس کے متعلق بتایئے۔''

''بہت بارسوخ آدمی ہے۔ایک شریف بدمعاش۔قانون شکنی کا ماہر۔ایسا کہ قانون بھی ابھی تک اُسے گرفت میں لینے سے معذور رہا ہے۔''

''لیکن ایسے کسی آدمی کو مجھ سے کیا سروکار ہوسکتا ہے۔''

''اس پر تو آپ ہی روشنی ڈال سکیں گے۔ذہن پر زور دیجئے۔''

''یقین کرو دوست وہ میرے لئے قطعی اجنبی تھا۔''

''اچھی بات ہے۔اگر آپ وعدہ کریں ڈاکٹر.....کہ آئندہ یورپیوں سے نفرت نہیں کریں گے تو میں.....!''

''تو تم کیا کرو گے میرے لئے۔''

''بہت غور کر کے کوئی قدم اٹھایا جائے گا۔بہرحال میں آپ کی ہر ممکن مدد کے لئے حاضر ہوں۔''

''ڈیڈی....ڈیڈی....!'' یک بیک ریگی کی چیخیں سنائی دیں۔

ڈاکٹر ڈف اٹھ کر دروازے کی طرف جھپٹا۔ریگی کی آواز راہداری ہی سے آئی تھی....ہنری جہاں تھا وہیں بیٹھا رہا پھر یک بیک کسی گوریلے کی غراہٹ سنائی دی....اور ڈاکٹر بھی چیخنے لگا

''مسٹر....مسٹر آفیسر....پلیز....دوڑو....!''

ہنری بہت اطمینان سے اٹھا۔انداز میں وحشت یا بیساختگی نہیں تھی۔ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی نظر آئی۔

''آفیسر....آفیسر....!'' ڈاکٹر کی چیخ پھر سنائی دی۔اس بار ہنری نے بھی خواہ مخواہ اپنے حلق سے متعدد قسم کی آوازیں نکالیں اور آواز کی طرف سرپٹ دوڑتا چلا گیا....غالباً یہ بھی ایکٹنگ تھی....لیکن کیا مجال کہ بناوٹ کا شبہ بھی ہو جاتا۔

وہ ایک کمرے میں داخل ہوا۔یہ غالباً ریگی کی خواب گاہ تھی۔بڑا وحشت ناک منظر تھا وہاں کا۔

بپھرے ہوئے گوریلے نے ایک ہاتھ پر بے ہوش ریگی کو سنبھال رکھا تھا اور دوسرے سے ڈاکٹر کو دھکیلتا جا رہا تھا۔بڑی خوفناک قسم کی غراہٹیں اس کے حلق سے نکل رہی تھیں۔

''بچاؤ....آفیسر....میری بچی کو بچاؤ''

''ہٹو....ہٹ جاؤ پروفیسر۔سامنے سے ہٹ جاؤ'' ہنری ریوالور نکالتا ہوا چیخا۔

''مم....مم....نہیں گولی مت مارنا.....یہ شاید.....اوہ.....میرے خدا.....فینٹم فینٹم.....!''

''پاگل ہوئے ہو ڈاکٹر ہٹو.....ورنہ میں تمہیں بھی گولی مار دوں گا۔کیا تمہیں یہ فینٹم اس بچی سے بھی زیادہ عزیز ہے۔''

گوریلے نے ہنری کو دیکھا اور پھر شاید اس کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر ہی ریگی کو پلنگ پر اچھال دیا۔

"فینٹم ...فینٹم...!" ڈاکٹر ڈف پھر دھاڑا۔ لیکن گوریلا اتنی دیر میں ہنری پر جھپٹ چکا تھا پے در پے چار فائر ہوئے۔

"آفیسر... آفیسر... پاگل کمبخت... یہ کیا کیا تم نے۔" ڈاکٹر نے دیوار نہ وار ایک ہا ہنری کے کاندھے پر رسید کر دیا۔ گوریلا ڈھیر ہو چکا تھا۔ اس کی غراہٹیں سسکیوں میں تبدیل ہوتی جا رہی تھیں اور فرش پر خون پھیل رہا تھا۔

"میں پاگل ہوں یا تم...!" ہنری ڈاکٹر کو دھکا دیتا ہوا غرایا۔ "ہوش کی دوا کرو۔ ورنہ ہتھکڑیاں ڈال کر گھسیٹتا ہوا لے جاؤں گا۔"

کئی دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں راہداری میں سنائی دیں اور پھر چوکیدار دکھائی دیا۔ دو ملازم بھی اس کے ساتھ تھے جنہیں شاید وہ شاگرد پیشے سے سوتے سے اٹھا لایا تھا۔ ان کی نیند میں ڈوبی ہوئی وحشت زدہ آنکھیں یہی کہہ رہی تھیں۔

ڈاکٹر دیوار سے ٹکا حیرت سے آنکھیں پھاڑے دم توڑتے ہوئے گوریلے کو دیکھ رہا تھا بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے سکتہ ہو گیا ہو۔ ریگی جس حال میں پڑی تھی پڑی رہی ڈاکٹر کی توجہ اس کی جانب مبذول نہ ہو سکی۔ نوکر دم بخود کھڑے تھے۔

"مجھے حیرت ہے ڈاکٹر۔" ہنری نے قبرستان کا سناٹا توڑا۔

ڈاکٹر ڈف نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر بے ہوش ریگی کی طرف مڑ گیا۔ چند لمحے اس پر جھکا رہا پھر سیدھا کھڑا ہو کر بولا۔ "اس گوریلے کو میں نے اس وقت پالا تھا جب صرف چھ دن کا تھا۔ تم نے بہت بُرا کیا۔ بہت بُرا۔ مگر میں نہیں سمجھ سکتا کہ خود اُسے کیا ہو گیا تھا... اس پر دیوانگی کیوں سوار ہو گئی تھی۔ میرے خدا۔"

ڈاکٹر نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔ وہ حقیقتاً بہت پریشان نظر آ رہا تھا۔

کار میں کوبرا

اپنے وقت کا حیرت انگیز ترین آدمی بڑے دلآویز انداز میں مسکرا رہا تھا اور سارجنٹ حمید نے ایسا پوز بنا رکھا تھا جیسے تن من دھن سے قربان ہو جانے کا ارادہ رکھتا ہو۔

سارجنٹ ہنری کی آنکھوں سے صرف عقیدت جھانک رہی تھی۔

"مگر مجھے کیوں اندھیرے میں رکھا جاتا ہے سرکار۔" حمید نے کہا۔

"مصلحتاً...!" فریدی کا مختصر سا جواب تھا۔ اس نے سگار سلگایا۔ دو تین ہلکے کش لئے اور پھر بولا۔ "اس تدبیر سے ہنری کے لئے دروازہ بھی کھل گیا اور تمہارے لئے بنگلے کی عقبی دیوار بھی محفوظ ہو گئی۔"

"مگر گوریلا پاگل کیسے ہو گیا تھا۔"

"شکر قند...!"

"لاحول ولا قوۃ...!" حمید نے جھلا کر دونوں ہاتھ زانوں پر مارے اور فریدی ہنس پڑا۔ پھر سنجیدگی سے بولا۔ "رات کو گوریلا عموماً چھت ہی پر رہتا تھا۔ بہترین محافظ۔ اس سے تو ہر حال میں پیچھا چھڑانا ہی تھا۔ ایک شکر قند کافی ہوئی تھی اس کے لئے۔"

"اوہ تو آپ نے شکر قند میں کسی قسم کا زہر انجکٹ کیا تھا۔"

"ہاں... اور پھر وہ چھت پر پھینک دی گئی تھی۔ پھر ہنری اسی وقت عمارت میں داخل ہوا تھا جب مجھے یقین ہو گیا تھا کہ گوریلا شکر قند ہضم کر چکا ہو گا۔ ڈاکٹر کی حیرت حق بجانب تھی۔ کیونکہ وہ گوریلا گھر کے افراد کے لئے بالکل بے ضرر تھا۔"

"تو وہ زہر تھا۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ "میں سمجھا تھا شاید کم بخت کسی فٹ پاتھی پنساری کی نقرئی گولیاں چبا گیا تھا۔ مگر ٹھہریئے... آخر آپ گوریلے کے پیچھے کیوں پڑ گئے تھے۔"

"اس کی موجودگی میں اپنا کام جاری نہ رکھ سکتا۔"

"کیا سچ مچ وہاں آپ کو انسانی اعضاء کی تلاش ہے۔"

''یہ حقیقت ہے۔''

''لیکن ٹھہریئے تو.... کیا جرم ہے۔''

''بعض حالات میں.... میں جانتا ہوں کہ وہ ایک سائنٹسٹ ہے.... ماہر حشرات الارض ہے۔ اگر اس کے یہاں انسانی اعضاء پائے جاتے.....!''

ایک نوکر طشتری میں کسی کا وزیٹنگ کارڈ لئے داخل ہوا اور بات جہاں کی تہاں رہ گئی۔

فریدی نے کارڈ لے کر دیکھا اور جیب میں رکھ لیا۔

''تم دونوں یہیں ٹھہرو۔ اس کمرے سے باہر قدم نکالنے کی ضرورت نہیں۔'' فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

پھر وہ ڈائننگ روم میں آیا۔ یہاں انور اس کا منتظر تھا۔

''بیٹھو.... بیٹھو....!'' فریدی نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

''میں [illegible] الجھن میں ہوں۔''

''کون [illegible]'' فریدی صوفے کے ہتھے سے ٹکتا ہوا مسکرایا۔

''خاور.... میری سمجھ سے باہر ہے۔''

''فی الحال میں بھی اسے زیادہ نہیں سمجھ سکا۔''

''اس کے علاوہ بھی ایک الجھن ہے۔''

''کہتے چلو۔'' فریدی نے بجھا ہوا سگار سلگا کر کہا۔

''آپ نے رانا پرمود کے متعلق جو کچھ بھی کہا تھا خود کو سامنے لائے بغیر کہا تھا۔ نخ اسکے آدمیوں کو متوجہ کرنے کیلئے مجھے بلیک میلر بننا پڑا تھا۔ پھر آپ یک بیک سامنے کیوں آ گئے۔''

''صرف اسی حد تک کہ پس پردہ رہنا مناسب تھا جب تک خاور روشنی میں نہ آ جاتا۔''

''میں نہیں سمجھا۔''

''رانا پرمود سے زیادہ مجھے خاور کی فکر تھی۔ میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ بھی ان معاملات سے دلچسپی لیتا ہے یا نہیں۔ اتفاقاً وہ جلد ہی روشنی میں آ گیا۔ ورنہ میری اسکیم تو طول

تھی۔ کہیں نہ کہیں اسے سامنے آنا ہی پڑتا۔''

''سمجھ گیا۔ لیکن شاید ابھی تک اس کی پوزیشن آپ کے ذہن میں واضح نہیں ہو سکی۔''

''یہ حقیقت ہے۔''

''کچھ بھی ہو۔ لیکن اب وہ لوگ ہوشیار ہو گئے ہیں۔ آپ نے سامنے آ کر....!''

''پرواہ مت کرو۔'' فریدی نے شانوں کو جنبش دی۔ ''میں جانتا ہوں کہ میں نے اپنے لئے کئی طرح کے خطرات مول لئے ہیں۔ لیکن ان کے بغیر کام بھی تو نہ چلتا۔''

''آپ کے لئے خطرات....!''

''ہاں کسی وقت بھی سپرنٹنڈنٹ مجھے طلب کر کے پھٹکار سکتا ہے۔''

''کیوں؟''

''خاور بہت مقبول آدمی ہے۔ میں نے بھڑوں کے چھتے میں چھیڑا ہے۔ ہمارے ایس پی رڈ اسمتھ صاحب بھی اس کے عقیدت مندوں میں سے ہیں۔''

''لیکن میری اطلاعات کے مطابق یہ کیس آپ کو اسمتھ ہی سے ملا ہے۔''

''خوب! بہت اچھے جا رہے ہو۔'' فریدی مسکرایا۔ ''اب میرے محکمے کی اطلاعات بھی تم تک اتنی آسانی سے پہنچنے لگی ہیں۔''

''ذرہ نوزای ہے آپ کی۔'' انور ڈھٹائی سے مسکرایا۔

''خیر.... ہاں تو یہ کیس مجھے مسٹر اسمتھ ہی سے ملا تھا۔ لیکن ان کے فرشتوں کو بھی شاید علم نہ ہو کہ ان معاملات سے خاور بھی کسی قدر سروکار رکھتا ہے۔ اب دیکھو نا اس نے خود کو اس معاملے سے الگ رکھنے کے لئے کتنا شاندار ڈرامہ اسٹیج کیا تھا۔ دو ہزار تمہیں مل چکے تھے۔ لیکن مجھے اطمینان نہیں تھا کہ تم روپیوں سے سیدھے رہ سکو۔ یہی خیال تشدد کے متعلق بھی رہا ہوگا۔ اسلئے خاور کی اسکیم بروئے کار لائی گئی۔ سچ کہنا کیا تم اسکی حرکات سے متاثر نہیں ہوئے تھے۔''

''بے تحاشہ ہوا تھا۔''

''پھر بتاؤ.... کیا تم آہستہ آہستہ اس کے سامنے سب کچھ اگل نہ دیتے۔ وہ دراصل یہ معلوم

کرنا چاہتا تھا کہ تمہیں اس بلیک میلنگ اسٹف کا علم کن ذرائع سے ہوا تھا۔"

"لیکن آخر یہ رانا پرمود کیا بلا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ اُسے دس سال سے کسی نے دیکھا نہیں"

"دس سال۔" فریدی نے متحیرانہ انداز میں کہا۔ "یہاں تمہاری اطلاعات کے ذرائع کہاں کام آتے ہیں۔ ارے اُسے کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ وہ انگلینڈ میں پیدا ہوا تھا اور وہیں رہ گیا تھا۔"

"اوہ.... تو پھر ریاست کا کاروبار کیسے چلتا ہے۔"

"ایک انگریز منتظم ہے اور رانا پرمود کا پراسرار سیکریٹری۔ خود رانا مستقل طور پر یورپ کے کسی ملک میں مقیم ہے۔"

"اتنا معلوم ہو جانے کے باوجود بھی میں کچھ نہیں سمجھا۔"

"فی الحال اتنا ہی کافی ہے۔" فریدی مسکرایا۔

"کیا.... پرنسز تارا کی بھی نگرانی ہو رہی ہے۔"

"یہ کون ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"رانا.... پرمود کی بھتیجی.... پرمود ہاؤز ہی میں رہتی ہے۔ میں نے اکثر حمید کو اس کے پاس منڈلاتے دیکھا ہے۔"

"خوبصورت ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"پرمود کے چھوٹے بھائی نے کسی یورپین عورت سے شادی کی تھی۔ اس کی اولاد خاصی دلکش....!"

"یہ بڑی اچھی خبر سنائی تم نے۔" فریدی نے کہا اور سگار کے دو تین طویل کش لے کر اٹھ

"اب مجھے کیا کرنا ہے۔ ویسے میں خاور کے عقیدت مندوں میں داخل ہو چکا ہوں۔"

"بہت اچھے.... وہ کس طرح۔"

"آپ کی واپسی کے بعد میں نے آپ کو بُرا بھلا کہا تھا۔"

"یہ نہ سمجھو کہ وہ اس سے مطمئن ہو گیا ہوگا۔ لیکن وہ تمہارے لئے خطرناک نہیں ہے بظاہر کسی کے لئے بھی نہیں۔ تمہیں وہ صرف ایک مہرہ سمجھتا ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ تم

نمبر 28

حلقہ بگوش میں زبردستی گھسے رہو۔"

"یہی اسکیم ہے میری.... لیکن وہ دو ہزار....!"

"عیش کرو.... میری طرف سے اجازت ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن بلیک میلنگ کی رقم۔ ضمیر گوارا نہیں کرتا اور آپ یقین کیجئے کہ میں آج تک انسپکٹر آصف کے علاوہ اور کسی کو بھی بلیک میل نہیں کیا۔ وہ بھی ضرورتاً۔ جب اس دماغ میں میرے خلاف کیڑے کلبلاتے ہیں تو انہیں خاموش کرنا ہی پڑتا ہے۔"

"تمہاری مرضی۔"

"لیکن میں آج کل بے حد مفلسی کی زندگی گزار رہا ہوں۔"

"شام تک تمہیں ایک ہزار کا چیک مل جائے گا۔ اوہ ٹھہرو.... نہیں خیر.... اس وقت نہیں کے ساتھ ہی تمہیں ہدایات بھی مل جائیں گی۔ بس اب جاؤ۔ آج کل بے حد مشغول ہوں۔"

انور بھی اٹھ گیا۔

"بس ایک بات اور...." وہ پھر بول پڑا۔

"اُوں ہونہہ.... بولو بھئی۔ تم تو کان کھا جاتے ہو۔" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"کام ہی بات ہے۔ بتا دیجئے۔ ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔"

"معلومات حاصل کرنے کے ماہر ہو تو کوشش کر ڈالو۔"

"نہیں میرے بس سے باہر ہے۔" انور جلدی سے بولا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر خبر کیسی تھی جو آپ نے میرے کالم کے لئے عطا فرمائی تھی۔ خود اس خبر کی تصدیق ہی کرنے میں ابھی تک قاصر رہا ہوں۔ پرمود ہاؤز کے آس پاس پائے جانے والے خارش زدہ کتوں تک سے پوچھ گچھ کر ڈالی ہے لیکن....!"

فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور ہاتھ ہلا کر بولا۔ "جاؤ.... جاؤ.... پھر بتاؤں گا۔ لیکن ....اب ایک راز کی بات بتا ہی دوں۔ میں پچھلی رات خود کو ہرگز ظاہر نہ کرتا.... لیکن سوچو اس کا کیا نتیجہ ہوتا؟ تمہاری دھجیاں اڑ جاتیں.... بے حد خطرناک لوگ ہیں۔ تمہارا منہ

بند کرنے کے لئے بالآخر بے خبری میں پشت پر خنجر مارتے۔ یہ معاملہ ایسا ہی اہم تھا۔ اب
محفوظ ہو۔ انہیں یقین ہو گیا ہوگا کہ میں نے تمہیں اصل بات ہرگز نہ بتائی ہوگی۔''

انور نے طویل سانس لی اور کھوپڑی سہلاتا ہوا ڈرائنگ روم سے باہر نکل آیا۔

فلیٹ تک پہنچنے میں پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں صرف ہوئے۔ لیکن یہاں دوسری الجھ
موجود تھی۔ رشیدہ.... انور کو اس کے سامنے اسٹار کا فائیل نظر آیا۔ تقریباً پچھلے تین ماہ کے شمار
ڈھیر رہے ہوں گے۔

وہ اُسی کے فلیٹ میں تھی۔ انور نے چاہا کہ اُسے نظر انداز کرتا ہوا دوسرے کمرے میں
جائے۔ لیکن رشیدہ بڑی پھرتی سے اٹھی اور دروازے میں حائل ہوگئی۔

''بدحواسی اچھی نہیں۔'' انور نے آنکھیں دکھائیں۔

''اس سے کام نہیں چلے گا۔'' رشیدہ نے اُسے سامنے والی کرسی میں دھکیل دیا۔

انور بیٹھ تو گیا لیکن ایسے انداز میں اُسے گھورتا رہا جیسے دوسرا مرحلہ تھپڑ ہی تو ہوگا۔ وہ
اتنا زوردار کہ رشیدہ کے گالوں پر پانچوں انگلیاں بن جائیں گی۔

''مجھے ابھی تک ایک ایسی خبر کے علاوہ اور کچھ نہیں مل سکا جس میں پرمود ہاؤز کا تذکر
آیا ہو۔ خبر چونکا دینے والی ہے لیکن اہم نہیں۔''

''ہوں.... پڑھنا تو ذرا۔'' یک بیک نہ جانے کیوں انور نرم پڑ گیا۔

رشیدہ نے وہ شمارہ کھینچا جس سے اُسے خبر پڑھنی تھی۔

''دارالحکومت ۱۳ نومبر.... پچھلی رات مشہور عمارت پرمود ہاؤز کے قریب ایک ایسا د
واقعہ پیش آیا جس کی مثال شاید جرائم کی پوری تاریخ میں نہ مل سکے۔ ہوا یہ کہ ایک سوتیلی
نے کسی بات پر خفا ہو کر اپنے جوان بھائی کے دونوں کان اکھاڑ لئے۔ آس پاس کے علا
میں سنسنی پھیل گئی۔ پولیس مفرور بہن کی تلاش میں ہے۔ اسٹاف رپورٹر۔''

رشیدہ خاموش ہوگئی اور انور بھی خاموشی سے سگریٹ پیتا رہا۔

''یہ کیا بکواس تھی۔'' اس نے کچھ دیر بعد انور کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''پرمود ہاؤز کے

بھی اس قسم کا کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا.... میں نے ابھی فون پر اس علاقے کے تھانے کے
ج سے گفتگو کی تھی۔''

''تم پاگل ہو جاؤ گی۔'' انور نے خشک لہجے میں کہا۔ ''میں بہت پریشان ہوں اس لئے
کہ تم پاگل ہو جاؤ گی بلکہ اس لئے کہ اب کوئی صورت نہیں رہی کامیابی کی۔''

''کیا بکواس کر رہے ہو۔''

''وحیدہ بانو۔'' انور نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''نہیں لاحول ولاقوۃ کیا بک رہا ہوں۔ بھلا
حالِ دل سنانے سے فائدہ۔ ہوں.... کیا تم پرنسز تارا سے دوستی کر سکو گی۔''

''میں کسی پرنسز تارا سے واقف نہیں ہوں۔''

''رانا پرمود کی بھتیجی.... پرمود ہاؤز میں رہتی ہے۔''

''اچھا.... وہ یوریشین لڑکی.... مگر....'' رشیدہ خاموش ہو کر اُسے گھورنے لگی۔

پھر جھلا کر بولی۔ ''اب میں سمجھ گئی۔ یہ چکر ہے۔ اس لڑکی کے لئے یہ سب کچھ ہو رہا
ہاں وہ بہت خوبصورت ہے۔''

''اس کی ماں اس سے بھی زیادہ خوبصورت تھی۔''

''میں چانٹا مار دوں گی۔'' رشیدہ غرائی۔ ''یاد رکھو اگر تم کبھی اس... کے ساتھ دکھائی دیئے تو
برا کوئی نہ ہوگا۔''

''اس کے ساتھ نہ دکھائی دوں تب بھی تم سے برا کوئی اور آج تک میری نظر سے نہیں
۔'' انور نے کہا اور ایش ٹرے میں سگریٹ کا جلتا ہوا سرا رگڑنے لگا۔

پھر یک بیک اس نے رشیدہ کے بال مٹھیوں میں جکڑ لئے۔

''گرفت سخت ہوتی جائے گی۔'' وہ دانت پر دانت جما کر بولا۔ ''اتنی کہ تمہاری کھوپڑی
کا چھلکا بن جائے۔''

گرفت سچ مچ سخت ہوگئی تھی لیکن رشیدہ نے تکلیف کی پرواہ کئے بغیر دو تین مکے اُس
پیٹ پر رسید کر دیئے۔

دفعتاً باہر سے کسی نے گھنٹی بجائی.... انور اچھل کر پیچھے ہٹ گیا اور رشیدہ بُرا سا منہ بنا
ہوئے اپنے بال درست کرنے لگی۔
گھنٹی پھر بجی اور انور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

❖

شام خوشگوار تھی اور سارجنٹ حمید معمول سے کچھ زیادہ ہی بشاش تھا۔ بشاشت کی وجہ اس
کے علاوہ اور کیا ہوسکتی ہے کہ کسی معجزے ہی کے تحت فریدی اس کے ذہن میں جھانکنے میں
کامیاب ہوگیا۔ یعنی غیر متوقع طور پر پرنسز تارا کی نگرانی بھی اسی کے سپرد کردی گئی تھی۔ پہلے تو
حمید کو اپنے کانوں پر یقین ہی نہ آیا تھا کیونکہ رانا پرمود کی کہانی سے وہ قطعی طور پر ناواقف تھا
لیکن اُسے حیرت ضرور ہوئی تھی کہ آخر ڈاکٹر ڈف کا تارا سے کیا تعلق ہوسکتا ہے۔ اس نے
معلوم کرنا چاہا تھا لیکن فریدی سے کسی صحیح جواب کی توقع ہی فضول تھی۔ بہرحال وہ بڑے
اچھے موڈ میں تھا۔ اچھے موڈ میں تھا اس لئے شام ہوتے ہی ''ہائی سرکل'' کی کیوں نہ سوجھتی۔
لیکن گنبد نما مینار پر نظر پڑتے ہی روح فنا ہوگئی۔ وہ اس کے متعلق سب کچھ بھول چکا
تھا۔ پچھلی شام کی بات دوسری تھی۔ اس وقت تو وہ دن بھر کی کوفت دور کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اب
اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے یہ بدھو پہاڑ سا جسم رکھنے کے باوجود بھی کسی جونک ہی کا بھائی بند
ہوسکتا ہے۔ لیٹ جائے تو پیچھا چھڑانا محال۔
''اَخاہ....'' وہ بھی حمید کو دیکھتے ہی ماحول سے بے پرواہ ہوکر دھاڑا اور بہتیرے لوگ
چونک کر اُسے گھورنے لگے۔ لیکن وہ احمقانہ انداز میں مسکرا مسکرا کر ہاتھ ہلاتا ہی رہا۔
حمید کو اس بے ہودگی پر بڑا تاؤ آیا۔ مگر پھر عافیت اسی میں نظر آئی کہ اسی کی میز کا رخ
کرے۔ کیا ٹھیک۔ احمق تو احمق۔ اب کوئی ایسی حرکت کر بیٹھے کہ خود حمید ہی کا رکھ رکھاؤ خاک

[illegible] جائے۔
''آؤ.... آؤ.... مری جان پیارے بھائی۔'' وہ پُرمسرت لہجے میں بولا۔ ''باٹھو.... باٹھو....
[illegible] کہاں غائب ہوگئے تھے۔''
''ذرا والد صاحب [illegible] گئے تھے۔'' حمید بیٹھتا ہوا بولا۔
''ہائے....!'' قاسم کراہا۔ ''تمہارے بھی والد صاحب ہوتا ہے۔''
''کیوں... کیا تمہارے نہیں [illegible]'' حمید نے حیرت سے پوچھا۔
''میرے تو بہت جیادہ ہے۔'' قاسم نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''کھیر چھوڑو.. اور کوئی بات قرو۔''
''میں نہیں سمجھا۔''
''قیا نہیں سمجھے۔''
''زیادہ والی بات۔''
''نہ سمجھو.... یہی اچھا ہے۔'' قاسم نے پھر ٹھنڈی سانس لی۔ ''خدا کسی رنڈی کو بھی باپ
[illegible]''
''ہائیں.... ہائیں۔ کیا تم نشے میں ہو۔'' حمید نے حیرت سے کہا۔ ''اس وقت تمہاری
[illegible] بات بھی میری سمجھ میں نہیں آرہی۔''
''اے ہٹاؤ۔'' قاسم یک بیک جھلا گیا۔ ''میں قہتا ہوں.... یہ سالا باپ واپ کہاں سے
[illegible] آیا۔ ہاں نہیں تو.... نہ گھر چین نہ باہر چین.... ٹھینگے پر ہو تم اور تمہارے والد صاحب
[illegible] ہاں۔''
''ارے.... ارے۔''
''قچھ نہیں۔'' قاسم ہاتھ ہلا کر بولا۔ ''اور قوئی بات کرو۔''
''تمہاری پیدائش کیسے ہوئی ہوگی۔''
''ارے واہ۔'' قاسم ہنس پڑا۔ ''میری [illegible] بتاتی ہے کہ میں ٹیاؤں ٹیاؤں روتا تھا۔ ہی
[illegible].... اسے اب سوچ کر شرم آتی ہے۔''

”ضرور آتی ہوگی۔ رم پیو گے۔“ حمید نے کہا۔

”ارے باپ رے۔ نہیں بابا۔ میرے پھرشتے بھی شراب نہیں پی سکتے۔ لاحول بلاکوت۔“

مگر حمید سوچ رہا تھا کہ ہونی چاہئے۔ نشے میں یہ اور زیادہ دلچسپ ہوجائے گا۔

دفعتاً اس کی نظر تارا پر پڑی اور اس کا سارا جسم جھنجھنا کر رہ گیا۔

بڑی عجیب لڑکی تھی۔ اس دور میں جب کہ کالے صاحب لوگ گھاس پھوس کی طرح کرتے تھے کسی اینگلو انڈین لڑکی کا ہندوستانی بننے کی کوشش کرنا خواب ہی معلوم ہوتا تھا تارا تو پھر چلتی پھرتی حقیقت تھی۔ اس وقت بھی وہ چوڑی دار پاجامے اور لمبے فراک میں حمید نے اُسے کبھی اسکرٹ میں نہیں دیکھا تھا۔ کبھی غرارے میں نظر آتی کبھی شلوار میں او چوڑی دار پاجامے میں۔ ساڑھی میں ابھی تک نہیں دکھائی دی تھی۔“

”ارے باپ رے۔“ قاسم ہانپنے لگا۔

”یہی ہے۔“ حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔

”ہائے.... الا.... اے قیسی لگتی ہے.... ہی ہی ہی ہی.... اب انگریز لونڈیاں بھی پہننے لگیں.... لاحول بلاکوت۔“

”پسند نہیں آئی....!“

”مبلقل نہیں.... پاجامے سے گھن آتی ہے۔ اور پھر چوڑی دار.... اُوع....!“ قا مچ او بکائی آ گئی۔

”ہوش میں ہو یا نہیں۔“

”ارے واہ۔“ قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ ”پھلم ڈائریکٹر نہ ہوئے تھانے دار ہوگئے۔ دیخو آئندہ مجھ سے ایسے لہجے میں بات نہ کرنا۔“

”اوہ.... دیکھو! وہ کہیں اور جا رہی ہے۔“ حمید نے قاسم کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا

”گاڑی رولس ہی لائے ہونا۔“

”ہاں.... ہاں.... ارے باپ رے.... اس کے ساتھ یہ دوسری کون ہے۔ ار

جارجٹ کی ساری.... یہ ٹھیخ ہے چلو چلو۔“

وہ دونوں بھی باہر نکلے اور اس کی ساتھی لڑکی ایک کار میں بیٹھ چکی تھیں۔ وہ دونوں نگ شیڈ میں آئے۔ حمید نے اسٹیئرنگ خود ہی سنبھالا.... تعاقب شروع ہوگیا۔

دونوں غالباً نیاگرہ ہوٹل کی طرف جا رہی تھیں جو شہر سے باہر ایک پرفضا مقام پر واقع تھا۔

”ساری والی جورو۔ ارے بھائی صاحب۔ قیا کھیال ہے۔“ قاسم ”ہی ہی“ کرتا ہوا بولا۔

”خاموش رہو۔ اس وقت میں آرٹ کی دنیا میں کھویا ہوا ہوں۔“ حمید نے کہا اور پھر تیزی سے بریک لگانے پڑے.... ورنہ وہ لڑکیوں کی کار سے ٹکرا ہی گئی ہوتی۔ ان کی گاڑی اچانک ہی رکی تھی۔

لڑکیوں کی چیخیں سنائی دیں۔ اگلی سیٹ کا دروازہ کھلا اور وہ لدالد سڑک پر آ گریں۔

”سانپ.... سانپ....!“ وہ چیخ رہی تھیں۔ حمید نے گاڑی سے چھلانگ لگائی اور آن کی میں ان تک جا پہنچا۔

”سانپ سانپ.... بچایئے۔“ دونوں بیک وقت چیخیں۔ ان کی گاڑی میں روشنی تھی۔ نے دیکھا کہ ایک کوبرا پچھلی نشست سے اگلی نشست پر پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے۔

کاٹنے والا

ہنری نے جیسے ہی ڈاکٹر ڈف کی نیم تاریک کمپاؤنڈ میں قدم رکھا کسی نے پشت سے اس چھلانگ لگائی۔ وہ کسی قدر نشے میں بھی تھا اس لئے بے خبری اور زیادہ خطرناک ثابت ہوئی۔ وہ لڑکھڑایا اور ڈھیر ہوگیا۔ پھر حملہ آور بھی اس پر تھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں عقل اور حیرت زدہ رہ گئی جب حملہ آور نے آہستہ سے کہا۔ ”ارے سنبھلو سنبھلو۔“

پھر حملہ آور ہی نے اُسے کھینچ کھانچ کر اٹھایا اور ہنری کی جان میں جان آئی۔ کیونکہ اب

اس نے حملہ آور کو پہچان لیا تھا۔ یہ ریگی تھا۔

"اُف فوہ....!" ہنری نے ٹھنڈی سانس لی۔ "پہلے سے بتا دیا ہوتا تو میں خود ہی مر بھی گیا ہوتا۔ تم نے کیوں تکلیف اٹھائی۔"

"تم مجھے بھی بھولتے جا رہے ہو۔ میں تمہیں مار ڈالوں گی۔" ریگی نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اب تم نے ڈیڈی سے دوستی کر لی ہے۔ میری پرواہ نہیں کرتے۔"

"کاش تم سمجھ سکتیں ریگی ڈارلنگ۔ ڈیڈی کی شکل میں بھی مجھے تمہاری ہی جھلکیاں ملتی ہیں۔"

"بکواس مت کرو۔ تم مجھے نظر انداز کرنے کی کوشش کرتے ہو۔"

"اوہ خدا کے لئے خاموش رہو۔ میں بہت اداس ہوں۔ اس وقت مجھے وہ مظلوم آرہا ہے جسے....!"

"میں اس چچا کے متعلق کچھ نہیں سننا چاہتی اگر تم مجھ سے اسی طرح بے توجہی رہے تو ایک دن تمہارے کسی بھتیجے کو بھی اسی طرح اداس ہونا پڑے....!"

"خدا کی پناہ...تو تم میری ٹانگیں توڑ دو گی۔" ہنری بوکھلا کر بولا۔

"بس مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکی۔ اب تم ڈیڈی کے پاس جا کر جھک مارو۔"

"مگر تم اس وقت یہاں کیا کر رہی تھیں۔"

"تمہاری ہی تاک میں تھی۔"

"غلط....میں تسلیم نہیں کر سکتا۔ تم کیا جانو کہ میں اس وقت آؤں گا۔"

ریگی کچھ نہ بولی۔ ہنری نے پھر اپنا سوال دہرایا۔

"میں اس آدمی کی تاک میں بیٹھی تھی جو آدمیوں کو کاٹنے دوڑتا ہے۔" ریگی نے بعد کہا۔

"ہائیں تو کیا اب ڈاکٹر نے گوریلا کی بجائے کوئی ایسا آدمی پال لیا ہے۔" ہنری سے بولا۔

"نہیں....وہ اکثر ہمارے ہاں آتا رہتا ہے۔ لیکن یہ بات تو مجھے آج ہی معلوم

دوپہر کو ڈیڈی....!"

"ٹھہرو....!" ہنری اس کا بازو پکڑ کر ایک طرف کھینچتا ہوا بولا۔ "یہاں نہیں۔"

کچھ دور چل کر ہنری رک گیا۔ یہ کمپاؤنڈ کا ایک بالکل ہی ویران گوشہ تھا۔ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ ادھر بھی کوئی آئے گا۔

"ہاں اب بتاؤ۔" ہنری بولا۔

"جہنم میں جھونکو....ہم کتنے دنوں بعد مل رہے ہیں۔" ریگی نے ٹھنڈی سانس لی۔

"کسے جہنم میں جھونک رہی ہو۔" ہنری نے جیب سے ایک چپٹی سی شیشی نکالتے ہوئے کہا۔ پھر ڈھکن اتار کر شیشی کا منہ ریگی کے ہونٹوں سے لگا دیا۔

"نہیں....!" ریگی پیچھے ہٹتی ہوئی بولی۔ "مجھ سے نہیں چلتی یہ رائی کی خالص وہسکی تم ہی اپنا حلق چھیلا کرو۔"

"او کے...." ہنری نے شیشی سے دو گھونٹ لیے اور ڈھکن چڑھا کر اُسے جیب میں ڈالتا ہوا بولا۔ "یہ رات کتنی سہانی ہے۔ مگر چاند نہ نکلے تو اچھا ہے۔"

"اوہ ختم کرو....میں تمہیں اس آدمی کے متعلق بتانا چاہتی ہوں۔ ہنری ڈیئر میں بہت پریشان ہوں۔"

"چلو وہی بتاؤ۔ میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ تم بولتی رہو۔ میں سنتا رہوں....اُف فوہ کتنی پیاری اور سریلی ہے تمہاری آواز۔"

"آج پاپا کو کہیں جانا تھا۔ ان کے جانے کے بعد میں نے گھر کو مقفل کیا اور خود بھی باہر چلی گئی تھی۔ نوکروں کو میں نے ملا رکھا ہے۔ وہ پاپا کو میری غیر حاضری کے متعلق بتاتے نہیں۔ آج میں خلاف معمول جلد ہی واپس آ گئی۔ قفل کھول کر اندر پہنچی۔ تم نے دیکھا کہ ہمارے بنگلے کے اندر بھی بہت بڑا صحن ہے۔ راہداری میں قدم رکھتے ہی مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے اندرونی صحن میں کسی قسم کی بھاگ دوڑ ہو رہی ہو....پھر ڈیڈی کی آواز سنی جو کہہ رہے تھے۔ "ہٹو پیچھے ہٹو....ورنہ گولی مار دوں گا۔ تم مجھے نہیں کاٹ سکو گے۔" پھر ایک فائر ہوا۔ میں صحن کی طرف بھاگی۔

عجیب منظر دیکھا۔ ایک آدمی بھاڑ سا منہ کھولے ڈیڈی کے پیچھے دوڑتا پھر رہا تھا۔ ڈیڈی کے ہاتھ میں پستول تھا لیکن وہ پھر بھی خوفزدہ معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے پھر فائر کیا لیکن دوسرا آدمی ہنستا رہا۔ اس نے بڑی پھرتی سے خود کو گولی سے بچایا تھا۔ میں چیخنے لگی۔ دوسرا آدمی اچھل کر بھاگا اور زینوں والے کمرے میں جا گھسا۔ ڈیڈی اس کے پیچھے دوڑنے کی بجائے زمین پر بیٹھ کر ہانپنے لگے تھے۔"

"اس آدمی کو تم نے اکثر یہاں دیکھا ہے۔"

"ہاں کئی بار پہلے بھی وہ ڈیڈی کے پاس آ چکا ہے۔"

"تو تمہیں یقین تھا کہ وہ اس وقت بھی آئے گا۔"

"نہیں.... اب میں سنجیدگی سے گفتگو کر رہی ہوں۔ وہ تو محض مذاق تھا۔ میں وہاں یونہی کھڑی تھی کہ تم نظر آئے میں نے کہا کہ تمہیں ڈرایا جائے۔"

"پھر یہ کٹکھنے آدمی کی کہانی بھی مذاق ہی ہوگی۔"

"خدا کی قسم..... یہ سو فیصدی سچ ہے۔ ڈیڈی نے میری کسی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔ میں نے ان سے پوچھا تھا کہ وہ گھر میں کیسے داخل ہوئے تھے جبکہ باہر کا قفل بھی مجھے کھلا ہوا نہیں ملا تھا۔"

"کمال ہے بھئی۔ آخر وہ داخل کس طرح ہوئے ہوں گے۔" ہنری کچھ سوچتا ہوا بڑبڑایا۔

"میں بڑی الجھن میں ہوں ڈارلنگ۔" ریگی نے کہا۔ "آج کل یہاں حیرت انگیز باتیں دیکھنے میں آ رہی ہیں۔ فینٹم اس طرح تمہارے ہی ہاتھوں مارا گیا۔ اس کے مرنے کا دکھ مجھے بھی ہے۔ سچ کہتی ہوں وہ کسی معصوم بچے کی طرح بے ضرر تھا۔ اچانک اس طرح پاگل ہو گیا۔ اسی دن سی ہور کو ڈیڈی نے چھت سے اترتے دیکھا تھا اور پھر اسی چور نے ان کے خلاف رپورٹ بھی درج کرائی تھی اور پھر آج یہ کٹکھنا آدمی جس سے ڈیڈی خائف معلوم ہوتے تھے۔"

"واقعی بڑی عجیب باتیں ہیں۔ مگر سنو تو سہی۔ ڈاکٹر نے کچھ بھی نہیں بتایا۔"

"کچھ بھی نہیں۔ زیادہ اصرار کرتی ہوں تو جھڑک دیتے ہیں۔ مگر وہ خوفزدہ بھی ہیں اور

پریشان بھی۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔ آخر وہ بنگلے میں کس طرح داخل ہوئے ہوں گے جبکہ قفل بھی مجھے کھلا ہوا نہیں ملا تھا۔"

"چلو.... میں پوچھوں گا....!"

"میں تم سے یہی کہنا چاہتی تھی کہ بنگلے سے مجھے وحشت ہونے لگی ہے۔" ریگی بولی۔

وہ دونوں برآمدے میں آئے۔ ہنری ٹھٹھکا ہی تھا کہ ریگی نے ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔ "چلو نا.... تکلفات کی ضرورت نہیں۔ ڈیڈی کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ وہ تمہاری عدم موجودگی میں بھی تمہاری تعریفیں کرتے ہیں۔"

وہ اندر پہنچے اور ریگی نے کہا۔ "ٹھہرو.... میں ڈیڈی کو تمہاری آمد کی اطلاع دے دوں۔"

وہ اُسے ڈرائنگ میں چھوڑ کر چلی گئی۔ ہنری نے بوتل پھر جیب سے نکالی۔

دو تین گھونٹ لے کر رومال ہونٹوں پر پھیرا اور شیشی جیب میں رکھ کر سگریٹ سلگانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ریگی کی چیخ سنائی دی۔ پھر پے در پے چیخیں۔ وہ سگریٹ لائیٹر وہیں پھینک کر بھاگا۔ آوازیں ڈاکٹر کی تجربہ گاہ سے آئی تھیں۔ ہنری کا اندازہ درست نکلا۔

ڈاکٹر فرش پر چت پڑا ہوا نظر آیا اور ریگی دیوار سے لگی دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے کھڑی تھی۔

ہنری تیزی سے ڈاکٹر پر جھکا۔

وہ دم توڑ چکا تھا۔ پتہ نہیں کب مرا ہو.... لیکن جسم میں ابھی گرمی باقی تھی۔ ہنری ریگی کی طرف مڑا.... اور.... وہ دھاڑیں مار مار کر روتی ہوئی اس پر آ گری۔

"اوہ.... دیکھو.... ٹھہرو.... صبر کرو۔ مجھے بتاؤ۔ جب تم باہر گئی تھیں تو...."

"وہ زندہ تھے۔ میں نے کچھ دیر پہلے یہاں ان کیلئے چائے پہنچائی تھی۔" ریگی نے جلدی سے اپنی دہاڑوں پر قابو پالیا۔ لیکن آنسو اب بھی جاری تھے اور سسکیاں بھی لے رہی تھی۔

"فون کہاں ہے؟" اس نے مڑ کر ریگی سے پوچھا۔ وہ بازوؤں میں منہ چھپائے سسکیاں لے رہی تھی۔

"لائبریری میں۔" اس نے پھنسی پھنسی سی آواز میں کہا۔

ہنری تیزی سے باہر آیا اور لائبریری کی طرف دوڑنے لگا۔ وہ جلد از جلد اس حادثہ کی اطلاع فریدی کو دینا چاہتا تھا۔

فون کا ریسیور اٹھا ہی تھا کہ ریگی کی چیخیں پھر سنائی دیں۔

"بچاؤ.... بچاؤ.... ہنری دوڑو۔"

ہنری ریسیور رکھ کر بھاگا۔ وہ برابر چیخے جا رہی تھی۔ اس بار تجربہ گاہ والی راہداری تاریک ملی.... اور شاید تجربہ گاہ میں بھی اندھیرا تھا۔ ورنہ کھلے ہوئے دروازے سے راہداری میں روشنی ضرور آتی۔ راہداری میں قدم رکھتے ہی کوئی اس سے ٹکرایا اور ہنری کی کھوپڑی دیوار سے لڑ گئی.... ریگی اب بھی چیخ رہی تھی۔ ہنری کا سر بڑی شدت سے چکرایا تھا لیکن پھر بھی اس نے اٹھنے میں پھرتی ہی دکھائی اور اس سائے کی طرف جھپٹا جو اس سے ٹکرانے کے بعد تیزی سے صحن کی جانب دوڑتا گیا تھا۔ ایک منٹ اس کی تلاش میں ضائع ہو گیا۔ ریگی اب بھی اسے آوازیں دیئے جا رہی تھی۔ ٹکرانے والا نہ ملا.... اس نے شائد ربر سول کے جوتے پہن رکھے تھے۔ اسی لئے دوڑتے قدموں کی آوازیں بھی نہیں سنائی دی تھیں۔

ہنری پھر تجربہ گاہ کی جانب دوڑ گیا۔ ریگی نے وہاں کا بلب روشن کر لیا تھا اور داہنے ہاتھ سے بایاں بازو دبائے ایک میز پر جھکی کھڑی تھی۔

"کیا ہوا.... کیا ہوا۔" ہنری اُسے جھنجھوڑ کر بولی۔

"مم.... مجھے بھی کاٹ لیا۔" ریگی کراہی۔ "میرا سر چکرا رہا ہے۔ سہارا دو۔"

اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ ہنری نے اُسے ایک کرسی پر بٹھا دیا۔

اس کے بائیں بازو پر ایک سرخ سا نشان دکھائی دیا۔ یقیناً یہ انسانی دانت ہی تھے جو گوشت میں پیوست ہو کر اپنا سرخ سا نشان چھوڑ گئے تھے۔

"کہاں تھا۔" ہنری نے بوکھلا کر پوچھا۔

"یہیں....!" وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "اس الماری کے پیچھے.... اب اپنی شیشی نکالو...

پتہ نہیں کیسی حالت ہے میری۔"

"کون تھا.... مجھے بتاؤ۔ شاید وہ کوئی جنسی جنونی تھا۔" ہنری نے جیب سے شیشی نکالتے ہوئے کہا۔

ریگی نے دو تین گھونٹ لئے اور سر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا۔ اس کی آدھ کھلی آنکھوں سے تکلیف کا اظہار ہو رہا تھا۔

"میں اس کا نام نہیں جانتی لیکن وہ کچھ عجیب سا لگتا تھا۔ اوہ.... اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی بائیں پسلی دبائی اور پھر اس طرح حلق پھاڑ کر چیخی جیسے کوشش کے باوجود بھی اس چیخ کو نہ روک سکی ہو.... آدھ کھلی آنکھیں حیرت انگیز طور پر پھیلتی جا رہی تھیں۔

"ریگی ریگی۔" ہنری نے اُسے جھنجھوڑا لیکن آنکھیں پھیلتی ہی گئیں اور پھر یک بیک اس کی گردن ایک جھٹکے کے ساتھ بائیں جانب جا پڑی۔ آنکھیں اب بھی پھیلی ہوئی تھیں۔ لیکن ان میں شاید ہمیشہ کے لئے رک چکی تھیں۔

قاسم بھی جھپٹتا ہوا قریب پہنچا۔ وہ دونوں اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

دفعتاً قاسم چیخا۔ "ارے ہائیں.... ہائیں.... ہاتھ میں پتھر وغیرہ۔"

"نہیں نہیں....!" لڑکیوں کی زبان سے بیساختہ نکلا۔

"پھر بھلا بتایئے یہ نامعقول مرے گا کیسے۔" حمید نے مڑ کر بڑے اطمینان سے کہا۔

"کسی اور چیز سے ماریئے۔" تارا نے کہا۔

"میرے پاس فی الحال ریوالور کے علاوہ اور کچھ نہیں۔" حمید بولا۔ "لیکن خدشہ ہے کہ وہ سب کی گاڑی تباہ کر دے گا۔"

''دروازہ کھول دیجئے نیچے چلا آئے گا۔'' دوسری لڑکی بولی۔

''اور قیا....!'' قاسم نے سر ہلا کر کہا۔

''اگر اس نے پھر آپ کی جانب رخ کیا اور میں زیادہ پھرتی بھی نہ دکھا سکا....!''

لڑکیاں خاموش رہیں۔ لیکن قاسم مضطربانہ انداز میں بولا۔ ''ہٹو اُدھر میں دعا پڑھ کر اندھا کردوں گا سالے کو۔''

وہ کھڑکی کے پاس جا کر کچھ بدبدانے لگا۔ پھر گال پھلا کر گاڑی کے اندر پھونک ماری اور ٹھیک اسی وقت سانپ بھی پھپھکارا۔

''ارے باپ رے....'' قاسم بوکھلا کر پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔ ''امے یہ سالا بھی پھونکتا ہے.... نہیں اندھا ہوگا شاید۔''

لڑکیاں ہنس پڑی تھیں اور انہوں نے قاسم کو مضحکانہ انداز میں دیکھا تھا۔

سانپ اب پھر پچھلی سیٹ پر آ گیا تھا اور کھڑکی سے گزر جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ کھڑکی میں شیشہ نہیں تھا۔

حمید نے جیب سے ریوالور نکالا۔ جیسے ہی سانپ کا سر کھڑکی پر آیا اس نے ریوالور کے دستے سے اس پر ضرب لگائی۔

''ارے....ارے....دیکھئے سنبھل کر۔'' تارا مضطربانہ انداز میں بولی۔

لیکن ضرب اپنا کام کر چکی تھی۔ سانپ پچھلی سیٹ پر پڑا قلابازیاں کھا رہا تھا۔

اب حمید نے گاڑی کا دروازہ کھول دیا تھا۔ لیکن دوسری لڑکی پیچھے کھڑی رولس رائس گاڑی کو دیکھ رہی تھی۔ سانپ اسی طرح تڑپتا ہوا سڑک پر آ گرا۔

اس بار میاں قاسم نے بھی ''دلیر جنگ'' بننے کی کوشش کی۔ یعنی سانپ کے سر پر پیر رکھ دیا اور پھر لگے چنگھارنے... کیونکہ سانپ نے بڑی تیزی سے اپنا جسم انکی پنڈلی کے گرد جکڑ لیا تھا۔

''ارے باپ رے....ابے....پیر ٹوٹا....ابے سالے۔''

''دباؤ....زور سے دباؤ۔'' حمید بوکھلا کر چیخا۔ ''اس کا سر پیر کے نیچے سے نہ نکلنے پائے۔

برخوردار....ٹھہر....دباؤ....دباؤ۔''

سانپ کے بل ڈھیلے پڑنے لگے اور پھر وہ نیچے آ گرا....دوسری طرف قاسم بھی بھد سے بیٹھ گیا۔

''ارے بڑی جلن ہو رہی ہے....ارے باپ رے۔'' وہ پنڈلی مسلتا ہوا بولا۔

''دیکھو کہیں کھال نہ پھٹ گئی ہو۔''

سچ مچ کئی جگہ سے خون رس رہا تھا۔ لڑکیوں نے افسوس ظاہر کیا۔ لیکن قاسم کی حماقت انگیز باتوں پر ہنسی روکنا بھی تو محال تھا۔ تارا جو بہت سنجیدہ مشہور تھی وہ بھی ہنس پڑی تھی۔

''میں آپ کی بے حد شکر گزار ہوں جناب۔'' اس نے حمید سے کہا۔

''میں نے ہاتھی تو نہیں مارا تھا۔ لیکن اس بات پر ضرور تشویش ہے کہ آخر گاڑی میں کوبرا کہاں سے آیا۔''

''میں خود بھی نہیں سمجھ سکتی۔''

''غالباً یہ کسی مقصد کے تحت گاڑی میں ڈالا گیا تھا۔''

''خدا جانے۔'' تارا بولی۔ ''اچھا بہت بہت شکریہ۔''

اس نے دوسری لڑکی کو گاڑی کی طرف دھکیلا۔ وہ اندر بیٹھ گئیں اور گاڑی پھر چل پڑی۔

''ابے....واہ یہ تو چلی گئیں۔'' قاسم بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

''اچھا تو....تم کیا سمجھے تھے۔''

''قچھ بھی نہیں....مگر ایسا بھی کیا....واہ....!''

''پنڈلی کی خبر لو برخوردار....!''

''ٹھینگے سے....ہاں شاید کھون نقل رہا تھا۔'' اس نے لاپروائی سے کہا۔ ''جرا تم اپنا رومال نا کھراب ہو جائے گا۔''

''بڑے حسین ہو۔ میں اپنا رومال برباد کروں۔'' حمید بولا۔ ''اٹھو۔ اب نیاگرہ چلیں گے۔''

''ہوں وہیں گئی ہوں گی۔''

"جرور میری جان پیارے بھائی۔" قاسم اٹھتا ہوا بولا۔ "یار تم واقعی بڑے قابل ہو۔"

"میری قابلیت کسی دن تمہیں بہت بڑے مرتبے پر فائز کر کے رکھ دے گی۔ بس دیکھتے جاؤ۔"

وہ پھر گاڑی میں آبیٹھے۔

قاسم بہت مگن تھا۔ اس نے پنڈلی کی بھی پرواہ نہ کی جس سے کئی جگہ خون رس رہا تھا۔ کھال کئی جگہ سے چھِچ گئی تھی۔

کچھ دور چلنے کے بعد ایک جگہ پھر تارا کی گاڑی کھڑی نظر آئی۔ لیکن سڑک سے ہٹ کر میدان میں۔

"ابے وہی ہیں۔" قاسم نے کہا۔

لیکن اس بار گاڑی کے اندر روشنی نہ دکھائی دی۔

حمید نے بھی اپنی گاڑی میدان ہی میں اتار دی اور زور سے بولا۔ "اب کیا ہوا۔ کیا پھر کوئی کوبرا....!" گاڑی کی قریب پہنچ کر اس نے بریک لگائے۔

لیکن دوسری گاڑی خالی تھی۔ قاسم اپنی گاڑی سے ٹارچ نکال لایا۔ آس پاس روشنی ڈالی.... انہیں آوازیں بھی دیں۔ لیکن سناٹے میں صرف اپنی ہی آوازوں کی بازگشت سنی۔

دفعتاً قاسم نے ایک جانب اشارہ کر کے کہا۔ "ابے وہ اُدھر دیکھو۔"

ٹارچ کا دائرہ جھاڑیوں کے ایک سلسلے پر تھا۔

"دوپٹہ.... دوپٹہ ہی ہے۔" حمید تیزی سے آگے بڑھا۔ جھاڑیوں سے ایک دوپٹہ الجھا ہوا دکھائی دیا تھا جسے اس نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔ یہ تارا ہی کا ہوسکتا تھا۔

ٹارچ قاسم کے ہاتھ میں تھی۔ وہ عقب سے حمید کو راستہ دکھاتا رہا۔ پھر دفعتاً ٹارچ بجھ گئی

ید جھنجھلا کر بولا۔

"روشنی کرو.... بیہودگی ہے۔"

لیکن جواب میں اس نے قاسم کی کراہ سنی۔ "ارے باپ رے؟"

اور حمید کا دل چاہا کہ وہ بھی دادا جان مرحوم کے نام کے نعرے لگائے۔ کیونکہ اس کی پڑی بھی کسی کے "دستِ شفقت" سے محروم نہیں رہی تھی۔

بھرپور وار تھا۔ پھر حمید کو یاد نہیں کہ دوسری ضرب بھی پڑی تھی یا پہلی ہی نے اسے بے ہوجانے پر مجبور کر دیا تھا۔

صبح تک فریدی الجھا رہا۔ ڈاکٹر ڈف کے بنگلے پر خود سپرنٹنڈنٹ اسمتھ بھی کچھ دیر ٹھہرا تھا۔

دس بجے فریدی کو پوسٹ مارٹم کی رپورٹیں مل گئیں۔ پوسٹ مارٹم میں غیر معمولی طور پر ی کی گئی تھی۔ رپورٹ کے نتائج نے آفیسروں کو چکرا دیا تھا۔

ڈاکٹر ڈف اور اس کی لڑکی کی اموات جسم میں زہر پھیل جانے کی وجہ سے ہوئی تھیں۔ ے میں زہر کا سراغ نہیں مل سکا تھا۔ اس لئے اسے زہر خورانی کا کیس نہیں کہا جاسکتا تھا۔

دانتوں کے نشانات.... جو لڑکی کے بائیں بازو اور ڈاکٹر کی گردن پر ملے تھے ماہرین کے ں کے مطابق اموات کا باعث قرار دیئے جاسکتے ہیں کیونکہ ان میں کم از کم ایک نشان ایسا ر تھا جس میں زہر کے اثرات پائے گئے ہیں۔

"صرف ایک نشان....؟" فریدی نے ایک ماہر سے پوچھا۔

"جی ہاں.... صرف ایک دانت زہریلا تھا۔ دونوں کی اموات کا باعث صرف وہی ایک نشان ہے۔" ماہر نے جواب دیا اور فریدی کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں۔

گیارہ بجے اسے معلوم ہوا کہ حمید پچھلی رات سے غائب ہے۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد
محکمے کے سپرنٹنڈنٹ کے آفس میں طلبی ہوگئی۔

کیپٹن اسمتھ کا موڈ بہت خراب معلوم ہوتا تھا آج اس نے فریدی سے بیٹھنے کو بھی نہ
کہا۔ فریدی خاموش کھڑا رہا۔ کچھ دیر بعد کیپٹن اسمتھ نے فائیل بند کر کے رکھتے ہوئے کہا۔

"آدمی کو حدود سے تجاوز نہ کرنا چاہیئے۔ خاور کا کیا قصہ تھا۔"

"وہ ایک نجی معاملہ تھا جناب۔"

"بیٹھ جایئے۔" اسمتھ نے ہاتھ اٹھا کر غصیلے لہجے میں کہا۔

"شکریہ جناب۔" فریدی کرسی کھینچ کر بیٹھتا ہوا بولا۔

"قانون بہر حال قانون ہے.... خواہ آپ کے معاملات نجی ہوں خواہ غیر نجی.... مجھ سے
شکایت کی گئی ہے کہ آپ مسٹر خاور کے مکان میں بغیر اجازت داخل ہوئے تھے۔"

"مجھے افسوس ہے جناب.... لیکن مجھے اس کی سزا وہیں مل گئی تھی۔" فریدی مسکرایا۔

"کیا مطلب....؟"

"مجھ پر چھت سے ایک سانپ گرا تھا۔"

"نہیں....!" اسمتھ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یقین فرمایئے! حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ چھت بالکل سپاٹ، بے داغ یعنی وہاں
کوئی رخنہ بھی نہیں دکھائی دیا تھا۔"

"پھر کیا ہوا....؟" اسمتھ نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

"مجھے اس سانپ کو سزا دینی پڑی۔ وہ زندہ تھا لیکن اپنے جسم کو جنبش نہیں دے سکتا تھا۔"

"وہ کیسے!"

"ہر ہڈی جوڑ سے الگ ہوگئی تھی۔"

اسمتھ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "تمہارا آدمی ڈاکٹر ڈف سے کس سلسلے میں ملا تھا۔"

"ڈاکٹر ڈف نے رپورٹ درج کرائی تھی کہ کچھ نامعلوم آدمی اکثر اس کی عدم موجودگی

اس کی کوٹھی میں گھسنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پچھلے دنوں اس نے کسی کو پکڑا بھی تھا۔ لیکن وہ
زدوکوب کر کے بھاگ گیا۔"

"یہ کوئی خاص وجہ نہیں جس کی بناء پر ہمارے محکمے کو اس کی طرف متوجہ ہونا پڑے۔ اس
لئے سول پولیس کافی تھی۔"

"بھی میں نے دوسری وجہ نہیں بیان کی۔ آپ نے مہاراج کمار والا کیس میرے سپرد کیا تھا؟"

"مگر ڈاکٹر ڈف....!"

"مجھے شبہ ہے کہ مہاراج کمار کے مطلوبہ ہاتھ وہیں ہیں۔ لیکن ٹھہریئے یقین کے ساتھ
کہا جاسکتا کہ اب بھی وہیں ہوں گے۔"

"کس بناء پر شبہ ہوا تھا۔"

"محض اس بناء پر کہ حشرات الارض کی بین الاقوامی نمائش کی تحریک کا روح رواں ڈاکٹر
ہی تھا۔"

"اُف فوہ....!" اسمتھ جھلا کر بولا۔ "آپ قطب جنوبی سے قطب شمالی کی طرف چھلانگ
ہیں۔ آخر حشرات الارض کی بین الاقوامی نمائش کہاں سے آ کودی۔"

"مہاراج کمار کا خط دوبارہ ملاحظہ فرمایئے۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

کیپٹن اسمتھ نے میز کی دراز کا قفل کھول کر ایک فائیل نکالا اور اس کے کچھ اوراق الٹ
ری کی طرف کھسکاتا ہوا بولا۔ "کہاں ہے بین الاقوامی نمائش کا تذکرہ۔"

فریدی نے بلند آواز میں پڑھنا شروع کیا۔

"مائی ڈیئر کیپٹن اسمتھ

اب پانی سر سے اونچا ہوگیا ہے۔ بلیک میلر کے سارے خطوط
روانہ کر رہا ہوں۔ حالات پہلے ہی زبانی بتائے جا چکے ہیں۔ سرخ رنگ
کے کاغذ پر بلیک میلر کی آخری وارننگ ہے۔ وہ بھی دیکھو میری سمجھ میں
تو نہیں آتا کہ وہ کونسا طریقہ اختیار کرے گا۔ بہر حال اس کا آخری

مطالبہ پورا کرنا میرے بس سے باہر ہے۔ میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ ان
واقعات کی پبلسٹی ہو۔ خدارا کوئی تدبیر کرو۔"

فریدی نے خط ختم کر کے فائیل بند کر دیا۔ اسمتھ اسے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا
چھوٹتے ہی نااہلی کا طعنہ دے بیٹھے گا۔

"دیکھئے.... طریقہ کے متعلق مہاراج کمار بھی الجھن میں ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"مگر بین الاقوامی نمائش کہاں؟"

"دیکھئے جناب حقیقت تو یہ ہے کہ جب تک میں پورے حالات سے آگاہ نہ ہو
اس معاملے میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اگر کچھ کروں گا تو لغزشیں یقینی طور پر ہوں گی۔"

"مجھے ڈر ہے کہ ان کی احتیاط کہیں ان ہاتھوں کو رسوا ہی نہ کر دے۔ پھر آپ کیا
ہیں کہ میں ان واقعات کی پبلسٹی کا ذریعہ بن جاؤں گا۔ شاید میرے آدمیوں کو ان کا
ہو سکے۔ آپ نے مجھ سے اتنا ہی کہا تھا کہ کوئی آدمی دو انسانی ہاتھوں کے لئے مہاراج
بلیک میل کر رہا ہے۔ مجھے بلیک میلر کو ان ہاتھوں سمیت گرفتار کرنا ہے۔"

"پہلے میری بات کا جواب دو۔" اسمتھ نے جھنجھلا کر کہا۔ "تم نے حشرات الارض کی
الاقوامی نمائش کا حوالہ کیوں دیا تھا۔"

"سنئے....!" فریدی نے طویل سانس لے کر کہا۔ "اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ
ہو سکتا کہ بلیک میلر بچاؤ کرتے ہوئے ہاتھوں کی پبلسٹی کر ڈالے۔ حشرات الارض کی نمائش
ان ہاتھوں کے لئے بھی جگہ نکل سکے گی۔"

"سوچ کر بات کرو۔ نمائش میں ان ہاتھوں کو رکھنے کے بعد وہ اپنا بچاؤ کیسے کرے گا؟"

"یہ بھی سن لیجئے! اگر وہ بلیک میلر خود میں ہوتا تو طریقہ سنئے۔ حشرات الارض کی
الاقوامی نمائش میں ان ہاتھوں کو اس طرح رکھواتا کہ قانون بھی انگشت بدنداں رہ جاتا۔ مگر
کہ پہلے کسی غیر ملکی نمائندہ اسٹال کے کارپرداز سے گٹھ جوڑ کی سوچتا۔ ہاتھ اس کے حوالے کر
ایک شوکیس میں رکھوا دیتا۔"

ہاتھ کہیں بھی ہوتے پولیس ضرور معترض ہوتی۔ میں حشرات الارض کی نمائش کی بات
ہوں۔ کسی ایسی نمائش کی بات نہیں جو میڈیکل اسٹوڈنٹس کی طرف سے منعقد کی گئی ہو۔
انسانی اعضاء کی موجودگی کا جواز ہو سکتا ہے۔" اسمتھ نے اس انداز میں گردن اکڑائی
جملہ کہہ کر اس نے فریدی کی ٹانگ پکڑ ہی تو لی ہو۔

فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی اور وہ پہلے ہی کے سے لہجے میں کہتا
"میں ان ہاتھوں کو شوکیس میں رکھواتا اور ان کے ساتھ ہی ان کی ہسٹری بھی ہوتی۔ میں
انگلینڈ کے ڈاکٹر گوہن ۱۹۳۲ء میں افریقہ کے جنگلوں سے گزر رہے تھے آپ کے
بار بردار بھی تھے۔ دفعتاً ایک بار بردار نے چیخ ماری۔ سر سے صندوق گرا دیا اور زمین
لگانے لگا۔ ڈاکٹر گوہن اس کی بائیں پنڈلی سے ایک عجیب و غریب کیڑا چمٹا ہوا دیکھ
جیسے ہی وہ آگے بڑھے کیڑا پنڈلی چھوڑ کر جھاڑیوں میں جا گھسا۔ چونکہ وہ کیڑا اپنی
اعتبار سے بالکل نیا تھا اس لئے ڈاکٹر گوہن دیر تک اسے تلاش کرتے رہے۔ لیکن پھر
کیڑا کبھی نہ دکھائی دیا۔ بار بردار بیہوش ہو چکا تھا۔ وہ اسے اٹھوا کر پھر چل پڑے۔ پہلی
راہ میں ملی تھی وہاں ایک شفاخانہ بھی موجود تھا۔ مگر بار بردار کی جان بچا لینے کی ساری
ما بیکار ثابت ہوئیں کیونکہ وہ تو حیرت انگیز طور پر مر رہا تھا۔ جسم کا گوشت اسی طرح بہہ
دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں انگلیاں سمیت باقی رہیں۔ ان کا گوشت اس طرح پگھل کر
لگا۔ پھر ڈاکٹر گوہن نے یہ دریافت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ آخر
کا گوشت کیوں محفوظ رہا تھا لیکن انہیں اس میں کبھی کامیابی نہ ہو سکی۔ ہسٹری کے ساتھ
آرٹسٹ سے کوئی ایسی اوٹ پٹانگ تصویر بنوا کر رکھ دوں جو پہلی ہی نظر میں کیڑا تو معلوم
دعویٰ نہ کر سکے کہ اس نے پہلے کبھی یہ کیڑا دیکھا بھی ہوگا۔ تصویر کے نیچے لکھ دوں کہ
ڈاکٹر گوہن نے اپنی یادداشت کے سہارے ایک آرٹسٹ سے بنوائی ہے۔ اب بتایئے
کی کہانی ہوئی یا کیڑے کی..... حشرات الارض کی نمائش میں ایک ایسے کیڑے کی تصویر
ہو جو مہذب دنیا کے کسی آدمی کو صرف ایک ہی بار نظر آیا تھا اور اس کے زہر کے

نتائج کے ثبوت کے طور پر وہ ہاتھ بھی یہاں موجود ہیں۔ قانون اس پر کیسے معترض ہو سکے گا۔ مجھے بتائیے۔"

اسمتھ نے مضطربانہ انداز میں ہتھیلیاں رگڑیں اور بے بسی سے ہنس کر بولا۔ "کہیں بلیک میلر آپ خود ہی تو نہیں مسٹر فریدی۔"

"ثبوت جناب۔" فریدی مسکرایا۔ "مرنے کے لئے تو میں ہر وقت تیار رہتا ہوں۔"

"مگر دیکھئے تو اس طرح ہاتھ رکھنے سے کیا فائدہ ہوگا۔"

"آخری دھمکی.... مہاراج کمار کو جتانا کہ دیکھو ہاتھ تو منظر عام پر آ چکے ہیں.... بس اب میرا مطالبہ پورا کر ہی دو.... ورنہ ان ہاتھوں کا راز ظاہر ہو جانے میں دیر نہ لگے گی۔"

"خدا کی قسم ممکن ہے۔" کیپٹن اسمتھ پرجوش انداز میں میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

"اب کہئے تو یہ بھی بتادوں کہ وہ ہاتھ کس کے ہو سکتے ہیں حالانکہ آپ نے مجھے نہیں بتایا۔"

"اچھی بات ہے یہ بھی دیکھیں گے۔"

"مہاراج کمار کے باپ نرسنگھ بہادر کے۔"

"اوہ.... اُوہ....!" اسمتھ مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔ پھر ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑبڑا... فریدی دوسری طرف دیکھنے لگا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اسمتھ نے کہا۔ "تمہارا اندازہ درست ہے۔ تو پھر تم اس راز سے واقف ہو گئے جسے چھپائے رکھنے کے لئے مہاراج کمار یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔"

"اب میں جادوگر تو نہیں ہوں جناب۔"

"لیکن تم اس نتیجے پر کیسے پہنچے کہ وہ اس کے باپ ہی کے ہاتھ ہو سکتے ہیں۔"

"محض یادداشت کے سہارے۔ بات پچیس سال پرانی ہے۔ چھ سال سے زیادہ م... عمر نہ رہی ہوگی۔ نرسنگھ بہادر کی موت انگلینڈ کے ایک خیراتی ہسپتال میں ہوئی تھی اور لاش... دونوں ہاتھ غائب تھے۔ ہسپتال کی بدنامی ہوتی اگر اس معاملے کو دبا نہ دیا گیا ہوتا۔ سوال نرسنگھ بہادر کا نہیں تھا بلکہ ایک آدمی کی لاش کا تھا۔ نرسنگھ بہادر کی تو اس وقت کوئی اہمیت نہ تھی۔ کیونکہ

بعض حرکات کی بناء پر معزول کر دیئے جانے کے بعد جلا وطنی کی زندگی گزار رہے تھے اور نے مفلسی کے عالم میں دم توڑا تھا۔ عادتیں خراب تھیں اس لئے گزارہ الاؤنس میں پورا پڑتا تھا۔"

"یہ حقیقت ہے کہ اس واقعہ کا علم یہاں کے مہاراج کمار کے علاوہ اور کسی کو بھی نہیں" اسمتھ نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

"میرے باپ نے نرسنگھ بہادر کی لاش دیکھی تھی۔" فریدی بولا۔

وہ پھر خاموش ہو گئے۔ اسمتھ کسی گہری سوچ میں تھا۔ کچھ دیر بعد بولا "کیوں نہ مہاراج ے تمہاری موجودگی میں گفتگو کی جائے۔ جب تم اتنا جانتے ہو۔"

"جیسی آپ کی مرضی۔"

"میں یہ تجویز رکھوں گا اُس کے سامنے خیر.... ہاں یہ ڈاکٹر ڈف کا معاملہ۔ اگر حشرات کی بین الاقوامی نمائش کا مقصد یہی تھا تو پھر تمہاری دانست میں بلیک میلر بھی ڈاکٹر ڈف "

"جی نہیں! میرا خیال ہے کہ وہ صرف آلہ کار تھا اس لئے مار ڈالا گیا کہ کہیں افشائے راز ئے۔ لیکن موت کی نوعیت الجھن میں مبتلا کر رہی ہے۔"

"زہریلے دانت....!" اسمتھ بڑبڑایا۔

"زہریلا آدمی کہئے۔"

"کیوں؟" اسمتھ چونک کر فریدی کو گھورنے لگا۔ کیونکہ اُسے تفصیل کا علم نہیں تھا تب نے اُسے ہنری کی رپورٹ سنائی۔

"خدا کی پناہ۔" اسمتھ فریدی کو گھورتا ہوا بولا۔ "یہ آدمی کون ہو سکتا ہے۔"

"فی الحال ایک زہریلا آدمی جس کا صرف ایک ہی دانت زہریلا ہے۔"

پھر سکوت طاری ہو گیا۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ آخر بابا خاور کا معاملہ آگے کیوں نہیں تو سوچ کر آیا تھا کہ آج کیپٹن اسمتھ سے جھڑپ ہو ہی جائے گی۔

پہلے قاسم کو ہوش آیا اور اس نے اپنے نوکروں کو آوازیں دینی شروع کر دیں اور پھر دھاڑا۔ ''ابے یہ بتی کِس نے بجھا دی۔''

حمید کو پوری طرح ہوش نہیں آیا تھا۔ قاسم کی دھاڑیں ہی اُسے ہوش میں لائیں۔

پھر وہ اٹھا۔ جیب سے سگار لائٹر نکال کر روشنی کی اور اس طرح وہ کمرے کا سوئچ بورڈ تلاش کر سکا۔

تاروں میں کرنٹ موجود تھا۔ کمرہ روشن ہو گیا۔ پھر کچھ دیر بعد یہ بات قاسم کی سمجھ میں آئی کہ وہ اپنی خواب گاہ میں نہیں ہے۔ ذہن پر زور دینے سے یاد آیا کہ وہ تو ایک ویرانے میں پرستان کی پریاں تلاش کر رہے تھے۔

''بب ہاں.... بھق....!'' اس نے جماہی لی اور منہ چلاتا ہوا حمید کو گھورنے لگا۔

پورے کمرے میں عمدہ قسم کے چھوٹے قالینوں کا فرش تھا۔ فرنیچر کے نام سے ایک اسٹول بھی کہیں نہ دکھائی دیا۔ دروازے سے باہر بولٹ تھے۔

''قیوں بھائی۔ پھلم ڈائریکٹر یہاں قیسے پہنچے۔'' قاسم نے حمید سے کہا۔

''یہ دوسرا سین ہے۔ ہیرو اور کومیڈین پرستان آ پہنچے ہیں۔ یہاں تم ایک موٹی سی عورت سے عشق کرنا.... اور میں طبلہ بجاؤں گا۔''

''یہ کیا بک رہے ہو! ارے باپ رے.... وہ جھاڑیاں کہاں گئیں جہاں دوپٹہ ابے مر... غاڑی کہاں گئی۔''

''اسی سیٹ پر رہ گئی جہاں پہلے شوٹنگ ہو رہی تھی۔''

''شوٹنگ....!''

''اور کیا.... ہم لوگ ایک فلم میں کام کر رہے ہیں جس کا نام آجا مورے بالما ہے۔''

''امے کیوں مجاخ کرتے ہو۔ ہی ہی ہی۔''

''پہلے کبھی اور بھی کسی کار میں کو برا دیکھا تھا۔''

''نہیں.... کبھی نہیں۔''

''قبھی اور بھی قسی لڑغی قی مدد قی تھی۔'' حمید نے اسی کے لہجے کی نقل اتاری۔

''قبھی نہیں پیارے بھائی۔''

''فلموں میں دیکھا ہی ہوگا تم نے کہ ایسے مواقع پر لڑکیاں فوراً عاشق ہو جاتی ہیں۔ ...ہے کسی بیل گدھے یا اونٹ ہی سے مدد کیوں نہ ملی ہو۔ مثال کے طور پر اگر کسی ویرانے میں ...لڑکی کی گاڑی کی بیٹری ڈاؤن ہو جائے اور گاڑی اسٹارٹ نہ ہو تو تم اس گاڑی میں ایک ...ھا جوت دو۔ جو اس گاڑی کو کھینچ کر گھر تک پہنچا سکے۔ لڑکی راستے ہی میں گدھے پر عاشق ...جائے گی اور گھر پہنچ کر اس کا تعارف اپنے ڈیڈی سے کراتی ہوئی کہے گی ''ڈیڈی.... اگر آج ...پ نہ ہوتے تو اس خوفناک جنگل کے گیدڑ مجھے نوچ کھاتے۔ ڈیڈی گدھے کا شکریہ ادا کر کے ...ئیں گے کبھی کبھی آیا کرو برخوردار۔''

دفعتاً ایک دروازے پر کھڑکھڑاہٹ ہوئی اور حمید قاسم کا شانہ دبا کر آہستہ سے بولا۔ ''تم ...خاموش ہی رہنا اب اس سیٹ کی شوٹنگ شروع ہونے جا رہی ہے بس تم چپ چاپ کھڑے ...نا ورنہ پوری ریل تباہ ہو جائے گی۔''

''اچھا....!'' قاسم نے پرخلوص انداز میں وعدہ کیا۔

دروازہ کھلا۔ سب سے پہلے پرنسز تارا نظر آئی اس کے پیچھے ریاست ورگوری کے دو مسلح ...ہی تھے۔

قاسم نے پلکیں جھپکائیں۔ شاید اُسے کسی اسٹنٹ فلم ہی کا سا لطف آ رہا تھا۔ تارا چند لمحے ...کھڑی انہیں گھورتی رہی پھر تیز لہجے میں بولی۔ ''تم لوگوں نے یہ حرکت کیوں کی تھی۔''

''میں نہیں سمجھا کماری صاحبہ۔'' حمید نے بڑی لجاجت سے کہا۔

''تم نے ہی ہائی سرکل کلب کے پارکنگ شیڈ میں یہ حرکت کی تھی۔ یعنی کو برا میری گاڑی ...ڈالا تھا اور خود ہی مدد کرنے دوڑے آئے تھے۔''

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے محترمہ۔"

"اس کا مقصد بتاؤ ورنہ کھال کھنچوالی جائے گی۔"

"اور اس کھال کے چپل صبا رفتار ہوں گے۔" حمید نے بڑے خلوص سے کہا۔

"بکواس مت کرو۔ میں تم دونوں کے متعلق سب۔ کچھ معلوم کر چکی ہوں۔ تم سارجنٹ حمید اور یہ خان بہادر عاصم کا لڑکا قاسم ہے۔"

"ہائیں....!" قاسم نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں اور حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ "کھبر دار یہ شوٹنگ نہیں چلے گی۔ ارے باپ رے.... والد صاحب کا نام آ گیا پھلم میں تو میرے دادا جان بھی اکھڑ آئیں گے اپنی قبر سے اور اتنی پٹائی کریں گے والد صاحب کی۔"

"خاموش رہو۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔

"ارے واہ.... کیوں کھاموش رہوں۔" قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ "سالے تم نے مجھ سے پوچھے بغیر شوٹنگ کیوں شروع کرادی۔ والد صاحب میری ہڈیاں توڑ کر رکھ دیں گے اگر میں پھلم میں آیا۔ اجی واہ یہ بھی کوئی بات ہوئی.... واہ اچھی زبردستی۔"

"مقصد بتاؤ۔" تارا جھلا کر چیخی۔

"یقین کیجئے محترمہ کہ ہم صرف نیاگرہ تک جا رہے تھے۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے کچھ دور پر آپ کی گاڑی جھاڑیوں کے قریب نظر آئی تھی۔ میں نے سوچا شاید آپ لوگ پھر کسی دشواری میں پڑ گئی ہیں۔"

دروازے پر قہقہے کی آواز آئی اور حمید اس طرف متوجہ ہو گیا۔ آنے والا ایک طویل قامت اور وجیہہ آدمی تھا۔ لیکن سیاہ سوٹ پر کھوپڑی سے چپکی ہوئی سفید پگڑی عجیب سی لگ رہی تھی۔

"اوہ سکتر صاحب۔" تارا بھی اس کی طرف مڑی۔

"جی.... کماری صاحبہ۔ مجھے ہر ایک پر نظر رکھنی پڑتی ہے۔ رانا صاحب کا حکم ہے کہ میرے سارے جسم پر آنکھیں ہی آنکھیں ہونی چاہئیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ کو اصل واقعہ کا

علم ہی نہ ہو سکتا۔"

"اوہ.... تو وہ آپ ہی کا آدمی تھا جس نے ہمیں میدان کے قریب روکا تھا۔"

"جی ہاں کماری صاحبہ۔"

"شکریہ سیکریٹری صاحب۔ میں ان سے پوچھ رہی ہوں کہ اس حرکت کا مقصد کیا تھا۔"

"لونڈے ہیں۔" سیکریٹری نے مضحکانہ انداز میں کہا۔ "آپ کی شخصیت سے واقف نہ ہوں گے۔ تعارف حاصل کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا۔ مجھے یقین ہے کہ کوبرا بے ضرر رہا ہوگا۔ کسی سپیرے سے خریدا ہوا۔"

"اگر یہ بات ہے تو انہیں سزا ملنی چاہئے۔" تارا نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ارے واہ....!" قاسم نے پھر ہاتھ نچایا۔ "بہت دیکھے ہیں سجا دینے والے۔"

"لڑکے خاموش رہو۔ ادب ملحوظ خاطر رکھو۔" سیکریٹری نے پروقار لہجے میں کہا۔ "تم درگوری اسٹیٹ کی ایک راج کماری سے مخاطب ہو۔ ممکن ہے خان بہادر عاصم ارب پتی ہوں لیکن ان کی دولت رانا صاحب کے رتبے سے نہیں ٹکر لے سکتی۔ ہم صاحب اختیار ہیں چاہیں تو تمہیں اسی شہر کی سڑکوں پر گھسٹواتے پھریں.... قانون ہماری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔ کماری صاحبہ سے معافی مانگو۔ میں کوشش کروں گا کہ وہ تمہیں معاف کر دیں اور تم سارجنٹ حمید۔ تمہیں شرم آنی چاہئے تم ایک ذمہ دار آفیسر ہو کر اس قسم کا لونڈا پن کرتے پھرتے ہو۔"

"میں ضرور سزا دوں گی۔" تارا پیر پٹخ کر بولی۔

"میں استدعا کروں گا کماری صاحبہ کہ انہیں معاف کر دیجئے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ دونوں آپ کی شخصیت سے واقف نہیں تھے۔"

تارا چند لمحے کچھ سوچتی رہی پھر حمید کی طرف اشارہ کر کے بولی۔ "خیر آپ کے کہنے سے معاف کر دوں گی لیکن اس آدمی کی شکایت آئی جی سے اور اس کی خان بہادر عاصم سے۔"

"ارے نہیں.... ارے باپ رے۔" قاسم نے دونوں ہاتھوں سے پیٹ دباتے ہوئے کہا "ارے تم خود میری بوٹیاں کر ڈالو لیکن شکایت نہ کرنا۔ الاقسم.... ابے بے موت مرجاؤں گا

پیارے بھائی۔ میرا باپ بڑا جالم ہے۔ ہنٹروں سے کھال بھی کھینچ لے گا اور ایک آدھ مہینے کے لئے بند بھی قردے غا۔"

تارا دوسری طرف مڑ کر مسکرانے لگی۔

حمید مطمئن تھا کیونکہ خود فریدی ہی نے اُسے تارا کے گرد منڈلانے کا حکم دیا تھا۔ اس نے بڑے پُروقار انداز میں ہاتھ بڑھا کر سیکریٹری سے کہا۔ "میرا ریوالور مجھے واپس کر جاؤ۔"

"وہی تو ثبوت ہوگا تمہارے خلاف۔" سیکریٹری مضحکانہ انداز میں مسکرایا۔ "اب وہ تمہیں آئی جی کے آفس سے ہی واپس ملے گا۔"

حمید نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دے کر کہا۔ "دو چار آئی جی ہر وقت میری جیبوں میں پڑے رہتے ہیں کیونکہ میں انسپکٹر فریدی کا اسسٹنٹ ہوں۔ سمجھے سیکریٹری صاحب۔"

"خیر خیر....!" سیکریٹری نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "تم لوگ کل بارہ بجے دن سے پہلے نہیں چھوڑے جاؤ گے۔"

عشق

فریدی نے ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔ "کاش مجھے بھی کبھی اس سیکریٹری کے درشن ہوئے ہوتے۔"

"اس کی فکر نہ کیجئے۔ یہ بتائیے کہ آپ نے مجھے تارا کے پیچھے کیوں لگایا تھا۔"

"خاور کے سلسلے میں۔"

"آخر آپ خاور کے متعلق کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔"

"پرواہ مت کرو۔"

"ارے حجامت بننے والی ہے ریوالور اب تک پہنچ چکا ہوگا آئی جی کے پاس۔"

"تو پھر کیا ہوگا۔" فریدی مسکرایا۔

"میری شادی ہوگی اور آپ سہرا پڑھیں گے۔" حمید جھلا گیا۔

"بوکھلانے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری جیب میں تمہارا سرکاری ریوالور تھا ہی نہیں۔"

"کیا مطلب....؟"

"تم نے کبھی نمبر دیکھنے کی زحمت گوارہ نہیں کی۔" فریدی مسکرایا۔ "میں اتنا گدھا نہیں ہوں کہ سرکاری ریوالور تمہیں لئے پھرنے دوں گا۔ وہ تو میرے پاس محفوظ ہے۔"

"وہ مارا....!" حمید اچھل پڑا۔

"تم نہایت صفائی سے کہہ دو گے یہ رہا میرا ریوالور....!" فریدی نے سگار کے ڈبے سے یک سگار منتخب کرتے ہوئے کہا۔ "اس ریوالور پر اب شاید تمہاری انگلیوں کے نشانات بھی نہ مل سکیں۔ ضائع ہو گئے ہوں گے اس خوشی میں کہ ریوالور ہی تمہارے خلاف کافی ثبوت ہوگا۔ یکریٹری بے چارہ انگلیوں کے نشانات محفوظ رکھنے کا خیال تک دل میں نہ لایا ہوگا۔"

"ایک بار پھر....وہ مارا۔" حمید دوسری بار اچھلا۔

"مگر تمہارے ساتھ وہ موٹا کون تھا۔"

"آپ کیا جانیں۔"

"اُوہ....برخوردار....کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ پچھلی رات تمہارا بھی تعاقب نہیں کیا گیا تھا۔"

"خدا کی پناہ۔" حمید آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔

"میں نے تمہیں بھڑوں کا چھتہ چھیڑنے کا حکم دیا تھا پھر ایسی صورت میں مطمئن کیسے ہو بیٹھتا۔" فریدی نے کہا اور سگار سلگا کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

چار بج رہے تھے۔ آفس سے اٹھنا ہی تھا۔ فریدی نے ضروری کاغذات ڈرائر میں منتقل کئے اور اٹھ گیا۔

پھر کچھ دیر بعد کیڈی پارکنگ شیڈ سے نکل کر کمپاؤنڈ کے پھاٹک سے گزر رہی تھی۔

"تم نے موٹے کے متعلق نہیں بتایا۔" فریدی نے کہا۔

"بس گانٹھ کا پورا ہے۔ فرصت کے لمحات خاصے گزر جاتے ہیں۔ خان بہادر عاصم کے سپوت۔"

"اوہ....!" فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا پھر اس نے ڈاکٹر ڈف والے حادثے سے حمید کو آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہم اس وقت وہیں چل رہے ہیں۔"

"کنکھنا آدمی....!" حمید نے حیرت سے کہا۔

"ساتھ ہی زہریلا بھی....!" فریدی بولا۔

"اپنے تو کچھ پلے ہی نہیں پڑتا۔ ان دنوں صرف تارا ہی دکھائی دی تھی وہ بھی رانا پرمود کی بھتیجی نکلی۔ اب اگر میں لارڈ لن لتھگو کا بھانجا بن سکا تو کام چل جائے گا ورنہ جل ٹھنڈے۔"

"اب اس کی طرف رخ بھی نہ کرنا۔"

"آخر آپ خاور کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔"

"بہت دنوں سے ہوں وہ معاشرے میں بڑی گندگیاں پھیلا رہا ہے۔"

"تو ڈاکٹر ڈف والے کیس سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔"

"بظاہر تو نہیں معلوم ہوتا لیکن ڈاکٹر ڈف بھی تھا اس کے پرستاروں میں۔"

"ڈاکٹر ڈف ہی کے متعلق کچھ بتائیے۔"

"مجھے اس کے گھر میں انسانی ہتھیلیوں کے ایک جوڑے کی تلاش تھی۔"

"میں سمجھ گیا۔"

"کیا سمجھ گئے۔"

"ان ہتھیلیوں کا تعلق براہِ راست افریقہ کے کسی جادوگر سے ہوگا۔"

"ممکن ہے۔"

"جہنم میں جائے۔" حمید جھلا کر بولا۔ "اچھا یہی بتا دیجئے کہ اس سکریٹری کے بچے نے مجھے اس طرح پھانسنے کی کوشش کیوں کی تھی۔"

"تا کہ میری اور تمہاری شکایت کے ڈھیر لگ جائیں اور مجھے سختی سے تنبیہ کی جائے کہ

میں خاور کے پیچھے نہ پڑوں۔ اپنے مسٹر اسمتھ کے پاس شکایت آ چکی ہے لیکن میں چونکہ مسٹر اسمتھ ہی کے ایک نجی کیس میں بھی الجھا ہوا ہوں اس لئے انہوں نے زیادہ تیز ہونے کی کوشش نہیں کی ورنہ جانتے ہو کیا ہوتا۔"

"کیا ہوتا....؟"

"یہاں سے ہمارا تبادلہ۔ اپنے مسٹر اسمتھ بھی ہیں اس کے عقیدت مندوں میں۔"

"خدا کی پناہ۔ یہ انگریز بھی ضعیف الاعتقاد ہوتے ہیں۔"

"ہم سے کہیں زیادہ۔" فریدی نے گاڑی کی رفتار کم کر کے اُسے ڈاکٹر ڈف کی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں موڑتے ہوئے کہا۔

اندر سارجنٹ ہنری سے ملاقات ہوئی جو بے حد مغموم نظر آ رہا تھا اور شاید بہت دیر سے اس نے خالص وہسکی کی ایک چسکی بھی نہیں لی تھی۔

اس نے فریدی کو سلیوٹ کر کے کہا۔ "میں تو تھک ہار گیا جناب۔ یہاں مجھے کوئی تہہ خانے کا سراغ نہیں ملا۔"

"پرواہ مت کرو۔ دیکھیں گے۔" فریدی حمید کو ساتھ آنے کا اشارہ کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

❖

رشیدہ خاور کے پیر پکڑے گڑگڑا رہی تھی۔ "بابا.... بتاؤ میں کیا کروں وحیدہ بانو کا قصہ طویل ہوتا جا رہا ہے۔ اب وہ مجنوں کی سی حرکتیں کرنے لگا ہے۔"

"خدا اس کے حال پر رحم کرے۔ بیٹی اس کے علاوہ میں اور کیا کہہ سکتا ہوں۔ اٹھو.... خدا کے لئے اٹھ ہی جاؤ۔ مجھے زیادہ گنہگار نہ کرو۔ تم نے میرے پیر پکڑ رکھے ہیں اور میری روح خداوند کریم کے خوف سے لرز رہی ہے۔"

رشیدہ نے اس کے پیر چھوڑ دیئے اور اٹھ کر پیچھے ہٹتی ہوئی بولی۔ ''میں کیا کروں۔ خدارا میری
رہنمائی کیجئے۔ میں نے اس کیلئے اپنی زندگی برباد کردی ہے۔ لیکن اسے میری پرواہ بھی نہ ہوئی اور
اب وہ ایک ایسی لڑکی کیلئے دیوانہ ہو رہا ہے جو اسے کبھی نہ مل سکے گی۔ ایک نواب کی لڑکی۔''

''سچ کہتا ہوں لڑکی۔ اسکے ستارے گردش میں ہیں۔ فی الحال تو اسکی زندگی ہی کی خیر منائے۔''

''میں نہیں سمجھی۔''

''وہ ذہین بھی ہے اور احمق بھی۔ اکثر ایسے خطرات بھی مول لیتا ہے جن سے الگ رہنے
میں نہ اس کا کوئی فائدہ ہو اور نہ نقصان۔ تم مجھے بتاؤ یہ دیوانگی نہیں تو اور کیا ہے وہ دیوانہ کب
نہیں تھا جو تم آج مجھے اس کی دیوانگی کی کہانی سنانے آئی ہو۔ جاؤ.... خود کو ان الجھیڑوں میں نہ
ڈالو۔ مقدرات اٹل ہوتے ہیں۔''

''آپ مجھے خوفزدہ بھی کر رہے ہیں بابا.... رحم کیجئے۔''

''اچھا تو جاؤ اسی انسان نما بھیڑیئے کے پاس جاؤ جس کے لئے اس نے ان مصائب کو
دعوت دی تھی وہ خود ہی تمہیں بتائے گا کہ انور کی پوزیشن کیا ہے۔''

''میں آپ کا اشارہ نہیں سمجھی۔''

''انسپکٹر فریدی.... جس کے لئے اس نے چند خطرناک آدمیوں کو بلیک میل کرنے کی
کوشش کی تھی۔''

''اوہ.... تو اب سمجھی۔'' رشیدہ دانت پیس کر بولی۔ ''انسپکٹر فریدی۔ خدا سمجھے.... خودغرض
آدمی۔ تو کیا فریدی ہی کی ایماء پر اس نے کسی کو بلیک میل کرنے کی کوشش کی تھی۔''

''اوہ.... بابا.... اب یاد آ رہا ہے مجھے۔ وہ پُراسرار آدمی جس نے انور کی زبان بند رکھنے
کے لئے دو ہزار روپے دیئے تھے۔ کہیں وہی قصہ تو نہیں۔''

''خدا جانے.... اب تم جاؤ لڑکی۔ باہر دوسرے بھی منتظر ہیں۔ اتنا زیادہ وقت میں کسی کو
بھی نہیں دے سکتا۔ ویسے میں کوشش کروں گا کہ وہ وحیدہ بانو کا خیال دل سے نکال دے۔''

''میں زندگی بھر احسان مند رہوں گی بابا۔'' رشیدہ نے ایک بار پھر اس کے قدم پکڑ لئے

لیکن خاور تیزی سے پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔ ''جاؤ.... بس جاؤ۔''

رشیدہ پھر اس کمرے میں آئی جہاں بیٹھ کر معتقدین اپنی باری کا انتظار کیا کرتے تھے۔

''راج کماری تارا پلیز۔'' خاور کے سیکریٹری نے دوسرے ملاقاتی کے نام کا اعلان کیا۔

رشیدہ نے تارا کو دیکھا جس کے ساتھ دو مسلح اور باوردی باڈی گارڈ بھی تھے۔ وہ اس کے
پیچھے خاور کے کمرے کے دروازے تک گئے تھے اور پھر تارا نے انہیں وہیں ٹھہرنے کا اشارہ کیا
تھا۔ رشیدہ سوچنے لگی کاش وہ معلوم کر سکتی کہ وہ یہاں کیوں آئی ہے۔

''پرنسز تارا.... خوش آمدید۔'' خاور مسکرایا۔ ''تم کیا چاہتی ہو۔ میری بچی۔''

''میرے پاس اسی ایک موضوع کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔'' تارا نے بھرائی ہوئی آواز
میں کہا۔

''اچھی بات ہے۔ تو مجھے اس آدمی کا نام بتاؤ۔ پھر میں دیکھوں گا کہ یہ ممکن بھی ہے یا
نہیں۔ تم دونوں کے ستارے موافق ہیں یا نہیں۔''

''کاش مجھے نام معلوم ہو سکا ہوتا لیکن کل میں اس کی تصویر لینے میں کامیاب ہو گئی ہوں
تصویر صاف ہے۔''

''بے کار ہے میری بچی۔ بھلا تصویر سے کیا ہو سکے گا۔ مجھے تو اس کا نام معلوم ہونا
چاہئے۔ تب ہی اس کے ستاروں کے متعلق کچھ معلوم کر سکوں گا۔ خیر تصویر تو دیکھوں یقیناً وہ
کوئی بڑا شاندار ہوگا جس کے لئے پرنسز تارا جیسی مشکل پسند لڑکی بھی پریشان ہو سکتی ہے۔''

تارا نے اپنے وینٹی بیگ سے ایک تصویر نکال کر خاور کی طرف بڑھائی۔ خاور نے بھی
ہاتھ بڑھایا پھر متحیرانہ انداز میں دو قدم پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔ ''لڑکی کہیں تم مذاق تو نہیں

کر رہیں۔"

تارا اس سوال پر ہکا بکا رہ گئی۔ تصویر اب بھی اس کے ہاتھ میں تھی۔

خاور نے پھر سنبھالا لیا۔ تحیر کے آثار چہرے پر غائب ہو گئے اور ان کی جگہ ایک طنزیہ مسکراہٹ نے لے لی۔

"میں نہیں سمجھی آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ کیا آپ اسے پہچانتے ہیں۔"

"اچھی طرح.... یہ وہ شخص ہے جس نے ریاست ورگوری کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کا تہیہ کر لیا ہے۔"

"نہیں....!" تارا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "یہ کون ہے۔"

"انسپکٹر احمد کمال فریدی آف سنٹرل انٹیلی جنس بیورو۔"

"اوہ.... مگر کیوں؟ یہ ہماری ریاست کا دشمن کیوں ہو گیا ہے۔"

"دلوں کی بات صرف خدا ہی جان سکتا ہے بیٹی۔ میں نے تمہیں آگاہ کر دیا اور پھر یہ آدمی یہ ایک ایسے پتھر کی چٹان ہے جس کے رخنوں سے بھی پودے نہیں اگتے۔ ستارے کہتے ہیں کہ آج تک وہ کسی عورت سے متاثر نہیں ہوا۔ اسے بھول جاؤ لڑکی ورنہ پچھتاؤ گی۔"

تارا کے چہرے سے اضطراب ظاہر ہو رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس نے خاور کا یہ جملہ سنا ہی نہ ہو۔ پتہ نہیں کیا سوچ رہی تھی۔

"اچھا....!" یک بیک وہ چونک کر بولی۔ "شکریہ بابا۔ اب مجھے اور کچھ نہیں کہنا۔"

وہ تیزی سے دروازے کی طرف مڑ گئی۔ شاید اس کے باڈی گارڈز اس کی تیز رفتاری پر متحیر تھے کیونکہ انہوں نے کبھی اُسے اتنی جلدی میں نہیں دیکھا تھا۔

باہر نکل کر تارا نے گاڑی کا اسٹیئرنگ سنبھالا اور باڈی گارڈز پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ وہ اسے اچھا نہیں سمجھتی تھی کہ اس کے ساتھ باڈی گارڈز بھی ہوا کریں۔ لیکن کار میں کوبرا پائے جانے کے بعد سے مجبوراً اسے ایسا کرنا پڑا تھا۔

پرمود ہاؤز پہنچ کر وہ سب سے پہلے فون کی طرف جھپٹی اور کسی کے نمبر ڈائیل کر کے

"سکتر صاحب ہیں۔"

غالباً دوسری طرف سے نفی میں جواب ملا تھا۔ اس لئے اس نے فوراً ہی ڈس کنکٹ کر کے نمبر ڈائیل کئے اور بولی۔ "ہیلو.... اڈلفیا ہوٹل۔ یس پلیز پٹ می آن ٹو تھرٹین۔"

"ہیلو....!" کچھ دیر بعد دوسری طرف سے آواز آئی۔

"کون سکتر صاحب۔ میں تارا ہوں۔"

"یس یور ہائی نس۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"وہ پولیس آفیسر کون تھا جس کی شکایت کی ہے آپ نے۔" تارا نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

"سارجنٹ حمید۔"

"کسی دوسرے آفیسر کا نام بھی تو لیا تھا شاید آپ نے۔"

"لیا ہوگا۔ مجھے یاد نہیں یور ہائی نس۔"

"کسی ایسے آفیسر کا نام جسے وہ اسسٹ کرتا ہے یعنی سارجنٹ حمید۔"

"اوہو.... وہ جی ہاں.... وہ انسپکٹر فریدی کو اسسٹ کرتا ہے۔"

"خیر کوئی بھی ہو۔" تارا نے لہجے میں لاپرواہی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "آپ وہ شکایت واپس لے لیجئے۔"

"یور ہائی نس۔ میں اس کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔"

"تمہیں مطلب سمجھنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔" تارا جھنجھلا گئی۔

"اوکے.... یور ہائی نس.... ابھی شکایت واپس لے لوں گا۔ لیکن اسے ہمیشہ یاد رکھئے کہ میں رانا صاحب کو جوابدہ ہوں۔ ویسے....!"

"ویسے کیا.... ہاں.... ہاں کہو۔"

"کچھ نہیں یور ہائی نس.... پورے راج محل میں مجھے صرف آپ ہی سے ڈر لگتا ہے۔" سکتر کی آواز گھگھیائی ہوئی سی تھی۔

"ہوں....!" تارا نے ہونٹ بھینچ لئے اور بولی۔ "رپورٹ واپس لی جائے گی۔"

"دیکھئے یور ہائی نس۔ اب رپورٹ واپس لینے سے کوئی فائدہ نہیں۔ مجھے ابھی اطلاع ملی
ہے کہ دونوں آفیسرز کو آئی جی نے اپنی کوٹھی پر طلب کیا ہے.... چونکہ فریدی بہت زیادہ معز
آدمی سمجھا جاتا ہے اس لئے شاید وہ ڈپارٹمنٹل قسم کی پھٹکار سے بچ جائیں۔"

"میں نے کبھی نہیں سنا کہ کسی آئی جی نے کسی انسپکٹر کو براہِ راست سزا دی ہو۔ یہ کام
اسی شعبے کا ڈی ایس پی بھی انجام دے سکتا ہے۔"

"میں نے عرض کیا نا کہ وہ بہت معزز آدمی ہے۔ نواب عزیز الدین خان کا نام سنا
کبھی آپ نے۔"

"اوہ.... کیوں نہیں۔ وہی نا جو زیادہ تر وقت سیر وشکار میں گزارا کرتے تھے۔"

"جی ہاں۔"

"انہیں کیوں نہ جانوں گی۔ میں نے بچپن میں ڈیڈی کی زبانی ان کا نام بہت سنا ہے
وہ ڈیڈی کے دوستوں میں سے تھے۔"

"تو یہ فریدی نواب عزیز الدین خان کا لڑکا ہے۔"

"نہیں۔" تارا فرطِ حیرت سے اچھل پڑی۔ پھر ہکلائی۔ "مم.... مگر.... وہ لوگ تو بہ
دولت مند ہیں۔ شاید ہماری اسٹیٹ کا نجی خزانہ بھی اتنا نہ ہو جتنی یعنی کہ۔"

"جی ہاں۔ میں سمجھ گیا۔ آپ یہی کہنا چاہتی ہیں نا کہ فریدی انسپکٹری کیوں کر رہا ہے۔"

"قدرتی بات ہے۔" تارا نے طویل سانس لی۔ "ہر آدمی جاننا چاہے گا۔"

"وہ کریک ہے یور ہائی نس.... اُسے سراغ رسانی کا شوق ہے۔ اب تک خود ہی ڈی آئی
جی تو ہو ہی گیا ہوتا لیکن اُسے عہدے کی پرواہ کب ہے۔ وہ تو صرف کام کرنا چاہتا ہے۔ ا
خود ہی لڑ جھگڑ کر اس نے اپنی ترقی رکوائی ہے۔ یہ پاگل پن نہیں تو اور کیا ہے۔"

"کیا وہ انکل یعنی رانا صاحب کا دشمن ہے۔" تارا نے پوچھا۔

"کیوں؟ یہ سوال میری سمجھ میں نہیں آیا یور ہائی نس۔"

"مجھے اطلاع ملی ہے۔"

"کیا میں اس اطلاع کا ذریعہ معلوم کر سکوں گا یور ہائی نس۔"

"یہ میں نہیں بتا سکتی۔"

"بہتر ہے۔ لیکن آپ نے مجھے تشویش میں مبتلا کر دیا ہے۔ لیکن ٹھہریئے! اس کے
بھی آپ چاہتی ہیں کہ شکایت واپس لی جائے۔"

"ہاں۔ اگر وہ انکل کا دشمن ہے تو اس سے چھیڑ چھاڑ کرنا میری دانست میں مناسب نہ ہوگا۔"

"اس کی فکر نہ کریں یور ہائی نس۔ آخر آپ اپنے خادم کو کیا سمجھتی ہیں۔"

"بھئی کچھ بھی ہو۔ میں نہیں چاہتی کہ ریاست پر کوئی برا وقت آئے۔"

دوسری طرف سے ہلکے قہقہے کی آواز آئی پھر سیکریٹری نے کہا۔ "فریدی بہت چالاک
لیکن میں اسے کل کا لونڈا سمجھتا ہوں۔ اس کی عمر تیس سال سے زیادہ نہ ہوگی میں نے
ٹھن موسم جھیلے ہیں۔"

"یعنی پچاس سال۔" تارا کے لہجے میں تمسخر تھا۔

"ہاں۔ لوگ مجھے اس وقت سنجیدہ تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہوتے جب میں انہیں اپنی
ہا۔ کیونکہ عام اندازہ کے مطابق میں تیس اور چالیس کے درمیان سمجھا جاتا ہوں۔"

"...اگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تو مجبوری ہے۔ کیونکہ وہ طلب ہی کر لئے گئے ہیں۔"

"را ٹھہریئے۔ آپ نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔ آپ کو کس سے معلوم ہوا کہ
اسٹیٹ کا دشمن ہے۔"

"بابا خاور سے۔" بیساختہ تارا کی زبان سے نکل گیا اور پھر غلطی کا احساس ہوتے ہی اس
نے ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔

"مجھے افسوس ہے یور ہائی نس۔" سیکریٹری کی آواز بھرا گئی۔ "اس وقت دل کو دھچکا سا
"

"کیوں.... کیا بات ہے۔"

"میں آپ کو اس شہر کی پاگل عورتوں کی بھیڑ میں نہیں دیکھنا چاہتا۔ آپ ایک اسٹیٹ کی

کماری ہیں۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ ذہین ہیں آپ اس فراڈ کے پاس کس سلسلے میں اور کرنے
جا پہنچی۔ اس سے دور رہئے۔ آپ اسٹیٹ کا وقار خاک میں ملا رہی ہیں۔ میں اسے برداشت
نہیں کرسکتا۔ صرف رانا صاحب کو جواب دہ ہوں اس معاملے میں۔"

اس کا لہجہ تارا کو گراں گزرا۔ وہ ماؤتھ پیس میں غرائی۔ "اچھا بکواس بند کرو۔" اور سلسلہ
منقطع کردیا۔

سازش

کیپٹن مارش اسمتھ کو آئی جی کے پی اے سے اطلاع ملی تھی کہ آئی جی کے پا
سارجنٹ حمید کی کوئی شکایت آئی تھی اور آئی جی نے فریدی اور حمید کو براہِ راست اپنے بنگلے
طلب کرلیا ہے۔

بہت بڑی بات تھی اور معاملہ بھی کوئی اہم تھا۔ کیونکہ مارش اسمتھ نے جو کیس فریدی کے
سپرد کیا تھا اسی کی ذات تک محدود رکھنا چاہتا ہے۔ کیس کی نوعیت سرکاری نہیں تھی۔ مارش اسمتھ
کے ایک دوست نے اس سے نجی طور پر مدد طلب کی تھی اور راز داری کا خواہش مند تھا۔

مارش اسمتھ نے سوچا کہیں آئی جی کو اس کی اطلاع نہ مل گئی ہو۔ ان دنوں بے ضابطہ
کارروائیاں شاذ و نادر ہی ہوتی تھیں اور اگر ایسی کارروائیوں کا علم اعلیٰ حکام کو ہوجاتا تو اکثر بڑی
الجھنیں پیدا ہوجاتی تھیں۔

بہرحال مارش اسمتھ کو اس کی اطلاع ملی اور وہ آئی جی کی کوٹھی کی طرف دوڑ گیا۔
لیکن اندر کیسے جاتا۔ سڑک ہی پر ایک جگہ رک کر ان دونوں کی واپسی کا منتظر رہا۔
اندھیری رات تھی اس لئے اس نے اپنی گاڑی کوٹھی سے زیادہ فاصلے پر نہیں روکی تھی۔
جہاں بھی تھا راہگیروں کی نظر سے ہر حال میں بچا رہتا۔

کچھ دیر بعد فریدی کی کیڈی کوٹھی کی کمپاؤنڈ سے باہر نکلی تھی اور اسمتھ کی گاڑی کا انجن بھی
ہوا تھا۔ وہ انہیں اسی جگہ نہیں روکنا چاہتا تھا۔

کچھ دور چل کر دونوں گاڑیاں برابر سے دوڑنے لگیں۔ کیونکہ کشادہ سڑک سنسان پڑی تھی۔

"گڈ ایوننگ سر....!" فریدی کی آواز کچھ حیرت زدہ سی تھی۔

"ایوننگ.... کیوں ادھر کیسے۔"

"ہم یہیں رک کیوں نہ جائیں۔" فریدی مسکرایا۔ "شاید آپ مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔"

مارش اسمتھ نے گاڑی سڑک کے کنارے لگا کر کھڑی کردی۔ اس کے پیچھے ہی فریدی
ڈی بھی رکی۔ حمید گاڑی ہی میں بیٹھا رہا۔ فریدی اور اسمتھ نیچے اتر کر ایک طرف بڑھتے
گئے۔

"صاحب کے پی اے سے معلوم ہوا تھا کہ آپ لوگوں کی کوئی شکایت آئی ہے۔" مارش
نے پوچھا۔

"جی ہاں.... شکایت تھی لیکن لایعنی۔" فریدی نے کہا اور شکایت کا موضوع دہراتا ہوا
ریوالور حمید کا نہیں ہے۔"

"خواہ مخواہ شکایت کی ہے۔"

"خدا جانے۔" فریدی نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "حمید نے تو الزامات تسلیم نہیں
اور گوری اسٹیٹ کے سیکریٹری کا بیان ہے کہ اس کے ساتھ خان بہادر عاصم کا لڑکا بھی
ب میں اس سے بھی پوچھ گچھ کرنا چاہتا ہوں۔"

"آئی جی نے حمید کے عذر پر کیا کہا۔"

"ان کے لئے پرمود کا سیکریٹری ہم سے زیادہ معتبر ہے۔" فریدی نے تلخ لہجے میں کہا
ان کا خیال ہے کہ اب ہم اس شہر کے لئے موزوں نہیں رہے۔ لہٰذا تبادلہ۔"

"یہ زیادتی ہے۔ قطعی غلط ہے۔" مارش اسمتھ نے مضطربانہ لہجے میں کہا۔

"کچھ بھی ہو۔ تبادلہ نہیں رک سکے گا۔" فریدی نے ٹھنڈی سانس لی۔

''میں پرنسز تارا سے بخوبی واقف ہوں۔ اکثر بلینا اس کی پارٹیوں میں جاتی رہتی ہے۔
میں ابھی فون پر اس سے گفتگو کرتا ہوں۔''

''بے کار ہے جناب۔ کچھ نہیں ہوسکتا۔ تبادلہ ہو کر رہے گا۔''

''اور تم....!''

''میری چھوڑیئے۔ میں نے وعدہ کیا ہے کہ آپ کا کام بخوبی سرانجام دوں گا۔ وہ بھی
ہو کر ہی رہے گا۔''

''لیکن تبادلہ۔''

''استعفٰی دے دوں گا۔''

''نہیں۔''

''اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں۔''

''میں دیکھوں گا کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔'' اسمتھ غصیلے انداز میں بڑبڑایا۔

موجودہ آئی جی سے کوئی بھی خوش نہیں تھا اس کے متعلق بہتیری بُری کہانیاں مشہور تھیں۔

وہ پھر گاڑیوں کی طرف واپس آئے اور اسمتھ نے فریدی کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ
وہ معاملات کو آگے نہیں بڑھنے دیں گے۔ خواہ اُسے آئی جی سے بھی آگے کیوں نہ بڑھنا پڑے۔

کچھ دور چل کر ان کی راہیں الگ ہوگئیں۔

حمید نے فریدی سے کہا۔ ''وہ سیکریٹری کا بچہ صورت سے ہی انتہائی سُوّر معلوم ہوتا تھا۔''

''مجھے ہر قسم کے سُوّر کے شکار کا تجربہ ہے۔ تم فکر نہ کرو۔''

''نواب خان بہادر عاصم کی طرف جانے کا ارادہ ہے؟''

''فضول ہی سمجھتا ہوں اسے۔ میری دانست میں تو وہ آدمی اتنا بیوقوف نہیں ہوسکتا کہ
اعتراف کرلے۔''

''ارے وہ حماقتوں کا پہاڑ ہے۔''

''دیکھا جائے گا'' فریدی نے لاپروائی سے شانوں کو جنبش دی۔

پرمود ہاؤز کا نگران سنگرام بظاہر نہایت شریف آدمی تھا لیکن بہت کم لوگ جانتے تھے کہ
خونی بھی تھا۔ کئی بار کا سزایاب۔ مگر ستارے اچھے ہی تھے کہ پھانسی کے تختے کی راہ پر نہیں
کا تھا۔ سیکریٹری کے خاص آدمیوں میں سے تھا اور شاید صرف وہی اس کے متعلق بہت
ہ جانتا رہا ہو۔

اس وقت وہ غالباً سونے کی تیاری کر رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اور سنگرام انسٹرومنٹ کو اس
طرح گھورنے لگا جیسے وہ اُسے چڑا رہا ہو۔

''ہالو....!'' وہ ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں دہاڑا۔ پھر یک بیک اس کے چہرے پر
لاہٹ کے آثار نظر آئے۔ کیونکہ دوسری طرف سے سیکریٹری نے مخاطب کیا تھا۔

''کیا تم نشے میں....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''نن.... نہیں.... جج جناب۔ معافی چاہتا ہوں۔'' سنگرام ہونٹوں پر زبان پھیر کر ہکلایا۔

''خیر دیکھو.... انسپکٹر فریدی پرنسز تارا سے ملنے آرہا ہے۔''

''جی....!'' سنگرام نے اس طرح پوچھا جیسے اپنی سماعت پر یقین نہ ہو۔

''انسپکٹر فریدی پرنسز تارا سے ملنے آرہا ہے۔ ملاقات کے بعد اس کی واپسی اس کاریڈر
ے ہونی چاہیے جس کی نکاسی لفٹ ونگ سے ہوتی ہے۔''

''لفٹ ونگ۔'' سنگرام کی آواز کانپ گئی۔

''اوہو....!'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''کیا تم خوفزدہ ہو۔''

''نن.... نہیں تو جناب۔'' سنگرام کا سینہ دھونکنی کی طرح چلنے لگا۔

''واپسی لفٹ ونگ سے ہونی چاہیے۔'' ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا گیا۔

پھر سنگرام نے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر خود بھی ریسیور رکھ دیا تھا۔ اس کے
ے پر زردی سی چھا گئی تھی۔ وہ جانتا تھا کسی کے لفٹ ونگ سے گزرنے کا مطلب۔ پرمود

ہاؤز کے سیکڑوں راز اس کے سینے میں دفن تھے۔ نہ جانے کتنے معزز مہمانوں کو لفٹ ونگ سے گزرتے دیکھ چکا تھا۔ لفٹ ونگ جس کی نکاسی کا دروازہ عدم آباد ہی میں کھلتا تھا۔ لیکن انسپکٹر فریدی! سنگرام اپنی پیشانی رگڑنے لگا۔ وہ فریدی سے اچھی طرح واقف تھا خود بھی فریدی کے لئے اجنبی تو نہیں ہو سکتا تھا۔

اس نے سوچا وہ پرنسز تارا سے کیوں ملنے آ رہا ہے؟ اور پھر اس وقت کلاک رات کے دس بجا رہا تھا۔ پرنسز تو خواب گاہ میں چلی گئی ہوں گی۔ ممکن ہے اس وقت وہ اس سے ملنا پسند ہی نہ کریں۔ لیکن شاید انہیں ملنا ہی پڑے گا کیونکہ سکتر صاحب اس کی واپسی لفٹ ونگ سے چاہتے تھے۔

سنگرام کے تحت نصف درجن بُرے آدمی بھی تھے اور یہ سیکریٹری ہی کی ایماء پر ملازم رکھے گئے تھے۔ ان میں سے ہر ایک اپنی نوعیت کا شاطر ترین آدمی تھا یک بیک ان میں سے ایک نے کمرے میں داخل ہونے کی اجازت طلب کی۔

”آؤ....!“ سنگرام اُسے گھورتا ہوا بولا۔ کیونکہ اس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار نظر آئے تھے۔

”کیوں....؟“

آنے والے نے کسی کا ملاقاتی کارڈ اس کی طرف بڑھایا۔ یہ فریدی ہی کا کارڈ تھا۔

”راج کماری سے ملنا چاہتا ہے۔“ آنے والے نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”ہوں.... اچھا جاؤ اور اپنے آدمیوں سے کہہ دو کہ اس کی واپسی لفٹ ونگ سے ہوگی۔“

”جی....“ آنے والا متحیرانہ انداز میں اچھل پڑا۔

”لفٹ ونگ.... کیا تم نے سنا نہیں۔“ سنگرام جھلا گیا۔

”جج.... جی ہاں.... سس سن لیا ہے۔“

”دفع ہو جاؤ۔“ سنگرام غرایا۔ اس کے چلے جانے کے بعد پھر اس کے چہرے پر زردی چھا گئی اور وہ بار بار ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جب اُسے لفٹ ونگ سے

گزرنا ہی ہے تو خود راج کماری تارا بھی اس سے ملنے کے لئے تیار ہوگی۔ سکتر صاحب کی ہدایتیں ہر اعتبار سے مکمل ہوتی ہیں۔ لیکن فریدی.... فریدی!

اس نے فون پر پرنسز تارا سے رابطہ قائم کیا۔

”کون.... کیا کہا۔“ دوسری طرف سے حیرت زدہ سی آواز آئی۔

”کیا آپ اس وقت، انسپکٹر فریدی سے ملنا پسند فرمائیں گی یور ہائی نس۔“

”اُوہ.... کیا وہ آئے ہیں۔“

”یس یور ہائی نس.... وہ ملاقات کے کمرے میں آپ کے جواب کے منتظر ہیں۔“

”میں ضرور ملوں گی۔“

سنگرام نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے ریسیور رکھ دیا۔

فریدی کو یہاں کئی جانی پہچانی شکلیں نظر آئی تھیں۔ اس نے سوچا معاملات کافی آگے بڑھ چکے ہیں۔ اُسے محتاط رہنا چاہئے۔ شاید اس کے فرشتوں کو بھی خیال نہ آتا کہ پرمود ہاؤز میں اس قسم کے لوگ بھی دکھائی دیں گے۔

کچھ دیر بعد تارا کی سیکریٹری نے آکر اطلاع دی کہ پرنسز آیا ہی چاہتی ہیں۔

پھر تارا آئی تھی۔ نہ جانے کیوں اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ فریدی احتراماً کھڑا ہو گیا۔

”اُوہ.... تشریف رکھئے جناب۔“ تارا کے لہجے میں لجاجت تھی۔

”ناوقت تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔“ فریدی بیٹھتا ہوا بولا۔ ”لیکن معاملہ ایسا ہی تھا۔“

”مجھے بے حد افسوس ہے۔“ تارا نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”مجھے علم نہیں تھا کہ وہ آدمی کون تھے۔“

"اس کی بات نہیں۔ بدتمیزوں کو یقینی طور پر سزا ملنی چاہیئے۔ مگر دشواری یہ ہے کہ سارجنٹ حمید نے اس الزام کو تسلیم نہیں کیا۔ ثبوت میں جو ریوالور پیش کیا گیا ہے وہ بھی اس کا نہیں۔"

"دیکھیے نا.... دراصل مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔" تارا نے چڑھتی ہوئی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "پتہ نہیں میری گاڑی میں کوبرا کس نے ڈالا تھا۔"

فریدی نے سنی ان سنی کر کے کہا۔ "کیا آپ مجھے رانا صاحب کے سیکریٹری سے ملوا سکیں گی۔"

"کیوں نہیں۔ ضرور ضرور۔ لیکن ان کا ملنا مشکل ہی ہوتا ہے۔"

"آپ صرف پتہ بتا دیجیئے۔"

"فون نمبر لکھ لیجیے۔ وہ اڈلفیا کے ایکسٹنشن تھرٹین پر ضرور ملتے ہیں۔"

"شکریہ.... بہر حال میں آئی جی صاحب کو مطمئن نہیں کر سکا۔ حالانکہ....."

"وہ دیکھیے میں انہیں مطمئن کر دوں گی۔ شکایت واپس لے لوں گی۔ مجھ سے بتایا گیا تھا کہ وہ آپ کا اسسٹنٹ ہے لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ کون ہیں۔ آپ یعنی کہ میں آپ کو فریدی صاحب کی حیثیت سے نہیں جانتی تھی۔ اُوہ۔" وہ اس طرح خاموش ہو گئی جیسے بے خبری میں کوئی غلط بات زبان سے نکل گئی ہو۔ پھر جلدی سے بولی۔ "دیکھیے مجھے علم نہیں تھا کہ نواب عزیز الدین خان صاحب۔"

"اوہ.... اُسے بھول جائیے۔ میں بھی بھول گیا ہوں۔ مجھے علم ہے کہ آپ کے والد شمشیر سنگھ بہادر سے اُن کے بڑے اچھے تعلقات تھے۔ بہر حال آپ آئی جی کو مطمئن کر سکیں تو بہتر ہے.... ویسے میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ آپ کی گاڑی میں حمید نے کوبرا نہ ڈالا ہوگا۔ یہ بھی محض اتفاق ہے کہ اس وقت وہی آپ کی گاڑی کے پیچھے تھا۔"

"مجھے یقین ہے۔ میں ابھی اور اسی وقت آئی جی کو رنگ کروں گی۔"

"شکریہ۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

"سس سردی.... بہت ہے۔" تارا ہکلائی۔ "کیا آپ ایک کپ کافی پینا بھی پسند نہیں کریں گے۔"

"شکریہ پرنسز.... اس وقت جلدی میں ہوں پھر کبھی۔"

"کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ....!" تارا خاموش ہو گئی۔

"ہاں فرمائیے۔"

"میں یہ کہہ رہی تھی کہ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ پرانے تعلقات پھر استوار ہو جائیں۔"

"اوہ.... ضرور ضرور۔ شکریہ۔" فریدی مسکرایا۔ لیکن پھر یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔ ایک دروازے میں پھر اُسے ایک چونکا دینے والی شکل نظر آئی تھی۔

یہ سنگرام تھا۔ دروازے سے نکلتے وقت اس نے کہا۔ "ادھر سے چلئے جناب۔ کمپاؤنڈ میں رکھوالی کے کتے چھوڑے جا چکے ہیں۔"

"ہاں.... چلو چلو۔"

وہ ایک جانب چل پڑے۔ سنگرام ایسے ہی عادی مجرموں کی لسٹ پر تھا جس سے مخصوص قسم کے جرائم کے سلسلے میں ضرور پوچھ گچھ کی جاتی تھی خواہ وہ شہر کے کسی حصے میں ہوئے ہوں۔ بہت دنوں سے وہ نظر نہیں آیا تھا۔ اس لئے فریدی کا خیال تھا کہ وہ شہر ہی چھوڑ چکا ہے۔

"کک.... کیسے تشریف لائے تھے جناب۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"آہا.... ٹھہرو بھئی۔" وہ کاریڈر کے موڑ پر رکتا ہوا بولا۔ "یہیں سے عمارت کے بائیں بازو والا کاریڈر شروع ہوتا تھا۔ سنگرام رک گیا۔ فریدی نے پوچھا "سارجنٹ حمید کو پہچانتے ہو نا۔"

"کیوں نہیں۔ ضرور پہچانتا ہوں جناب۔"

"وہ یہاں کتنی دیر بند رکھا گیا تھا۔"

"تقریباً پندرہ گھنٹے.... مم.... مگر....!"

"پرواہ مت کرو۔ میں جانتا ہوں کہ ذمہ داری تم پر نہیں ہے۔ میں صرف سیکریٹری سے دو باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ وہ کہاں ملے گا۔"

"یہ بتانا میرے بس سے باہر ہے جناب۔ ان سے اچانک ہی ملاقات ہوتی ہے کوئی نہیں جانتا کہ وہ کب اور کہاں ہوں گے۔"

"فون نمبر۔"

"خود مجھے کبھی ضرورت نہیں پیش آئی فون کرنے کی۔ اس لئے اس سلسلے میں بھی میں کوئی مدد نہ کرسکوں گا۔ دیکھئے میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ سارجنٹ حمید یہاں کیوں لائے گئے ہیں۔ مجھے تو اس وقت معلوم ہوا جب ان دونوں کو اسٹریچر پر اٹھا کر اندر لایا جارہا تھا۔ ورنہ میں پہلے سے کوئی تدبیر کر لیتا۔"

"یعنی....!" فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"میں آپ لوگوں کو آگاہ کر دیتا کہ آپ کے لئے کوئی جال بچھایا جارہا ہے۔ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ اصلیت کیا تھی۔ لیکن میرا خیال ہے کہ جال ہی تھا۔"

"ہوں....اچھا چلو۔"

"ایک منٹ....میں یہاں دھوکے میں آپھنسا تھا۔ ورنہ آپ جانتے ہی ہیں کہ جب میں دولت گنج میں رہتا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔ اسی لئے مجھے تمہیں یہاں دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کیونکہ تم نے مجھ سے ہی وعدہ کیا تھا کہ اب تم باعزت طور پر زندگی بسر کرو گے اور شاید کچھ دنوں کیلئے سچ بھی کر دکھایا تھا۔"

"بس پھنس گیا تھا۔ پھر بتاؤں گا۔ وقت کم ہے۔ اب آپ کو اس کاریڈر میں مڑنا ہے۔ فرش پر رنگین بلاک لگے ہوئے ہیں۔ پوری راہداری میں سیاہ رنگ کا بلاک صرف ایک ہی ہے۔ اس پر پیر نہ پڑنے پائے۔ احتیاط رکھئے گا۔ میں آپ کے ساتھ ہی رہوں گا۔ لیکن وہ چھ کمبخت۔ میں انہیں راز دار نہیں بنا سکا۔ وہ آس پاس کے کمروں میں چھپے ہوئے ہوں گے۔ جب دیکھیں گے کہ آپ بلاک پر پیر رکھے بغیر ہی گزر گئے تو وہ آپ پر ٹوٹ پڑیں گے۔ دھکیل کر لے جائیں گے اسی بلاک پر اور آپ....!"

"اور میں تیزی سے کسی تہہ خانے میں پہنچ جاؤں گا۔" فریدی مسکرایا۔

"جی ہاں....جی ہاں۔" وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "میں آپ کے ساتھ ہی ہوں گا۔ لمبا قدم رکھ کر سلیپ پار کرتے ہوئے میرے منہ پر ایک زوردار گھونسہ جڑ دیجئے گا اور پھر

ں کے بعد آپ ہی سوچ سکیں گے کہ آپ کو کیا کرنا ہے۔"

"کمپاؤنڈ میں واقعی کتے ہیں۔"

"انتہائی خطرناک.... جو رکھوالے کے علاوہ اور کسی کو نہیں پہچانتے۔ خود سیکریٹری بھی منے آئے تو اس کی بھی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں۔"

"آؤ.... پرواہ مت کرو۔" فریدی دوسرے کاریڈر میں مڑتا ہوا بولا۔

پھر کاٹا

حمید نے اپنا ملاقاتی کارڈ نکالا اور اس کی پشت پر قلم سے فلم ڈائریکٹر لکھ کر ملازم کی طرف ھا دیا۔

وہ اس وقت قاسم کی ذاتی رہائش گاہ خان ولا کے برآمدے میں کھڑا تھا۔

کچھ دیر بعد ملازم نے واپس آ کر کہا۔ "چلئے صاحب۔"

وہ ایک وسیع ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔ پھر ملازم واپس چلا گیا۔ قاسم سامنے ہی فے پر نیم دراز تھا اور اس کے دونوں گال بُری طرح پھولے ہوئے تھے۔ اس کے سامنے ے صوفے پر ایک ادھیڑ عمر کی نرس موجود تھی۔

"قق قوں....قق قوں۔" قاسم نے ہاتھ ہلا کر ہونٹوں کو جنبش دیئے بغیر آوازیں ں۔ غالباً اشارہ تھا بیٹھ جاؤ۔

حمید نے حیرت سے نرس کی طرف دیکھا اور وہ صرف مسکرا کر رہ گئی۔ پھر وہ قاسم کی ف دیکھنے لگا۔

دفعتاً قاسم نے عجیب سی آواز نکالی۔ "یوما.... ہپ.... انکا۔" بھاڑ سا منہ پھیل گیا اور ں کے درمیان لوہے کا ایک بہت بڑا گولا پھنسا ہوا نظر آیا۔

پھر قاسم نے اسے دانتوں سے کھینچنے کی کوشش کر کے غالباً یہ جتایا کہ گولا پھنس گیا ہے۔
نکل نہیں سکتا۔ بوڑھی نرس ہنس رہی تھی۔

اب قاسم نے ایک چھوٹی سے لکڑی اٹھائی اور اسے اپنے سر کے گرد گھمانے لگا۔ پھر
دیکھتے ہی دیکھتے گولا بھی دانتوں سے کھینچا اور اسے اچھالتا ہوا بولا۔ ''یہ دیکھو۔''

گولا بھد سے زمین پر گرا۔ نرس بے تحاشہ ہنس رہی تھی۔

''پھنس جاتا ہے سالا.... پھر جادو کی لغڑی گھمانی پڑتی ہے۔'' قاسم نے بھی بہت زیادہ
خوش ہو کر کہا اور داد طلب نظروں سے حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

''اچھا اب مجھے اجازت دیجئے۔'' نرس اٹھتی ہوئی بولی۔

''بہت اچھا.... بہت اچھا'' قاسم نے بھی اٹھتے ہوئے اخلاقاً دانت نکالے۔

نرس کے چلے جانے پر حمید نے قاسم کو گھورتے ہوئے پوچھا۔ ''آپ کی تعریف۔''

قاسم بُرا سا منہ بنا کر آہستہ آہستہ بڑبڑایا۔ ''صورت حرام.... کمینی.... ذلیل۔''

''ہائیں کسے گالیاں دے رہے ہو۔''

''انہیں بیگم صاحب کو۔ خود اکیلے اکیلے۔ دیکھ لیں گی تماشہ.... صاحب جادی کو کبھی ساتھ
نہ لائیں گی۔'' قاسم نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔ پھر جھلا کر بولا۔ ''اے قیوں نہ دوں گالی۔
توئی شرافت ہے۔''

''کیا کہہ رہے ہو پیارے۔ سمجھنے بھی تو دو۔''

''اے خود تو دیکھتی ہیں تماشہ وماشہ اور وہ بیچاری گھر میں اکیلی پڑی جلا کڑھا کرتی ہے۔''

''کون۔''

''ٹھینگے سے۔'' قاسم پھر جھلا گیا۔ ''بھس میں عقل بھرا ہوا ہے تمہارے۔ اتی سی بات؟
میں نہیں آتی....!''

''سمجھ گیا.... لیکن یہ محترمہ اکیلی ہی سہی آتی کیوں ہیں۔''

''قیوں نہ آئیں۔ روق دو۔ اگر ہمت ہو۔'' قاسم نے مرنے مارنے والے انداز میں

نہیں نکالیں۔

''یہ مطلب نہیں تھا پیارے۔ میں تو اس کی نالائقی پر خفا ہو رہا تھا۔''

''ہے نا نالائک.... واہیات۔''

''خیر یہ بتاؤ شکایت تو نہیں آئی۔''

''ہاں.... خوب یاد دلایا۔'' قاسم دہاڑا۔ ''یہ بتاؤ بیٹا چار سو بیس تم نے مجھے الو کیوں بنایا
لئے شوٹنگ ہو رہی ہے.... اور ہو رہا تھا سالا قچھ گھپلا.... اے اس سیکریٹری صاحب کو رحم
گیا تھا.... ورنہ تمہاری وہ کٹو بیغم تو کھال کھنچوا کر بھس بھرا دیتیں۔''

''اچھا تو پھر سانپ تم نے ڈالا ہوگا اس کی گاڑی میں۔''

''میں نے.... اے کیوں جھوٹ بولتے ہو۔ آنکھیں پھوٹ جائیں تن من کیڑے پڑیں
میں نے ڈالا ہو۔ واہ بھئی کھوب رہی۔''

''تو بتاؤ نا.... پھر کس نے ڈالا تھا۔''

''اے میں قیا جانوں پیارے بھائی۔''

''کسی نے ڈالا تھا بہر حال محض اس لئے کہ ہم پکڑے جائیں.... مگر کیوں؟''

''تم ہی پھر ماؤ.... اپنے تو کچھ پلے پڑتا نہیں۔''

''ہمارے کسی دشمن کی حرکت تھی تا کہ ہم پھنس جائیں۔ سنا ہے تمہارے باپ بہت ظالم
دمی ہیں۔''

''ملقل بلقل....!'' قاسم نے کچھ سوچتے ہوئے ٹھنڈی سانس لی پھر گڑبڑا کر پیٹ پر
پھیرتا ہوا بولا۔ ''ہائے اللہ اب میں کیا قروں۔ اگر شکایت ہوگئی..... ارے باپ رے۔''

اس نے تھوک نگلتے وقت خوفزدہ انداز میں آنکھیں نکالیں اور اس طرح گردن مسلنے لگا
حلق خشک ہو رہا ہو۔

''پوچھا تھا تمہارے باپ نے۔''

''ابھی تو نہیں.... قیا.... پوچھیں گے؟''

’’میں کیا جانوں۔‘‘

’’نہیں بتادو پیارے بھائی.... الاقسم پوچھ بیٹھے تو کیا ہوگا۔ابے وہ زبان سے نہیں پوچھتے ہائے باپ رے۔‘‘

’’ارے تو کیا واقعی پٹائی ہوتی ہے۔‘‘

’’ہاں....!‘‘ قاسم دردناک آواز میں کراہا۔’’بس کیا بتاؤں۔ مکدر کی خرابی۔ میں اتنا بڑا ہوگیا ہوں مگر میرے بابا جان ابھی تک نہیں مرے۔ اُوف.... اُوع.... یعنی کہ ارے باپ رے کیا بق رہا ہوں۔‘‘ وہ خاموش ہوکر اپنے ہونٹوں پر ہاتھ رسید کرنے لگا۔

حمید ہنس پڑا۔ پھر بولا۔’’اچھا کوہستان سلمہ اب ایک بات یاد رکھو۔ کوئی بھی کچھ پوچھے اس واقعہ کے متعلق صاف انکار کردینا۔ تم کچھ نہیں جانتے۔ تم نے کسی لڑکی کو کبھی سانپ سے نہیں بچایا تھا۔ سب جھوٹ ہے۔ بکواس ہے۔‘‘

’’ہائیں۔ سب جھوٹ تھا۔ سب جھوٹ ہے۔ بکواس ہے۔‘‘

’’خیر یہاں تو صرف آنکھیں پھوٹیں گی لیکن تمہارا بھرتا بن جائے گا۔ بس اب میں جارہا ہوں۔ یہی کہنے آیا تھا۔‘‘

’’اَے.... اَے.... اے.... ارے.... ٹھہرو نا۔ میری بھی تو سنتے جاؤ۔‘‘

حمید رک کر مڑا اور قاسم مسمسی سی صورت بنا کر بولا۔’’یوں کھفا ہوکر نہ جاؤ۔ پیارے نہ جانے قیا بات ہے جب سے تمہیں دیکھا ہے ہر وقت تمہارے لئے بے قرار رہتا ہوں۔ ہی ہی ہی.... الاقسم.... یکین کرو۔ تم میں پتہ نہیں کدھر سے جادو بھرا ہوا ہے۔ ایسا دوست آج تک نہیں ملا اور اے ہاں۔ یہ تمہارے کارڈ پر یہ کیا لکھا ہوا ہے۔ کیا واقئی تم قوئی آفیسر ہو۔‘‘

’’حمید نے اُسے سمجھایا کہ وہ کون ہے۔‘‘

’’اے تو پھر کرو نا جاسوسی واسوسی۔‘‘ قاسم خوش ہوکر بولا۔’’میں نے ایک پھلم میں دیکھا تھا۔ لونڈیاں دھڑا دھڑ مرتی ہیں جاسوسوں پر.... اللہ۔‘‘ قاسم نے ٹھنڈی سانس لی اور خاموش ہوکر کچھ دیر تک کسی خیال میں گم منہ چلاتا رہا۔ پھر بولا۔’’ہائے ہم نہ ہوئے قسی کابل۔

فکر مت کرو نورِ نظر.... میں تمہیں ققابل بنادینے کا ارادہ رکھتا ہوں۔‘‘

یہ کیا ہوتا ہے پیارے بھائی۔‘‘

بہت زیادہ قابل۔ اچھا بس آرام کرو۔ میں چلا۔‘‘

ارے نہیں اِتی جلدی نہ کرو۔ ہائے یہ جالم جمانا.... اب دیخو جو یہ چپاتی بیغم۔ ابھی ی تھیں۔ بیماری میں میری دیخ بھال کرتی ہیں ارے تو جب بیمار نہیں ہوتا تب بھی کیوں ی ہیں.... ہاں صاحب.... تماشہ دکھا دیجئے اور وہ نہیں آتیں کبھی تماشہ دیکھنے....!‘‘

کون....؟‘‘

ارے وہی.... ان کی صاحب جادی۔‘‘

ان میں کیا خاص بات۔‘‘

ارے واہ قوئی خاص بات ہی نہیں ہے۔ اے جاؤ.... بس جل گئے۔‘‘

کہاں کی ہانک رہے ہو۔‘‘

لو اور سنو.... میں جھوٹ بول رہا ہوں۔‘‘

’’یار بس ختم کرو۔ میں چلا پھر ملوں گا۔‘‘ حمید نے تیزی سے قدم بڑھائے۔ قاسم پکارتا یا۔

ریدی محتاط ہوکر قدم اٹھا رہا تھا۔ دفعتاً سنگرام نے سرگوشی کی۔’’ہاتھ ایسا ہی ہونا چاہئے ماحب کہ میں کچھ دیر کے لئے بے کار ہو جاؤں۔‘‘

ریدی کچھ نہ بولا۔ راہداری میں فرش پر لگے ہوئے بلاک کم از کم سولہ مربع فٹ کے ہے ہوں گے۔ فریدی نے سیاہ رنگ کے مربع بلاک کے قریب پہنچ کر چھلانگ لگاتے

ہوئے سنگرام کی کنپٹی پر ایک ہاتھ جڑ دیا۔

لیکن ان چھ آدمیوں نے بھی ظاہر ہونے میں دیر نہیں لگائی جن کے متعلق سنگرام اسے پہلے ہی بتا چکا تھا۔

سنگرام اتفاق سے سیاہ رنگ کے بلاک پر ہی گرا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ بلاک سمیت فرش پر دھنستا چلا گیا اور جلد ہی کھٹاکے کی آواز کے ساتھ بلاک دوبارہ اپنی جگہ پر نظر آیا لیکن سنگرام کا اب کہیں پتہ نہ تھا۔

ان چھ آدمیوں نے فریدی پر اسی نیت سے حملہ کیا تھا کہ کسی طرح اُسے سیاہ بلاک کی طرف دھکیل لے جائیں لیکن ایسی صورت میں جبکہ فریدی ہوشیار ہو چکا تھا ہر چیز ناممکن ہی تھی۔ پہلے تو وہ لوگ بڑی خاموشی سے جدوجہد کرتے رہے لیکن جب فریدی کے ہاتھ پڑنے شروع ہوئے تو ضبط کے باوجود بھی ان کے بھنچے ہوئے ہونٹوں سے غراہٹیں اور کراہیں آزاد ہونے لگیں۔ وہ خود بھی اس سیاہ رنگ کے بلاک سے بچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن دفعتاً ایک آدمی لڑکھڑا ہی گیا۔ اس پر سے فریدی کی ٹانگ ..... اچھلا اور اسی بلاک پر جا پڑا۔ پھر قبل اس کے کہ وہ سنبھلتا بلاک کافی گہرائی میں دھنس چکا تھا۔

اب تو شور سے کاریڈر گونجنے لگا تھا۔ وہ فریدی کے ہاتھ کھا کر گرتے پھر سنبھلتے اور سرے سے حملہ شروع ہوتا۔ پھر شاید آہستہ آہستہ وہ بھولتے گئے کہ فریدی کو گھیرنے کا مقصد تھا۔ اب تو وہ اپنی جدوجہد کا نتیجہ فریدی کی لاش کی شکل میں دیکھنا چاہتے تھے۔

دفعتاً کاریڈر کے سرے سے تارا کی سریلی سی گرج سنائی دی۔ ”ٹھہرو..... یہ کیا ہو رہا ہے؟“

لیکن فریدی نے اس آدمی کو دوسروں پر پھینک ہی مارا جسے اس نے سر سے بلند کر رکھا تھا۔

پھر بلاک ایک جھٹکے کے ساتھ رک گیا اور مار کھائے ہوئے لڑاکے کو ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے اُسے بلاک سے دھکا دے دیا ہو۔ گھر گھراہٹ کی آوازیں کانوں میں گونج رہی تھیں۔ بلاک پھر تیزی سے اوپر جا رہا تھا۔

”او حرام خورو۔“ اس نے سیکریٹری کی گرج سنی اور بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔

سیکریٹری سامنے ہی کھڑا نظر آیا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور جسم غصے سے کانپ رہا تھا۔ ان کے قریب ہی سنگرام بے ہوش پڑا تھا۔

”یہ کیا ہو رہا ہے۔“ اس نے دانت پیس کر کہا۔

”فف..... فریدی سرکار۔ پہلے اس نے استاد کو مارا۔ وہ بلاک ہی پر گرے اور اب.....!“

”اوہ.....!“ سیکریٹری نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اب وہ خود بھی اس کا شروع کر دے گا۔

”سرکار..... وہ ہوشیار تھا۔ اس نے کالے بلاک کے قریب پہنچ کر چھلانگ لگائی تھی اور وہ گر گیا تھا۔ استاد نے پکڑنا چاہا لیکن خود ان کا یہ حشر ہوا۔“

وہ بے ہوش سنگرام کی طرف دیکھنے لگا پھر تیزی سے اس کے قریب دوزانو ہو کر جھکتا ہوا بولا۔ ”میرے خدا..... یہ دیکھئے سرکار..... چہرے پر بائیں جانب کتنا ورم آ گیا ہے۔ پتہ نہیں یہ کس دھات سے بنایا گیا ہے۔“

”بکواس بند کرو۔“ سیکریٹری غرایا۔ ”تم سب ناکارہ اور بزدل ہو۔ میں نے تمہارے انتخاب میں غلطی کی تھی۔“

اس ریمارک پر لڑاکے کا منہ بگڑ گیا۔ اس نے کینہ توز نظروں سے سیکریٹری کی طرف دیکھا اور زہریلے لہجے میں بولا۔ ”فریدی حلوہ نہیں ہے جناب۔ ہمارے پیشے کا ہر آدمی اُسے ہوا سمجھتا ہے۔ سارے شہر میں ایک بھی ایسا بدمعاش نہ ملے گا جو اس کے سائے سے بھی بچنے کی کوشش نہ کرتا ہو۔“

”خاموش رہو۔“ سیکریٹری غرایا۔

پھر ایک بیک لڑاکے کی آنکھوں میں دیوانگی کی جھلکیاں دکھائی دینے لگیں اور اس نے زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”سرکار کے حکم سے ہم نے نہ جانے کیا کچھ کیا ہے۔ لیکن یہ سچ ہے سرکار۔ میرا فرض ہے کہ آپ کو آگاہ کر دوں۔ یہاں اس شہر میں وہ دھاندلیاں نہیں چلیں گی۔ شہر کے کسی بھی جرائم پیشہ آدمی سے پوچھئے وہ آپ کو یہی بتائے گا کہ فریدی سوتے

وقت بھی ایک آنکھ سے جاگتا رہتا ہے۔''

''میں کہتا ہوں بکواس بند کرو۔'' اس بار سیکریٹری کی آواز بہت بلند ہوگئی۔ وہ خونخوار
نظروں سے لڑاکے کو گھور رہا تھا۔

''تم حرام خور ہو۔ مفت کے ٹکڑے توڑتے ہو۔'' چند لمحے بعد وہ پھر غرایا۔ ''یا پھر ا
سے مل گئے ہو۔''

''میں کہتا ہوں استاد کی خبر لیجئے۔'' لڑاکے نے بے ہوش سنگرام کی طرف دیکھ کر
''چہرے پر ورم اچھی علامت نہیں۔ بسا اوقات فریدی کا تھپڑ گردن توڑ بھی ثابت ہوا ہے۔''

''خاموش رہ.... کیا تجھے اس کی قصیدہ خوانی کے لئے تنخواہ ملتی ہے۔''

''سرکار.... اپنا لہجہ سنبھالئے.... ہم اس کے عادی نہیں۔ خواہ ہمارا باپ ہی کیوں نہ گ
کر رہا ہو۔''

سیکریٹری چونک پڑا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے سوتے سے جاگا ہو اور پھر اس کے چہرے
رنگت بدلنے لگی۔ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے کچھ دیر پہلے کی وجاہت محض ایک نقاب رہی ہو۔
اب کتنا بھیانک چہرہ تھا۔ لڑاکا بھی بوکھلایا ہوا سا نظر آنے لگا۔ پھر اس نے سیکریٹ
منہ بھی پھیلتے دیکھا۔ بالکل اسی انداز میں جیسے جھپٹ کر کاٹ ہی تو کھائے گا۔

وہ یونہی خواہ مخواہ ہنس پڑا.... لیکن آواز میں خوف کی لرزش بھی شامل تھی۔

سیکریٹری کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں کسی سانپ کی آنکھ
کی سی چمک تھی اور دانت کسی بھیڑیئے کے دانتوں سے مشابہ نظر آتے تھے۔

دفعتاً اس نے لڑاکے پر چھلانگ لگائی لڑاکا بوکھلا کر پیچھے ہٹا لیکن سنبھل نہ سکا۔ فرش
گرنے سے پہلے ہی سیکریٹری کی گرفت میں آچکا تھا۔ پھر تہہ خانہ اس کی چیخوں سے گونج
اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ہڈیاں کڑکڑا رہی ہوں۔ سیکریٹری کی گرفت اتنی ہی سخت تھی
بتدریج مزید سخت ہوتی جارہی تھی۔

پھر اس کے دانت لڑاکے کے بائیں گال میں پیوست ہوگئے۔

''ارے.... ارے.... یہ کیا.... کاغ.... چھوڑ ارے.... چھوڑ سُور کے بچے۔'' تارا کی آواز
ان کے ہاتھ رک گئے۔

''یہ کیا بیہودگی پھیلائی ہے تم لوگوں نے۔'' وہ غصیلی آواز میں کہتی ہوئی آگے بڑھی۔

''وہیں ٹھہریئے۔'' فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''کیوں.... کیا بات ہے۔ یہ کیا ہوا۔ تم لوگوں نے اس کی جرأت کیسے کی۔ کس کے حکم
ے۔'' تارا آپے سے باہر ہو رہی تھی۔ فریدی نے اُسے غور سے دیکھا۔ اس کی دانست میں
کا انداز بناوٹی نہیں تھا۔ لیکن پھر.... پھر شاید وہ سیکریٹری کے معاملے میں دخیل نہیں ہے۔
ری نے سوچا۔ حتیٰ کہ اس کے مختلف مشاغل کا علم بھی نہیں رکھتی۔

''ہم سے سنگرام نے کہا تھا کماری جی۔'' ایک آدمی نے ہانپتے ہوئے کہا۔

''سنگرام کہاں ہے۔''

''پپ پتہ نہیں۔'' اس نے فریدی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اس سے فریدی نے اندازہ کرلیا کہ تارا شاید نہیں جانتی کہ یہاں کوئی تہہ خانہ بھی ہے۔
اس نے ایک آدمی کو سیاہ بلاک پر دھکیل دیا۔ لیکن اس بار بلاک نے اپنی جگہ سے جنبش بھی
ا اور وہ آدمی فریدی کو گھورتا ہوا دوسری طرف ہٹ گیا۔

''اب آپ قریب بھی آسکتی ہیں۔'' فریدی مسکرایا۔

''آپ یقین کیجئے اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہے۔'' تارا آگے بڑھتی ہوئی بولی۔

''مجھے یقین ہے۔''

''آخر سنگرام کو جرأت کیسے ہوئی۔'' اس نے قریب پہنچ کر ان پانچوں کو مخاطب کیا۔

''ہم کچھ نہیں جانتے سرکار....!'' ایک آدمی نے جواب دیا۔ ''ہم تو حکم کے بندے
سکٹر صاحب کا حکم ہے کہ ہم سنگرام کا ہر حکم بجالائیں۔''

"وہ ہے کہاں مجھے بتاؤ۔"

وہ آدمی پھر فریدی کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔ فریدی بڑی بے پروائی سے سر جھکائے سگار سلگا رہا تھا۔

فرار

کرائم رپورٹر انور، ریاست ورگوری میں بھٹکتا پھر رہا تھا لیکن اس کے جسم پر چیتھڑے جھولتے نہ دیکھے جاسکے۔ ویسے رشیدہ نے بابا خاور کو یہی اطلاع دی تھی کہ وہ ایک رات دیوانگی کے عالم میں دفتر سے نکل بھاگا تھا۔ دو دن تک شہر کے بعض حصوں میں دیکھا گیا لیکن پھر اس کا کہیں پتہ نہ چلا۔

ہوا یہ کہ انور دفتر میں بیٹھا دوسرے دن کے لئے جرائم کی خبریں مرتب کر رہا تھا۔ اتنے میں رشیدہ اس کی میز پر آئی۔ اُسے حقیقتاً ان دنوں انور کے متعلق بڑی تشویش تھی۔ پہلے تو وحیدہ بانو کی کہانی کو محض مذاق سمجھی تھی لیکن پھر کچھ کچھ یقین ہو چلا۔ بات بھی ایسی ہی تھی کہ الجھن میں مبتلا ہو جاتی۔ اس نے انور کے فلیٹ میں اس کی میز پر کاغذ کا ایک ٹکڑا دیکھا جس پر مختلف انداز میں جابجا "وحیدہ بانو" لکھا ہوا تھا۔ کہیں ڈیزائنوں میں کہیں بخط نسخ اور کہیں نستعلیق میں۔ ایک آدھ جگہ پنسل سے خوبصورت سی آنکھیں بھی بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔ پھر ایک جگہ دیوار پر بھی پنسل سے "وحیدہ بانو" گھسیٹا ہوا نظر آیا تھا۔

بہرحال وہ مطمئن نہیں تھی۔ اس وقت شامت اعمال ہی کہنا چاہئے کہ اس کی زبان سے وحیدہ بانو کا نام رپٹ گیا۔ وہ بھی طنزیہ انداز میں۔

اس نے کہا۔ "بالکل مجنوں نظر آ رہے ہو۔ شاید وحیدہ بانو براجمان ہیں کھوپڑی میں۔"

بس پھر کیا تھا خلاف توقع انور اچھل کر کھڑا ہو گیا.... تیور غیر معمولی تھے۔

"ہاں وحیدہ بانو براجمان ہیں۔" وہ اتنی زور سے چیخا کہ سارا دفتر گونج اٹھا۔

"پاگل ہو گئے کیا۔"

انور پھر اسی انداز میں چیخا اور پاگلوں کی طرح اپنے بال نوچنے لگا۔

یہ قطعی غیر متوقع اور انوکھی حرکت تھی۔ آفس میں اُن کی نوک جھونک جاری رہتی تھی لیکن اس حد تک نہیں کہ آس پاس کے کمروں میں بھی ان کی گونج سنائی دیتی۔ انور کے کمرے کے باہر خاصی بھیڑ اکٹھی ہو گئی اور سرکولیشن منیجر کمرے میں داخل ہوا۔ یہاں اس وقت انور نے اپنی قمیض پھاڑ ڈالی تھی اور اب شاید دیوار سے ٹکرانے کے لئے اسٹارٹ لے رہا تھا۔

"ہائیں.... ہائیں.... یہ کیا ہو رہا ہے۔" سرکولیشن منیجر چیخا۔

لیکن انور نے اس کی بات کا جواب دیئے بغیر دیوار سے سر ٹکرا ہی دیا اور ساتھ ہی وحیدہ بانو کے نام کا نعرہ لگایا۔

پھر دوسری بار بھی وہی حرکت دہرانے والا تھا کہ کچھ لوگ اور بھی آ گئے اور انہوں نے اسے پکڑ لیا۔ لیکن وہ بے تحاشہ ہنس رہے تھے۔

"ہنستے ہو۔" انور حلق پھاڑ کر دھاڑا۔ "مجھے پاگل سمجھتے ہو میں پاگل ہوں۔"

انور اس رنگ میں پہلے کبھی نہیں دکھائی دیا تھا اس لئے انہیں سنجیدگی ہی اختیار کرنی پڑی۔ انہوں نے انور کو چھوڑ دیا اور وہ اس طرح سمٹ کر اکڑوں بیٹھ گیا جیسے کپڑے بھیگ جانے کی وجہ سے سردی لگ رہی ہو۔ وہ اس کے چاروں طرف خاموشی سے کھڑے رہے۔ رشیدہ کو تو گویا سانپ سونگھ گیا تھا۔

انور دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے ہوئے سسکیاں لیتا ہوا بولا۔ "ہٹاؤ اس عورت کو۔ خدا کے لئے یہاں سے لے جاؤ۔ یہ مجھے زندہ نہیں رہنے دے گی۔" پھر سر اٹھا کر حلق کے بل چنگھاڑا "لے جاؤ۔"

اس کے تھوڑی ہی دیر بعد وہ شہر کی سڑکوں اور گلیوں میں اس حال میں نظر آیا کہ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا پتھر تھا اور چھوٹے چھوٹے بچے اس کے پیچھے تالیاں بجاتے پھر رہے

تھے۔ کبھی کبھی وہ پتھر ان کے کھینچ بھی مارتا۔ لیکن اس طرح نہیں کہ کوئی اس کی زد میں آجاتا۔

دو دن تک وہ اسی طرح بھٹکتا رہا۔ دراصل اندازہ کرنا چاہتا تھا کہ اس کا تعاقب تو نہیں کیا جاتا۔ پھر اسے یقین ہی ہو گیا کہ فریدی کا خیال درست تھا۔ یعنی ان لوگوں نے خود اُسے کوئی اہمیت نہ دی۔ یہی سمجھتے ہیں کہ فریدی نے اُسے بلیک میلنگ اسٹف سے آگاہ نہ کیا ہوگا۔ صرف آلہ کار کی حیثیت سے استعمال کیا ہے۔

یقین کی وجہ یہی تھی کہ دیوانگی کے ان دو دنوں میں اپنے آس پاس کوئی ایسا آدمی نہیں دکھائی دیا تھا جس پر نگرانی کرنے والے کا شبہ بھی ہو سکتا۔

دو دن بعد اس نے اپنے حلئے میں معمولی سی تبدیلی کی اور چل پڑا ریاست ورگوری کی طرف۔ لیکن یہ فریدی کا کام نہیں تھا بلکہ اُسے اس غضب ناک سوتیلی بہن کی تلاش تھی جس نے اپنے بھائی کے دونوں کان اکھاڑ لئے تھے۔

ورگوری میں وہ سارا دن بھٹکتا پھرا۔ لیکن رانا پرمود کے متعلق معلومات بہم پہنچانے کے علاوہ اور کچھ نہ کر سکا۔ کہیں بھی کوئی ایسی غضب ناک سوتیلی بہن نہ مل سکی۔

کیپٹن اسمتھ متحیرانہ انداز میں آنکھیں پھاڑے فریدی کی کہانی سن رہا تھا۔

''پرنسز تارا قطعی طور پر لاعلم ہے۔ وہ نہیں جانتی کہ محل میں کوئی تہہ خانہ بھی ہے کیونکہ ان پا [illegible]ں بدمعاشوں نے اُسے سنگرام اور دوسرے آدمی کا پتہ نہیں بتایا تھا۔'' فریدی نے خاموش [illegible] ر جیبیں ٹٹولیں۔

''تم سگار سلگا سکتے ہو انسپکٹر۔'' اسمتھ مسکرا کر بولا۔

''شکریہ جناب۔'' فریدی نے سگار کیس نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''لڑکی

خوفزدہ بھی تھی اور شرمندہ بھی۔ مجھے یقین ہے کہ اس حرکت میں صرف سیکریٹری ہی کا ہاتھ تھا۔''

کیپٹن اسمتھ نے سگار لے کر سلگایا اور کش لے کر بولا۔ ''یہ کون سی برانڈ کے سگار ہیں مسٹر فریدی۔''

''ڈائرکٹلی امپورٹڈ فرام جاوا.... یہاں نہیں ملیں گے۔'' فریدی نے کہا اور اپنا سگار سلگا کر بولا۔ ''میری دانست میں تو اس مسئلے پر خاموشی ہی اختیار کرنی چاہیے۔''

''اوہ.... تم نے میرے منہ کی بات چھین لی۔ اگر تم اس سلسلے میں کسی باضابطہ کارروائی کا مطالبہ کرتے تو میں بڑی الجھن میں پڑ جاتا۔''

''مجھے حیرت ہے جناب۔''

''تم نہیں سمجھ سکتے۔ سیکریٹری سے آئی جی کے بے حد گہرے تعلقات ہیں اور آئی جی سے زیادہ کمینہ آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔ لوگ اُسے عام طور پر انگریز سمجھتے ہیں لیکن وہ ایک جرمن کتیا کی اولاد ہے، عورت فاحشہ تھی۔ ضروری نہیں کہ وہ سر ٹوبی ہی کا نطفہ ہو۔''

''پھر بھی.... آخر یہ تعلقات کس نوعیت کے ہیں۔''

''سیکریٹری اس کے لئے لڑکیاں فراہم کرتا ہے۔''

''ہوں....!'' فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا۔ ''کیا آپ خاور اور سیکریٹری کے درمیان کسی قسم کے تعلقات کا علم رکھتے ہیں۔''

''دیکھو بھئی۔ خاور کو درمیان میں نہ لاؤ۔ وہ بہت گریٹ آدمی ہے۔ ایسا باکمال آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔ جانتے ہو اس نے تمہاری شکایت کرنے سے پہلے کیا کہا تھا۔''

فریدی استفہامیہ انداز میں خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

''اس نے کہا تھا کہ وہ نہیں چاہتا کہ تمہارے خلاف کوئی کارروائی کی جائے اگر کی گئی تو اُسے دکھ ہوگا۔ بس اتنا کہا جائے کہ تمہیں سلیقہ سکھایا جائے کسی کے مکان میں بغیر اجازت داخل ہونا بُری بات ہے۔ مگر سنو۔ آخر تمہیں اس سے کیا شکایت ہے۔''

''بہت ہی معمولی قسم کی شکایات ہیں اور یہ غلط ہے کہ میں بغیر اجازت کے عمارت میں

داخل ہوا تھا۔ خاور کو یقینی طور پر غلط فہمی ہوئی تھی۔ باہر ملازم موجود تھا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ اندر جانے پر کوئی پابندی نہیں۔ ہر آدمی جا سکتا ہے۔"

"مطلب یہ کہ وہ تو ٹھیک ہے لیکن عمارت کے بعض حصے ایسے بھی ہیں جنہیں وہ صرف نجی ضروریات کے لئے مخصوص رکھتا ہے۔"

"تو پھر اس منزل پر میں ہی کسی غلط فہمی کا شکار ہو سکتا ہوں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"خیر اسے جانے دیجئے۔ شاید میں خاور سے معافی مانگ لوں۔ ہاں تو پھر سیکریٹری کے لئے مجھے کیا کرنا چاہئے۔ وہ خواہ مخواہ میرے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے۔"

"سارجنٹ حمید کی کہانی۔"

"یقین کیجئے کہ کوبرا اس نے گاڑی میں نہیں ڈالا تھا۔ البتہ اس کی ضمانت نہیں دی جا سکتی کہ وہ اتفاقاً ہی ادھر جا نکلا تھا یا سچ مچ تارا اُسے اچھی لگی تھی۔ اُسے کیا اچھی لگی ہوگی اس کے ساتھ ایک آدمی اور بھی تھا خان بہادر عاصم کا لڑکا۔ رولس اسی کی تھی۔ آپ جانتے ہیں اس طبقہ کے لوگ کیسے اوباش ہوتے ہیں۔"

"تو پھر یہی کہا جا سکتا ہے کہ خود سیکریٹری نے حمید کو پھانسنے کی کوشش کی تھی۔"

"مگر کیوں؟ اچانک اسی موقع پر کیوں جب مجھے کٹے ہوئے ہاتھوں کی تلاش تھی۔ ڈاکٹر ڈف اور اس کی لڑکی اس طرح کیوں مار ڈالے گئے اور اسی زمانے میں جب میں اس کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا ایسا کیوں ہوا۔"

"تم مجھے الجھن میں ڈال رہے ہو۔" اسمتھ اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بولا۔

"میں نہیں سمجھا۔"

"تم ہمیشہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسے ہی شکار نکالتے ہو جن کے بڑے بڑے آفیسرز سے تعلقات ہوں۔"

"اُوہ.... یہ میری بدقسمتی ہے کہ عموماً ایسی ہی اتفاقات ہوتے ہیں۔"

"ٹھہرو۔ مجھے سوچنے دو۔" ایس پی اسمتھ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ اس کے ماتھے پر تفکر کی گہری

لکیریں تھیں۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "اگر سیکریٹری ہی تمہارے پیچھے پڑ گیا ہے تو اس بار یقینی طور پر ہمیں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ممکن ہے محکمے کو تم سے ہاتھ دھونے پڑیں۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں لیکن کام بہرحال جاری رہے گا۔ میں آپ سے وعدہ کر چکا ہوں کہ مہاراج کمار کا کیس ضرور نپٹاؤں گا۔"

"شکریہ مسٹر فریدی۔"

"اور یہ تو بڑی اچھی بات ہے کہ سیکریٹری نے خود ہی چھیڑ چھاڑ شروع کی ہے۔"

"بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے مسٹر فریدی۔" کیپٹن اسمتھ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کیونکہ تم پرمود ہاؤز کے تہہ خانے والے راز سے واقف ہو گئے ہو۔ سنو.... ایک مشورہ ہے۔"

"فرمائیے۔"

"تم دو ماہ کی چھٹی کی درخواست دے دو ابھی اور اسی وقت۔ اور میں اُسے آج ہی کی تاریخ میں منظور بھی کر لوں۔ ورنہ یقین رکھو کہ کل تک تمہارے تبادلے کا حکم آ جائے گا اور وہ بھی کچھ اس قسم کا یا تو چوبیس گھنٹے کے اندر تم چارج دے دو یا اپنی عادت کے مطابق استعفےٰ۔"

"تجویز مناسب ہے۔" فریدی مسکرایا۔ "لیکن حمید کا کیا ہوگا۔"

"اس سے بھی چھٹی کی درخواست دلواؤ۔ بہتر ہے۔"

انور کا دوسرا دن تھا ورگوری میں۔

ورگوری چھوٹا سا خوبصورت شہر تھا جسے بڑے سلیقے سے بسانے کی کوشش کی گئی تھی۔ یہاں ایک عظیم الشان ہوٹل کی موجودگی بھی اسے بعض دوسرے بڑے بڑے شہروں سے ممیتز کرتی تھی۔ یہ تھا ولنگڈن ہوٹل.... کہا جاتا ہے کہ اس کا نقشہ رانا پرمود نے یورپ سے بجھوایا تھا اور ایک یورپین انجینئر ہی کی نگرانی میں اس کی تعمیر بھی ہوئی تھی۔

انور نے ولنگڈن ہی میں قیام کیا کیونکہ وہ آج کل پھکو بھی نہیں تھا۔ ایک ہزار فریدی ہی سے ملے تھے اور پھر وہ دو ہزار جن کے متعلق وہ کش مکش میں تھا کہ ان کا کیا مصرف ہونا چاہئے بہرحال ضرورت پڑتی تو وہ خرچ کر دینے سے بھی دریغ نہ کرتا۔

اس وقت وہ ڈائننگ ہال میں ناشتہ کر رہا تھا۔ دفعتاً ایک بوڑھے انگریز کو دیکھ کر چونک پڑا۔ کیونکہ اس کی چال جانی پہچانی سی معلوم ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ایک دیسی آدمی بھی تھا۔ انور ذہن پر زور دینے لگا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ان دونوں نے ایک میز منتخب کر لی۔ انگریز ڈاڑھی والا تھا۔

بات ذہن سے نکل جانی چاہیے تھی۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ لوگ جانے پہچانے سے معلوم ہوتے ہیں لیکن ان کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی جاتی.... لیکن انور نہ جانے کیوں الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا۔

ان کی میز اتنی دور تھی کہ وہ ان کی گفتگو بھی نہیں سن سکتا تھا۔ ناشتہ ختم کر کے کاؤنٹر کلرک کے پاس جانے کے لئے وہ ان کے قریب ہی سے گزرا لیکن اس وقت وہ خاموش تھے۔ یہ کچھ ہی دیر پہلے ہوٹل میں داخل ہوئے تھے۔ آمد غالباً باہر ہی سے ہوئی تھی کیونکہ ان کے ساتھ ان کے سوٹ کیس بھی تھے جنہیں پورٹر اوپری منزل کی طرف لیتا چلا گیا تھا اور یہ دونوں قیام کرنے والے رجسٹر پر دستخط کر کے اس میز پر آ بیٹھے تھے اب انگریز شراب پی رہا تھا اور دیسی صرف پائپ کا دھواں بکھیر رہا تھا۔

پھر پائپ نے انور کو مزید الجھنوں میں ڈال دیا۔ کیونکہ وہ بھی جانا پہچانا سا معلوم ہوا تھا۔ اوہو.... اس نے سوچا.... وہ دنیا کا واحد پائپ ہے جسے صرف ایک ہی آدمی استعمال کر سکتا ہے اگر اس کے پاس سے بھی وہ چوری نہ ہو گیا ہو۔ کیونکہ وہ پائپ ہالینڈ کے ایک کارپینٹر نے تراشا تھا اور تحفتاً ایک ایسے آدمی کو پیش کیا تھا جسے دیکھ کر ہی انور کو غصہ آ جاتا تھا۔ پھر یہ آدمی سارجنٹ حمید کے علاوہ اور کون ہوتا۔

وہ کاؤنٹر تک گیا اور کاؤنٹر کلرک سے دو چار باتیں کر کے پھر واپس آیا۔ دراصل اب د ان کے قریب ہی کی میز پر بیٹھنا چاہتا تھا۔

ایسی ایک میز خالی بھی مل گئی۔ دیسی کی پشت انور کی طرف تھی اور وہ انگریز سے کہہ ر تھا۔ ”اگر تمہیں اس وقت سرڈگم بیگم کے مظالم یاد آئے تو تمہیں خاک میں ملا دوں گا سمجھے۔“

آواز بھی انور نے صاف پہچانی۔ یہ حمید ہی تھا۔ پھر انگریز سارجنٹ ہنری کے علاوہ اور بن ہونا جبکہ سرڈگم بیگم کا حوالہ بھی موجود تھا۔ لیکن یہ میک اپ یہ ان دونوں کے بس کا روگ تو ہیں۔ فریدی کا ہاتھ یقیناً ہوگا۔ آنکھوں کی بناوٹ پر بھی اثر انداز ہونا صرف اسی کے باکمال نوں کا کرشمہ ہو سکتا تھا۔ آنکھوں کی بناوٹ کی تبدیلی ہی کی بناء پر انور کو انہیں فوری طور پر بان لینے میں دشواری ہوئی تھی۔

”دیکھو اچھے لڑکے۔“ ہنری کہہ رہا تھا۔ ”ہم پردیس میں جھگڑا نہیں کریں گے۔“

”زیادہ مت پیئو۔ خالص وہسکی .... خدا تمہیں غارت کرے۔ کمبخت ابھی تک میری ے نہیں لائے۔ بڑی گھٹیا سروس ہے۔“

”ہا....!“ ہنری نے ٹھنڈی سانس لی۔ ”میں اسی لئے چائے پر وہسکی کو ترجیح دیتا ہوں۔ الئے کا جھگڑا نہ دودھ ملانے کی جھنجھٹ.... پیار کرو نا پیارے۔ انکل ہوپ کہا کرتے تھے....!“

”شٹ اپ.... میں اس وقت انکل ہوپ یا سرڈگم بیگم سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔“

”اچھا تو پھر تم ہی بتاؤ کہ میں تمہیں کیا سناؤں۔“

”ڈاکٹر ڈف....!“ حمید اُسے گھورتا ہوا بولا۔

”آہ بیچاری لڑکی۔“ ہنری سچ مچ مغموم نظر آنے لگا۔ ”ہائے جب بھی وہ یاد آتی ہے مجھے ت دکھ ہوتا ہے۔“ اس کی آنکھوں سے دو موٹے سے قطرے ڈھلک آئے۔ ”ہائے کلیجہ شق ہونے لگا ہے۔ بیچاری لڑکی.... میں اُسے دھوکہ دیتا رہا تھا۔ بیچاری بہت خوش تھی کہ ایک سیاہ فام آدمی پر عاشق ہو گیا ہے۔ میرے خدا۔ میں گناہ عظیم کے بار سے کیسے سبکدوش ہو سکوں گا۔“

وہ میز پر پیشانی ٹکا کر سسکیاں لینے لگا۔

”ابے تو اے حرام زادے اس طرح رونے کی کیا ضرورت ہے۔“ حمید نے اردو میں کہا چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ہنری اردو نہیں سمجھتا تھا۔

”کیا کہا تم نے۔“ ہنری نے سر اٹھائے بغیر کہا۔

”میں نے کہا۔“ حمید انگریزی میں بولا۔ ”یہ ایک ہوٹل کا ڈائننگ ہال ہے میرے

باپ.... کہیں بھوں بھوں نہ شروع کر دیتا۔"

پھر دفعتاً سنبھل کر بولا۔ "اے سیدھے بیٹھو.... وہ آ گیا ہے۔"

ہنری سیدھا بیٹھ گیا اور رومال سے آنکھیں خشک کرنے لگا۔ انور اس آدمی کی طرف دیکھنے لگا جس کی جانب حمید کا اشارہ تھا۔

ایک ضعیف العمر آدمی جس کی کمر جھکی ہوئی تھی۔ کاؤنٹر کے قریب کھڑا میزوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ حمید نے ہاتھ ہلا کر اُسے اشارہ کیا۔ وہ چند لمحے ادھر ہی دیکھتا رہا پھر آگے بڑھا۔ اس کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی وہ دونوں احتراماً کھڑے ہو گئے۔ لیکن ابھی وہ ان سے فاصلے ہی پر تھا کہ اچانک ایک فائر ہوا اور وہ بائیں پسلی دباتے ہوئے ڈھیر ہو گیا۔ انور کو فائر کی سمت کا اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ جھپٹتا ہوا اُس راہداری کی طرف پہنچا جہاں سے فائر ہوا تھا۔

ہال میں ہنگامہ برپا ہو گیا تھا۔ راہداری میں کوئی بھی نہ دکھائی دیا۔ پھر وہ ابھی وہیں تھا کہ اس نے کسی کو کہتے سنا۔ "وہ.... ادھر ایک آدمی بھاگتا ہوا ادھر گیا ہے۔ وہ کاریڈر تھری میں۔"

دم ہی تو نکل گیا انور کا۔ وہ میک اپ میں تھا اور یہاں والوں کے لئے اجنبی بھی۔ بس پھر وہ آگے ہی بڑھتا چلا گیا۔ راہداری کا اختتام ایک بند دروازے پر ہوا۔ لیکن وہ مقفل نہیں تھا۔ صرف چٹخنی لگی ہوئی تھی۔ اس نے چٹخنی گرائی اور اندھا دھند دروازے سے گزر گیا۔

گلی سنسان پڑی تھی جس طرف منہ اٹھا چل پڑا۔ پھر دوسری پتلی سی گلی میں مڑا۔ یہاں ایک جگہ ایک بوسیدہ سے دروازے پر کوئلے سے "پیشاب خانہ" لکھا ہوا نظر آیا۔ بس پھر دوسرے لمحے میں اندر ہی تھا۔

وہ لڑکی

غنیمت یہی تھا کہ ان دونوں کی طرف کسی نے بھی توجہ نہیں دی تھی۔ ورنہ شاید انہیں بھی ...ذرا الجھنوں کا سامنا کرنا پڑتا۔

بوڑھا دم توڑ چکا تھا۔ ذرا ہی سی دیر میں وہاں ریاستی پولیس بھی نظر آئی۔ اُس آدمی کی ...برابر جاری تھی جو راہداری کی طرف دوڑا گیا تھا۔

ہال کے دوسرے لوگوں کے ساتھ ہی انہیں بھی "پوچھ گچھ" کی منازل سے گزرنا پڑا اور لاش وہاں سے اٹھوا دی گئی۔

تقریباً چار گھنٹے بعد یہ کہنا ہی دشوار تھا کہ دو چار گھنٹے پہلے وہاں کوئی قتل ہوا ہوگا۔ ...ے ڈانسر میزوں کے درمیان تھرکتی پھر رہی تھی۔ موسیقی کی لہریں فضا میں رنگینیاں بکھیر رہی ...اور ہنری.... نشے میں ڈوبا ہوا کہہ رہا تھا۔ "سب بکواس ہے۔ یہ زندگی صرف ایک رقص ...رقص مجبوری.... جیسے کوئی کوڑے مار مار کر کہہ رہا ہو۔ ناچو.... ناچتے جاؤ.... سب ...ل.... انکل ہوپ کی ٹانگیں سر ڈگم بگم نے توڑی تھیں.... لیکن مجھے دیکھو میں اسی انگریز کی ...ی کر رہا ہوں اور انکل ہوپ آج بھی مستقبل کے بارے میں ہوپ فل ہیں۔ لعنت.... ...آئرلینڈ ہمیشہ لنگڑاتا رہے گا۔ مستقبل ہونہہ.... اے بوائے.... بوتل ختم.... اب میں کیا ...ں۔"

"اب بس....!" حمید میز پر ہاتھ مار کر بولا۔ پھر ویٹر کو چلے جانے کا اشارہ کیا۔

"تم اکثر مجھ پر ظلم بھی کرتے ہو۔ اس وقت ضرورت ہے کہ میں خود کو شراب میں غرق ...ل۔ مجھے لنگڑا آئرلینڈ یاد آ گیا ہے۔"

"مجھے اس وقت اپنی وہ لنگڑی بطخ یاد آ رہی ہے جس نے ڈی ولیرا کے آٹو گراف لئے تھے۔"

"مذاق مت اڑاؤ۔" ہنری نے آنکھیں نکالیں۔ "میں اس وقت سنجیدہ ہوں۔"

"خدا کی قسم....!" حمید آنکھیں پھاڑ کر ایک جانب دیکھتا ہی رہ گیا۔ ڈائننگ ہال اس

وقت کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ ایک میز پر اُسے ایک تنہا لڑکی نظر آئی تھی اور لڑکی بھی ایسی جو
بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ جیسے ہی نظریں ملیں لڑکی نے سر جھکا لیا اور جھینپے ہوئے انداز میں
مسکرانے لگی۔ لڑکی دیسی ہی تھی مگر خوش رنگ اور خوش لباس۔ نارنجی ساڑھی میں خود بھی نارنجی ہی
رنگ کی معلوم ہو رہی تھی۔

"اُو.... ہنری دی گریٹ۔" حمید مضطربانہ انداز میں بولا۔ "بیٹے آئر لینڈ والے
ضرور ملے گی۔"

"کہاں سے۔" ہنری نے بھی چونک کر چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ دیکھو....!"

"گڈ....!" ہنری بڑبڑایا۔ "خوب.... کنکھیوں سے ادھر ہی دیکھتے لگتی ہے بار بار۔"

"اور اپنی میز پر تنہا ہے۔" حمید بولا۔

"تو پھر میں اٹھوں۔ میری ڈاڑھی پادریوں کی سی ہے خفا نہیں ہوگی۔"

ہنری اپنی جگہ سے اٹھا اور سیدھا اسی میز پر چلا گیا۔

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں میری بچی۔" اس نے پر وقار انداز میں پوچھا۔

"ضض.... ضرور.... تشریف رکھئے۔" وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔

ہنری بیٹھتا ہوا کراہا۔ چند لمحے اسی طرح خاموش رہا جیسے دم لے رہا ہو پھر سر اٹھا کر
بولا۔ "میں تم سے مدد کا طالب ہوں میری بچی۔"

"اوہ.... کہئے.... میں کیا خدمت کرسکتی ہوں۔"

"وہ اس میز پر دیکھو.... وہ لڑکا ہے نا۔" ہنری نے حمید کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "میں
اسے سبق دینا چاہتا ہوں۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"لڑکیوں کے متعلق ہر وقت میرے کان کھاتا رہتا ہے۔ اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ
لڑکیاں اُس پر بڑی تیزی سے عاشق ہوتی ہیں۔"

"پھر میں کیا کرسکوں گی۔" اس نے حیرت سے کہا۔ "آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔"

"خیر.... اگر خفا ہوگئی ہو تو میں معافی چاہتا ہوں میری بچی۔ اب چلو.... میں نے تو چاہا تھا
وہ کسی طرح ڈھنگ کا آدمی بن جائے۔ بس ایک ہی ڈوز کافی ہوتا۔"

"میں خفا نہیں ہوئی۔" لڑکی مسکرائی۔ "مگر بھلا میں اسے کیسے سبق دے سکوں گی۔"

"اس کی جیب میں تین ہزار کے بڑے نوٹ ہیں۔" ہنری نے کہا۔ "کسی طرح چھین لو
اور یا پانچ گھنٹے تک باتھ روم میں بند رکھو۔"

لڑکی ہنس پڑی پھر بولی۔ "مجھے ایسی تفریحات پسند نہیں۔ زندہ دلی میرا اشعار ہے۔ لیکن
کوئی قانونی مسئلہ نکل آیا تو۔"

"اس کی ذمہ داری سو فیصدی مجھ پر ہوگی۔ کوئی ایسی تدبیر نکالو کہ میں بھی تمہارے قریب
موجود رہوں۔"

"تب تو ٹھیک ہے۔"

"مگر تین ہزار.... یہ تو بری بات ہے۔"

"بعد میں واپس کر دینا۔"

"میں تیار ہوں۔ چلئے میں اپنے گھر ہی میں یہ ڈرامہ پیش کرسکوں گی۔ ممی اور ڈیڈی باہر
ہوئے ہیں۔ نوکروں کو بھی عمارت سے دور ہی رکھوں گی۔" وہ بچوں کی طرح ہنس پڑی۔
"لطف رہے گا۔ لیکن آپ میرے ساتھ ہی رہیں گے۔ ایک منٹ کے لئے بھی ہٹنا چاہا تو یہ
نہ ہوگا۔ میں اپنی ذمہ داری پر ایسی کوئی حرکت نہیں کرنا چاہتی۔"

"مجھے منظور ہے۔" ہنری نے کہا۔ "بس اب تم اٹھ کر باہر چلو۔ میں اسے لا رہا ہوں۔"

لڑکی اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی اور ہنری اپنی میز پر واپس آ گیا۔

"چلو اٹھو۔" اس نے حمید سے کہا۔

"کیوں....؟"

"وہ ہمیں اپنے گھر لے جائے گی۔"

"او چچا کے بھتیجے.... ہوش میں ہو یا نہیں۔" حمید نے آنکھیں نکالیں۔ "ہم یہاں کر... کرنے آئے تھے۔"

"اب اس بوڑھے کی تدفین میں تو شرکت کرنے سے رہے۔ اٹھ جاؤ جلدی سے۔ سفار... نے یہ کب کہا تھا کہ اگر وہ مارا جائے تو تم بھی اس کی قبر میں چھلانگ لگا دینا۔"

"آخر لڑکی سے کیا باتیں ہوئی تھیں۔"

"ارے.... وہ کچھ نہیں۔ ایک گانے والی لڑکی ہے۔ ہمارا دل بہلائے گی۔"

"سوچ لو بیٹا۔ کہیں کسی چکر میں نہ پھنس جائیں۔ ظاہر ہے کہ ہم پہچان لئے گئے ہیں ورنہ وہ اس طرح مار کیوں ڈالا جاتا۔"

"تم احمق ہو۔ وہ میرے پاس نہیں آئی تھی۔ میں خود ہی اس کے پاس گیا تھا۔"

"پھر بھی احتیاط۔"

"ارے بس۔ دیکھ لی مردانگی۔ خواہ مخواہ میرے کان چبایا کرتے ہو.... شاید لڑکیوں سے بات کرنے کی ہمت بھی نہ پڑے۔ چلو اٹھو..... بوڑھا مر گیا۔ کام ختم۔ اب ہم چھٹی پر ہیں۔"

"ابے پھر سوچ لے۔" حمید نے نیم رضامند ہوتے ہوئے کہا۔ پھر تھوڑی جھک جھک کے بعد پوری طرح آمادہ ہو گیا۔ اس نے سوچا اس لڑکی نے خود ہی اپنی طرف اس کی توجہ مبذول کرائی تھی۔ لیکن کسی بڑے ہوٹل میں یہ کوئی اچنبھے کی بات بھی نہیں درجنوں پیشہ ور لڑکیاں ساتھیوں کی تلاش میں رہتی ہیں۔

وہ باہر آئے.... لڑکی ایک شاندار گاڑی میں ان کی منتظر تھی۔ اس نے انہیں بھی پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اگلی سیٹ پر باوردی ڈرائیور موجود تھا گاڑی میں بیٹھ جانے کے بعد حمید نے سوچا کہ اگر یہ گاڑی اسی لڑکی کی ہے تو وہ پیشہ ور ہرگز نہیں ہو سکتی۔

باہر آنے پر ٹھنڈی ہوا جو لگی تو ہنری کا دماغ ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ کبھی ڈھنگ کی باتیں کرتا اور کبھی بہکنے لگتا۔

"آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔" حمید نے لڑکی کو مخاطب کیا۔

"شکر گزار تو مجھے ہونا چاہئے۔" لڑکی مسکرائی اور ہنری کی طرف دیکھ کر بولی۔ "یہ مجھے مستقبل کا حال بتائیں گے۔ میں نے سوچا انہیں گھر لے چلوں۔ ہوٹل میں اچھا نہیں ...رد یکھئے.... اب کیا ہو سکے گا۔ یہ تو بہت زیادہ نشے میں معلوم ہوتے ہیں۔"

"فکر نہ کیجئے.... ہم دونوں ہی اچھے پامسٹ ہیں۔" حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔

گاڑی ایک شاندار عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی تھی۔ حمید نے ہنری کو سہارا دے کر پھر وہ اندر آئے۔ لڑکی گویا قدم قدم پر بچھی جا رہی تھی۔ ایک کمرے میں انہیں بٹھا کر ...نے جلد ہی واپسی کا وعدہ کیا اور باہر نکل گئی۔

لیکن پھر کمرے کے دوسرے دروازے گویا جہنم کے دریچے ہی بن کر رہ گئے۔

ہر دروازے سے ایک رائفل جھانک رہی تھی۔

❖

تارا نے برقعہ اتار کر ایک طرف ڈال دیا اور خاور نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں ...ہنس پڑا۔

"چھپ کر آئی ہو۔"

"ہاں.... بابا میں بڑی الجھنوں میں ہوں۔ مجھے انکل پرمود کے پرسنل سیکریٹری مسٹر ...کے تعلق بھی کچھ بتایئے۔"

"خطرناک آدمی ہے لیکن اسٹیٹ کے لئے نہیں۔"

"وہ کمال فریدی کا دشمن ہو گیا ہے۔ میرے علم میں لائے بغیر اس پر حملے کراتا رہتا ہے۔"

"یہ بھی اس کی دیانت داری کا ثبوت ہے۔ وہ اسٹیٹ کے دشمنوں کو کیسے برداشت ...گا۔"

"وہ آپ کے متعلق بھی کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا۔"

"مجھے اس کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے۔" خاور مسکرایا۔ "میں اس کا دوست ہوں اور نہ دشمن۔"

"میں اسی کی وجہ سے چھپ کر آئی ہوں۔ وہ کہتا ہے کہ آپ فراڈ ہیں۔"

"تمہارے کمال فریدی کا بھی یہی خیال ہے میرے متعلق۔" خاور بدستور مسکراتا رہا۔

"لیکن میں ایسا نہیں سمجھتی.... آپ عظیم ہیں۔"

"اپنی تعریف سن کر بھی مجھے خوشی نہیں ہوئی۔ عظیم تو صرف وہ ہے۔" وہ چھت کی طرف انگلی اٹھا کر بولا۔

"میں کیا کروں؟ میں کیا کروں۔ میرے لئے بھی تو کچھ کیجئے۔ سنئے پہلے صرف دیوانگی تھی اب اس میں ضد بھی شامل ہو گئی ہے۔ میں نے جس چیز کی خواہش کی ہے اسے اپنائے بغیر نہیں چھوڑا۔"

"میں جانتا ہوں میری بچی۔ لیکن فریدی کے متعلق بھی میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ وہ پتھر ہے۔"

"ہاں.... مجھے یقین ہے وہ مجھ سے کئی بار ملا ہے لیکن....!" تارا کی آواز میں جھلاہٹ تھی۔ "اس طرح ملتا ہے جیسے مجھ میں کوئی خاص بات ہی نہ ہو۔"

"ہوں....!" خاور کسی سوچ میں پڑ گیا۔ آنکھیں بند کر لیں۔ پھر اس طرح بوکھلا کر آنکھیں کھولیں جیسے اچانک کسی ذہنی حادثے سے دوچار ہوا ہو۔ چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے۔

"نہیں....!" وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ "یہ ناممکن ہے۔ قطعی ناممکن.... اُسے حاصل کرنے کے لئے تمہیں بہت بڑی قربانی دینی پڑے گی۔"

"میں سمجھتی ہوں۔" تارا مسکرائی۔ "آپ مذہب کی بات کریں گے۔ میرا کوئی مذہب نہیں ہے۔ میری ماں یورپین کرسچین تھی.... میرا باپ ہندو تھا۔ لیکن میرا کوئی مذہب نہیں۔ میں اسے ڈھکوسلا سمجھتی ہوں۔"

"تم نہیں سمجھیں میری بچی.... بہتر یہی ہے کہ اس خیال ہی سے باز رہو۔ تم نہیں سمجھ

ں اگر تم اُسے حاصل کرنے پر تل ہی گئیں تو تمہیں پہلے خود کو کسی دوسرے کے حوالے کرنا ے گا۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔" تارا جھلا گئی۔

"ستارے یہی کہتے ہیں۔ تم مجبور ہو۔ البتہ اگر تم اُسے حاصل کرنے کا خیال دل سے نکال سلامت روی سے زندگی بسر کرتی ہوئی منزل تک جا پہنچو گی۔ لیکن یہ منزل فریدی نہیں ہوگا۔"

"فریدی اور صرف فریدی۔" تارا مٹھیاں بھینچ کر بولی۔

یک بیک خاور کی آنکھیں خوفزدہ نظر آنے لگیں.... وہ اُسے گھورے جا رہا تھا۔ تارا محسوس تی تھی جیسے اس کی جسمانی قوت اس کی اپنی آنکھوں کے راستے خاور کی آنکھوں میں کھنچی ی تھی۔ ہاتھ پیر شل ہوتے جا رہے تھے اور وہ تو خود میں اتنی سکت بھی نہیں محسوس کر رہی تھی ں کی آنکھوں سے نظر ہی بچا سکتی۔

دفعتاً خاور سانپ کی طرح پھپھکارا۔ "تو پھر پہلے خود کو فریدی کے کسی دشمن کے حوالے کر دو۔"

تارا کے خشک ہوتے ہوئے ہونٹ خفیف سے کھلے لیکن آواز نہ نکل سکی۔

پھر خاور نے جھرجھری سی لی اور پچھلی حالت پر واپس آتا ہوا نرم لہجے میں بولا۔ "میری ی توقع ہے کہ تم اپنے ضمیر کا خون نہیں کرو گی۔ دل ٹوٹتا ہے ٹوٹنے دو۔ ضمیر کا گلا گھونٹنے روح مردہ ہو جاتی ہے۔ پھر مردہ روح کو لے کر جینے سے فائدہ۔ تم زندگی بھر یہی محسوس جیسے کاندھے پر کسی کی لاش اٹھائے پھر رہی ہو۔"

تارا کی سانس پھول رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ میلوں یکساں رفتار سے وڑنے کے بعد اچانک رک گئی ہو۔

وہ ایک لفظ بھی کہے بغیر اس کرسی کی طرف مڑ گئی جس کے ہتھے پر برقعہ پڑا ہوا تھا۔

پھر تو ہنری کا نشہ بھی ہرن ہو گیا اور حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ”کیوں بیٹے میں کیا کہہ رہا تھا۔“

ہنری سوچ میں پڑ گیا۔ رائفل والے بھی سامنے آ گئے تھے۔ لیکن ان کے چہروں پر نقابیں نظر آئیں اور پھر وہ لڑکی اٹھلاتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔

”اب تم اپنی اسکیم کو عملی جامہ پہنا سکتے ہو بوڑھے۔“ لڑکی نے ہنس کر کہا۔ ”اس کی جیب سے تین ہزار نکال کر میرے حوالے کر دو اور اسے باتھ روم میں بند کر دو۔“

”کیا مطلب....؟“ حمید بوکھلا کر بولا۔

”یہ حضرت تمہیں سبق دینا چاہتے تھے۔ فرمانے لگے کہ اس کے روپے چھین کر اسے غسل خانے میں بند کرا دینا کم از کم پانچ گھنٹوں کے لئے۔ میں نے پوچھا ایسا کیوں کروں۔ فرمایا لڑکیوں کے متعلق میرے کان چاٹتا رہتا ہے میں اسے سبق دینا چاہتا ہوں۔ کیوں کھوسٹ میں غلط کہہ رہی ہوں۔“

ہنری کا منہ فق ہو گیا تھا۔ کبھی وہ حمید کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی لڑکی کی طرف۔

”دفع کہیں کے۔“ لڑکی اُسے چڑا کر بولی۔ ”اگر یہ لڑکیوں کے متعلق تمہارے کان چاٹتا ہے تو میں بھی لڑکیوں کے متعلق دوسروں کے کان چاٹتی رہتی ہوں۔“

”مجھے نہیں معلوم تھا۔“ ہنری نے جلدی سے کہا۔ ”لہٰذا اب میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔“

لڑکی نے قہقہہ لگایا۔ حمید جیب سے اپنا پائپ نکال کر تمباکو بھرنے لگا تھا۔ پتہ نہیں کیوں اس نے پائپ کی بجائے ریوالور نکال لینے کی کوشش نہیں کی تھی۔

لڑکی نے ایک نقاب پوش کو اشارہ کیا۔ وہ کمرے میں چلا آیا۔

”اس بوڑھے کو کسی باتھ روم میں بند کر دو۔“

”ارے نہیں.... نہیں.... ایسا ظلم نہ کرو۔“ حمید بول پڑا۔

”تم اس کی طرف داری کرو گے۔ جو تمہیں پریشان کرنا چاہتا تھا۔“

”ہم دونوں ایک دوسرے کو معاف کر دینے کے عادی ہیں۔“

”تب پھر میں تمہیں بھی سزا دوں گی۔ تمہیں اس کی ڈاڑھی اپنے ہاتھوں سے مونڈنی پڑے گی۔“

”واہ....!“ حمید نے قہقہہ لگایا۔ ”یہ تو سزا نہ ہوئی.... اٹھایا ریزر اور کر دی صفائی.... سزا تو اُس وقت سمجھتا جب تم ڈاڑھی اکھاڑ دینے کا حکم دیتیں۔ مجھے محنت کرنی پڑتی اور وہ چیخ چیخ کر ہاتا۔“

”بہت اچھے.... اوہ....“ لڑکی ہنس پڑی۔ ”خاصی تفریح رہے گی۔ اچھا چلو یہی سہی اکھاڑ اس کی ڈاڑھی۔“

”خون پی لوں گا۔“ ہنری غرا کر کھڑا ہو گیا۔

”گراؤ اسے زمین پر۔“ لڑکی نے نقاب پوش کو حکم دیا۔

حمید سوچ رہا تھا کہ شاید ان کی زندگیاں خطرے میں نہیں ہیں۔ اگر مار ڈالنا ہی مقصود تھا اس تفریح کی نوبت نہ آتی۔ وہیں ہوٹل میں ہی وہ دونوں بھی ڈھیر کئے جا سکتے تھے لیکن پھر اس کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ یہ امر بھی یقینی تھا کہ وہ پہچان لئے گئے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو بوڑھا اس طرح نہ مارا جا سکتا۔

دفعتاً ہنری نے دھاڑنا شروع کر دیا۔ وہ مرنے مارنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ تین نقاب پوش اسے زمین پر گرا دینے کے لئے بھڑ گئے تھے۔

”ٹھہرو ٹھہرو۔“ حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”گراؤ نہیں۔ بس ہاتھ پکڑے رہو۔“

پھر وہ آگے بڑھا اور ایک ہی جھٹکے میں ہنری کی مصنوعی ڈاڑھی اکھاڑ لی۔ لڑکی نے قہقہہ لگایا اور حمید جھک کر آداب بجا لاتا ہوا بولا۔ ”سرکار ہم بہروپئے ہیں۔ اسی کی روٹی کھاتے تھا۔ ہم جانتے تھے کہ اتنی بڑی سرکار سے انعام ضرور ملے گا۔“

دفعتاً لڑکی سنجیدہ نظر آنے لگی۔ حمید بھی خاموش ہو گیا۔ نقاب پوش نے ہنری کو چھوڑ دیا تھا۔

”ختم کرو۔“ لڑکی ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ”انعام ضرور ملے گا۔ یہ ورگوری ہے۔ دارالحکومت

نہیں۔ یہاں سکتر صاحب کا سکہ چلتا ہے۔ بتاؤ کہ تم لوگ سکتر صاحب کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔ یاد رکھو.... جھوٹ بولنے کی سزا موت ہوگی۔"

حمید نے طویل سانس لی اور ہنری جماہی لے کر منہ چلانے لگا۔ غالباً وہ پھر دو چار چسکیوں کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔

"لے جاؤ" لڑکی نے غصیلے انداز میں کہا۔ "ان کے جسموں سے کھال اتار دو۔ اُس وقت تک اذیتیں دیتے رہو جب تک یہ سب کچھ بتا نہ دیں۔"

ان کے گرد رائفلوں کا حلقہ تنگ ہوتا گیا۔

دھماکے

رات کو پرمود ہاؤز کی کمپاؤنڈ میں قدم رکھنا آسان کام نہیں تھا۔ پانچ خونخوار قسم کے کتے رات بھر پوری کمپاؤنڈ میں دوڑتے پھرتے تھے اور ان کی موجودگی میں عمارت کا کوئی فرد بھی باہر نکلنے کی ہمت نہیں کرتا تھا۔ اگر کبھی کوئی ایسی ضرورت پیش آئی کہ عمارت سے باہر نکلے بغیر کام نہ چلتا تو سب سے پہلے کتوں کی دیکھ بھال کرنیوالے کو فون پر اطلاع دینی پڑتی اور وہ کمپاؤنڈ میں آ کر ان پر کنٹرول کرتا تھا۔ تب کہیں کمپاؤنڈ سے گزر کر پھاٹک تک پہنچنا ممکن ہوتا۔

فریدی کو اس کا علم تھا۔ لیکن آج رات خواہ کچھ بھی ہوتا پرمود ہاؤز میں اس کا داخلہ ضروری تھا۔

آج صبح ہی سے وہ اس کی تیاری میں مشغول نظر آ رہا تھا۔ تقریباً دو گھنٹے لیبارٹری میں صرف کئے تھے اور اس کے بعد اپنے کتے خانے میں جا گھسا تھا۔ تین رکھوالی کرنے والے السیشین نکالے گئے اور کمپاؤنڈ میں آ گیا تھا۔ پھر ایک ملازم ایک جنگلی خرگوش لایا تھا۔ فریدی نے خرگوش کے جسم میں سبز رنگ کا کوئی سیال انجکٹ کیا اور اُسے کتوں کے لئے چھوڑ دیا۔

ذرا ہی سی دیر میں خرگوش کی ہڈیاں تک باقی نہ رہیں۔ لیکن کتوں نے حیرت انگیز طور پر اونگھنا شروع کر دیا تھا۔

پھر وہ گہری نیند سو گئے۔

پرمود ہاؤز کا نگران سنگرام مضطربانہ انداز میں کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ چہرے پر گہرے تفکر کے آثار تھے۔

دفعتاً کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"آ جاؤ" سنگرام بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ یہ انہیں چھ بُرے آدمیوں میں سے تھا جو بائیں بازو کی راہداری کے کھیل میں سیکریٹری کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔

"استاد.... ڈینی کا پتہ بتاؤ مجھے.... اب ہماری الجھن بڑھتی جا رہی ہے۔" اس نے کہا۔

"کیا تمہیں میری بات پر یقین نہیں ہے۔ میں خود ہی اس کے لئے فکرمند ہوں۔ تم کہتے ہو کہ مجھے سیاہ بلاک ہضم کر گیا تھا۔ لیکن میری آنکھ اسی پلنگ پر کھلی تھی۔" سنگرام نے پلنگ کی طرف اشارہ کیا۔

"لیکن ڈینی کہاں گیا۔"

"کاش میں بتا سکتا۔ تم کہتے ہو کہ میرے بعد وہ بھی بلاک ہی پر گرا تھا۔"

دوسرا آدمی کچھ نہ بولا۔ لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے سنگرام کی بات پر یقین نہ آیا ہو۔

"میں تمہاری آنکھوں میں شبہے کی جھلکیاں دیکھ رہا ہوں۔" سنگرام اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"سنو استاد۔ ہم سے زیادہ وفادار کتے تمہارے سکتر صاحب کو کہیں نہ ملیں گے لیکن ہم اس طرح غائب ہو جانا بھی پسند نہیں کرتے۔ میں کہتا ہوں نا کہ وہ بھی تمہارے بعد ہی نیچے پہنچا تھا۔ تم اپنے پلنگ پر جاگے تھے۔ لیکن میں اسے کہاں ڈھونڈتا پھروں۔"

"اوہ.... تو کیا تم یہ سمجھتے ہو....!"

"ٹھہرو.... استاد مجھے کہہ لینے دو۔ وہ اس لئے غائب ہوگیا کہ سکتر صاحب کے کسی راز

سے واقف ہوگیا تھا۔تم بیہوش تھے۔اس لئے یہاں پہنچا دیئے گئے۔بیہوش نہ ہوتے تو ہم اس وقت تمہیں بھی ڈھونڈ رہے ہوتے۔''

''آہستہ بولو۔'' سنگرام نے بوکھلا کر چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی اور وہ تیزی سے میز کی طرف بڑھا۔ریسیور اٹھا کر مردہ سی آواز میں ''ہیلو'' کہا۔

''سنگرام۔'' دوسری طرف سے غراہٹ سی سنائی دی۔

''یس سر۔'' سنگرام نے آواز پہچانی۔دوسری طرف سے سیکریٹری بول رہا تھا۔

''تم سوچ چکے یا نہیں۔مجھے جواب چاہئے۔''

''میں کیا بتاؤں سرکار۔میری سمجھ میں تو نہیں آتا کہ فریدی کو بلاک کا راز کیسے معلوم ہوگیا تھا۔''

''کیا تمہیں اپنے آدمیوں پر اعتماد ہے۔''

''وہ سبھی قابل اعتماد ہیں سرکار....لیکن....!''

''لیکن کیا....؟''

''ڈینی غائب ہے....دوسروں کا کہنا ہے کہ میری ہی طرح وہ بھی اسی بلاک پر گرا تھا اور نیچے چلا گیا تھا۔''

''اس کی بات چھوڑو۔تمہیں ان آدمیوں کو ٹٹولنا ہے سمجھے۔''

''لیکن وہ ڈینی کے لئے فکر مند ہیں۔''

''بکواس مت کرو۔جو کچھ میں کہہ رہا ہوں کرو۔'' دوسری طرف سے غصیلی آواز آئی اور سلسلہ منقطع ہوگیا۔

سنگرام ریسیور رکھ کر پیشانی کا پسینہ خشک کررہا تھا۔دوسرے آدمی نے اُسے گھور کر دیکھا....اور پھر مسکرایا۔

''سردیوں میں پسینہ استاد....!'' اس نے کہا۔

''تم نہیں سمجھ سکتے....رحمو....نہیں سمجھ سکتے۔میں دلدل میں پھنس گیا ہوں۔ہاں تمہارا یہ

خیال قطعی درست ہے کہ....!''

''ہاں....کہو رک کیوں گئے ہو۔میں نے تمہاری گفتگو سے اندازہ کرلیا ہے۔ڈینی شاید دنیا ہی میں نہیں۔''

سنگرام کرسی میں گر کر پیشانی مسلنے لگا۔

''تمہارا خیال درست ہے۔'' وہ تھوڑی دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔''میں اسی لئے زندہ ہوں کہ اس وقت بے ہوش تھا۔''

''تو پھر اب کیا خیال ہے۔''

''سمجھ میں نہیں آتا۔''

''یہ تم کہہ رہے ہو استاد۔''

''ہم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔اس محل تک کسی کے بھی قدم نہیں آسکتے خواہ وہ انسرائے ہی کیوں نہ ہو۔تم سیکریٹری کو مجھ سے زیادہ نہیں جانتے۔وہ بہت بھیانک آدمی ہے۔سرراہ لوگوں کو قتل کراسکتا ہے کوئی اس کا بال بھی بیکا نہ کرسکے گا اب دیکھو نا اس نے انسپکٹر فریدی جیسے آدمی کو بھی اس شہر ہی سے کھسکا دینے کا بیڑا اٹھایا ہے۔شاید کامیاب ہی ہوجائے۔کل رات تو پتہ نہیں وہ کیسے بچ گیا۔''

''اگر یہ بات ہے استاد تب تو سیکریٹری کا بیڑہ ہی غرق سمجھو۔''

''تم نہیں سمجھ سکتے۔فریدی بے بس ہوجائے گا کیونکہ وہ صاحب اختیار نہیں ہے جب اس کے اوپر والے ہی سیکریٹری کے پیچھے دم ہلاتے پھرتے ہیں تو وہ کیا کرسکے گا۔فریدی کو تو اب اس شہر سے گیا سمجھو۔میرا دعویٰ ہے کہ چند ہی دنوں میں اس کا تبادلہ ہوجائے گا۔''

دوسرا آدمی کسی سوچ میں پڑ گیا۔سنگرام کرسی سے اٹھا....دروازہ کھول کر راہداری میں کھڑا ہوا۔چند لمحے ادھر اُدھر دیکھتا رہا پھر دروازے کے قریب آ کر رحمو سے بولا۔''ہوشیار ہو۔اسکا خیال ہے کہ تم چھ آدمیوں کے علاوہ اور کوئی فریدی کی معلومات کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔''

''کیا مطلب....!'' رحمو متحیرانہ انداز میں پیچھے ہٹا۔

''فریدی کو تہہ خانے کے راز سے آگاہ کرنے والا تم میں سے ہی کوئی تھا۔''

''میں اپنے لئے تو قسم کھا لیتا ہوں جانتے ہو استاد اس رات کے بعد سے میں نے کمپاؤنڈ سے باہر نکلنے کی ہمت نہیں کی۔ اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ وہ اس طرح بچ نکلے گا تو کم از کم نقابیں ہی استعمال کی ہوتیں۔''

''بس اب جاؤ.....ہوشیار رہنا۔''

اسی رات سنگرام بے خبر سو رہا تھا۔ نہ جانے کیوں آنکھ کھل گئی۔ الجھ الجھ کر سویا تھا.....اسی لئے بیداری میں بھی ذہن پر کسی خوشگوار کیفیت کی پرچھائیں تک نہیں تھی۔

وحشت.....بس یہی دل چاہا کہ کہیں کھلے میں جا نکلے.....بیکراں آسمان کی وسعتوں کے تلے جی بھر کے سانسیں لے۔

وہ راہداری سے نکل آیا۔ عمارت سناٹے سے ہم آغوش تھی۔ لیکن نہ جانے کیوں اُسے اچانک کسی انجانے خطرے کا احساس ہوا۔ اسے اپنے پانچوں ساتھی یاد آئے.....وہ گفتگو یاد آئی جو فون پر سیکریٹری سے ہوئی تھی اور اس کے قدم بیساختہ عمارت کے لفٹ ونگ کی طرف اٹھ گئے۔ ان پانچوں کے کمرے اسی کاریڈر میں تھے جہاں فرش پر سیاہ بلاک نصب تھا۔

کاریڈر کے موڑ پر پہنچ کر رہ رک گیا۔ یہیں کاریڈر کا سوئچ بورڈ تھا۔ اس نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا.....بیک وقت تینوں بلب روشن ہوگئے۔ ساتھ ہی سنگرام کے ذہن کو جھٹکا بھی لگا۔ ایک سرتا قدم سیاہ پوش کالے بلاک پر کھڑا نظر آیا تھا جس کے کاندھے سے ایک وزنی چرمی تھیلا لٹک رہا تھا۔ قبل اس کے کہ سنگرام کی زبان سے ایک لفظ بھی نکلتا اس نے ٹامی گن کا رخ اپنی طرف ہوتے دیکھا۔

پھر غیر ارادی طور پر اس کے دونوں ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔

نقاب پوش تیزی سے مگر بے آواز اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

''اپنے کمرے میں چلو۔'' نقاب پوش نے قریب پہنچ کر سرگوشی کی۔

سنگرام بوکھلا گیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آ سکا کہ وہ کون ہوگا۔ بہرحال ٹامی گن نے اس کا رخ اپنے کمرے کی طرف پھیر ہی دیا۔

کمرے میں پہنچ کر نقاب پوش نے دروازہ بند کیا اور چٹخنی چڑھا دی۔ آتے وقت وہ کاریڈر کا سوئچ آف کرنا نہیں بھولا تھا۔

سنگرام سوچ رہا تھا غالباً سیکریٹری کا کوئی نیا روپ ہے۔ کہیں اس نے ان پانچوں ہی کا خاتمہ نہ کر دیا ہو۔

سیکریٹری جیسے آدمی کے لئے یہ ممکن تھا کہ کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکنے کی بناء پر وہ ان پانچوں ہی کو ابدی نیند سلا دیتا۔

دفعتاً سیاہ پوش نے چہرے سے نقاب ہٹا دی اور سنگرام اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ یہ انسپکٹر فریدی تھا۔

''آپ.....!'' اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''ہاں.....!'' فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ''اگر میرے ہاتھ میں ٹامی گن نہ ہوتی تو تمہارا کیا رویہ ہوتا میرے خلاف۔''

''کچھ بھی نہیں۔ میں آپ کو سکتر سمجھا تھا'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ پھر بوکھلا کر بولا۔ ''مم.....مگر آپ یہاں تک پہنچے کیسے۔ مطلب یہ کہ کمپاؤنڈ کے کتے۔''

''آج وہ آرام کر رہے ہیں۔'' فریدی مسکرایا۔ ''اور صبح تک کرتے رہیں گے۔''

''جائیے.....جلدی سے جائیے۔ ان چھ آدمیوں میں سے ایک غائب ہے۔ وہی جو اس کے بعد بلاک پر گر کر نیچے پہنچا تھا۔ سیکریٹری کو شبہ ہے کہ چھ آدمیوں میں سے کسی نے آپ کو بلاک کے راز سے آگاہ کر دیا تھا۔''

"میں جانتا تھا کہ یہی ہوگا....اسی لئے میں نے تمہارے ذرا گہرا ہاتھ رسید کیا تھا تاکہ تم شبہے سے بالاتر ہو جاؤ۔"

"اس ہاتھ کے لئے بے حد شکر گذار ہوں جناب۔" سنگرام مسکرایا۔ "بائیں گال پر اب بھی کسی قدر ورم باقی ہے۔"

"یہ ضروری تھا۔"

"میری زندگی کا انحصار بھی اسی پر تھا۔"

"اچھا اب جلدی کرو۔" فریدی نے کہا۔ "ابھی اور اسی وقت تم سب میرے ساتھ ہی نکل چلو۔ ورنہ کل تم میں سے ایک بھی زندہ نہ بچے گا۔"

"کیا مطلب....؟"

"مطلب بتانے کا وقت نہیں۔ تمہیں مجھ پر اعتماد ہونا چاہئے۔"

"مم....مگر کیوں؟"

"میں تہ خانے کی سیر کر چکا ہوں۔ اسے اس کا علم ہو جائے گا۔"

"خطرناک....خدا کی قسم بے حد خطرناک۔ مگر آپ نیچے کیسے پہنچے۔ معمولی حالات میں وہ بلاک اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کر سکتا۔"

"دو گھنٹے صرف کئے تھے راستے کی تلاش میں۔ ہاں سنو....اس نے فلاڈلفیا ہوٹل کا کمرہ نمبر تیرہ چھوڑ دیا ہے۔ اب کہاں فون کرتے ہو تم۔"

"کہیں بھی نہیں۔ وہ خود ہی فون پر کال کرتا ہے۔"

فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا۔ "میری دانست میں تم یہیں ٹھہرو۔ میں نے دوسری تدبیر سوچی ہے۔ تم محفوظ بھی رہو گے۔ اُسے جہنم تک پہنچانے میں میری مدد بھی کر سکو گے۔"

"بتایئے۔"

"ان پانچوں میں سے تم کس پر اعتماد کر سکو گے۔"

"غغ....غالباً رحمو پر....وہ بھی شدت سے بیزار ہے اور اُسے ڈیئی کے غائب ہو جانے پ

ے حد تشویش ہے....دونوں گہرے دوست تھے۔"

"ٹھیک....صرف اُسی کو میرے ساتھ جانے دو۔ تمہارا سیکریٹری صرف اُسے ہی میرا مدد گار سمجھے گا....تم لوگ محفوظ رہو گے۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" سنگرام کے چہرے پر اطمینان کی لہریں نظر آئیں۔

"بس تو جگا لاؤ اُسے۔"

کچھ دیر بعد رحمو فریدی کے ساتھ جانے کے لئے تیار تھا اور فریدی سنگرام سے کہہ رہا تھا۔

"کسی طرح سیکریٹری کی انگلیوں کے نشانات حاصل کرو۔"

"بڑا مشکل کام ہے جناب۔" سنگرام کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "میں نے ہمیشہ اس کے ہاتھوں ں باریک ربر کے دستانے دیکھے ہیں....خیر دیکھا جائے گا۔"

حمید اور ہنری کی حالت ابتر تھی۔ ان کے جسموں پر کئی جگہ جلتے ہوئے لوہے کے داغ ے۔ آخری دھمکی تھی کہ چہرہ بھی داغدار بنا دیا جائے گا۔

لیکن وہ لوگ جو کچھ معلوم کرنا چاہتے تھے اس کا علم ان دونوں کے فرشتوں کو بھی نہیں نہ وہ پوچھ رہے تھے کہ ولنگڈن ہوٹل میں مارا جانے والا بوڑھا ان سے کیوں ملنے آیا تھا۔ وہ بتاتے۔ جبکہ خود انہیں ہی نہیں معلوم تھا کہ اس ملاقات کے بعد کیا ہوگا۔

فریدی نے اُنہیں بوڑھے کی تصویر دی تھی تاکہ وہ اُسے دیکھتے ہی پہچان سکیں اور بس۔

ری باتوں کا انحصار بوڑھے ہی پر تھا۔ لیکن وہ اس سے پہلے ہی مار ڈالا گیا۔

دن بھر انہیں طرح طرح کی اذیتیں دی گئی تھیں اور اب رات کے گیارہ بج رہے تھے۔

نا کا بُرا حال تھا۔ اتنی دیر سے شراب نہ ملنے کی وجہ سے اُسے اس کا وہ چچا ایک بار بھی یاد نہیں

آیا تھا جس کی ٹانگیں سرڈگم بگم نے توڑ دی تھیں۔ شراب نہیں ملی تھی اس لئے مغموم ہونے کا
سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ اگر آدمی مغموم نہ ہو تو یہ بھی ضروری نہیں کہ خوش ہی ہو۔ اُسے غصہ
بھی آسکتا تھا اور وہ لفنگوں کی طرح گالیاں بھی بک سکتا ہے۔ ہنری کی یہی کیفیت تھی۔ حمید کا
خیال تھا کہ اس نے آج ہی تقریباً پچاس عدد بالکل نئی قسم کی گالیاں دریافت کی ہیں۔

داغوں کی جلن بے حد تکلیف دہ ہوگئی تھی۔ لیکن اُسے ہنری پر غصہ نہیں آیا تھا۔ وہ خود بھی
اس لڑکی کے جال میں پھنس سکتا تھا۔ اسی کی ایماء پر ہنری اٹھ کر اس کے پاس گیا تھا۔ اب یہ
اور بات ہے کہ نشے میں سنک گیا ہو۔

بارہ بجے یک بیک کمرے کی روشنی گل ہوگئی اور پھر قیامت ہی آگئی تھی۔ گویا ساری
عمارت پے در پے دھماکوں سے گونجنے لگی اور وہ شور.... خدا کی پناہ جیسے مردے قبروں سے نکل
کر میدان حشر کی طرف بھاگے جا رہے ہوں.... چیخیں.... دھاڑیں واویلا سبھی کچھ شامل تھا اس
شور میں۔

کچھ دیر بعد کمرے کا دروازہ کھڑکھڑایا.... کھلا.... اور محدود روشنی والی ننھی سی ٹارچ کی
چمک دکھائی دی۔

"چلو اٹھو....!" حمید نے انور کی آواز سنی۔ "میری دم سے دو رسیاں بندھی ہوئی ہیں
انہیں پکڑلو اور چپ چاپ میرے پیچھے چلے آؤ۔"

اس نے مڑ کر ٹارچ پیچھے کی۔ سوئٹر کے نیچے رسی کے دو ٹکڑے جھول رہے تھے۔ پھر ٹارچ
بجھادی گئی۔

کچھ دیر بعد وہ سنسان عمارت کے مختلف حصوں سے گزر رہے تھے۔ عمارت کے باہر بھی
شور سنائی دے رہا تھا۔ حمید نے ایک حصے میں آگ لگی ہوئی بھی دیکھی۔ وہ تینوں ہی خاموشی
سے راستہ طے کر رہے تھے۔ پھر وہ ایک نقب کے قریب رکے۔ دیوار سے اتنی ہی اینٹیں نکالی
گئی تھیں جس سے ایک آدمی لیٹ کر بہ آسانی دوسری طرف کھسک سکتا تھا۔

ادھر بالکل سناٹا تھا۔ البتہ کمپاؤنڈ کی جانب والے شور کی مدہم آوازیں یہاں بھی سنی

نہیں۔ وہ یکے بعد دیگرے باہر نکل آئے۔

تشویش

"بڑے کام کا آدمی مارا گیا۔" فریدی مضطربانہ انداز میں بڑبڑایا۔

"مگر کس کام کا۔" حمید نے جھلاہٹ میں رانوں پر ہاتھ مارے اور "سی" کر کے رہ گیا۔
کسی داغ پر ہاتھ پڑ گیا تھا۔

انور سگریٹ سلگا رہا تھا۔ فریدی نے اسے مخاطب کیا۔ "تم کس چکر میں تھے۔"

"میں اب اس خونخوار لڑکی کی تلاش میں ہوں جس نے بھائی کے کان۔"

"بکواس مت کرو۔" فریدی کا موڈ بگڑ گیا۔ "اس حماقت سے باز آؤ اور اب خاموش
تمہارا کام ختم ہوگیا۔"

انور کچھ نہ بولا۔

"لیکن....!" فریدی نے اُسے پھر مخاطب کیا۔ "تمہارا پاگل پن برقرار رہنا چاہئے۔ میں
تمہیں بندھوا کر تمہارے فلیٹ میں بھجواؤں گا۔"

"یہ خدمت آپ میرے سپرد کر دیجئے۔" حمید چہک کر بولا۔ "لیکن یہ کس خونخوار لڑکی کی
میں تھا۔ مجھے اس کا پتہ ضرور بتایئے۔"

"زبان بند رکھو۔"

حمید بھی خاموش ہوگیا۔ انور نے اپنی کہانی دہرائی.... پیشاب خانے میں داخل ہو کر اس
نے اپنا میک اپ کسی حد تک بگاڑ دیا تھا۔ لیکن اس طرح بھی نہیں کہ انور کی حیثیت سے بہ
پہچانا جاسکتا یا کوئی یہی کہہ سکتا کہ یہ وہی آدمی ہے جس کی تلاش ور گوری پولیس کو تھی۔
بھی اتار کر پیشاب خانے ہی میں ڈال دیا تھا اور صرف سوئٹر اور پینٹ میں باہر نکلا تھا۔

پھر اس نے ہنری اور حمید کو کسی لڑکی کے ساتھ بیٹھے دیکھ کر سوچا ممکن ہے اب انہیں بھی کسی جال میں پھانسا جارہا ہو لہٰذا وہ ان کے پیچھے لگ گیا تھا۔ اس کا اندازہ درست ہی نکلا تھا کیونکہ وہ کئی گھنٹے تک عمارت سے باہر نہیں دکھائی دیئے تھے۔ پھر اس نے اس عمارت کے متعلق چھان بین شروع کی اور چند گھنٹے بعد اس کے پاس معلومات کا ذخیرہ تھا۔ وہ عمارت عیاشی کا اڈہ تھا۔ دارالحکومت کے بڑے حکام یہاں آکر دادِ عیش دیا کرتے تھے جس کا انتظام ورگوری اسٹیز کے ذمہ تھا۔

انور سمجھ گیا کہ حمید اور ہنری سیکریٹری کے عتاب کا شکار ہوئے ہیں۔ وہ یہاں کسی ایسے آدمی سے ملنے آئے تھے جو فریدی کیلئے کارآمد ثابت ہوسکتا۔ لیکن وہ مار ڈالا گیا۔ اس کا مطلب یہی ہوسکتا ہے کہ وہ بھی پہچان لئے گئے ہیں۔

بس پھر اس نے دھماکے سے پھٹنے والے بہت سے پٹاخے خریدے۔ تھوڑے پٹرول کا انتظام کیا اور رات بھیگنے کا منتظر رہا۔

اس کے بعد جو کچھ بھی ہوا وہی حمید اور ہنری کی رہائی کا باعث بنا تھا۔ ورنہ اس وقت دونوں نہ جانے کہاں ہوتے۔

''بہت اچھے رہے۔'' فریدی مسکرایا۔ ''چلو تمہاری یہ بے راہ روی بھی کام آہی گئی۔ لیکن اب محتاط رہو۔ مجھ سے پوچھے بغیر اگر ایک قدم بھی اٹھایا تو نتیجے کے تم خود ذمہ دار ہوگے۔''

فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے ہاتھ اٹھا کر ریسیور اٹھالیا۔

''ہیلو....!''

''اٹ از رمیش سر۔''

''ہاں.... کیا بات ہے۔''

''یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ جب بھی پرنسز تارا آپ سے ملنے آتی ہے ایک آدمی چھپ کر اس کی نگرانی کرتا رہتا ہے۔ اس طرح کہ تارا کو بھی خبر نہ ہو۔''

''اس کے بعد وہ آدمی کہاں جاتا ہے۔'' فریدی نے پوچھا۔

''پرمود ہاؤز.... وہ وہیں کے ملازمین میں سے ایک ہے۔''

''خیر دیکھا جائے گا.... اور کچھ۔''

''جی نہیں۔''

''شکریہ۔'' فریدی نے ریسیور رکھ دیا۔

حمید جو اُسے غور سے دیکھ رہا تھا مسکرا کر بولا۔ ''آج نہیں آئیں.... کیا....!''

''بکواس کی ضرورت نہیں۔ اب تم دونوں جاسکتے ہو۔ حمید اپنی زبان قابو میں رکھو ورنہ بہت پچھتاؤ گے۔''

حمید نے ٹھنڈی سانس لی اور بُرا سا منہ بناتے ہوئے اٹھ گیا۔

خاور اپنے کمرے میں تنہا تھا۔ دفعتاً ایک برقعہ پوش عورت اندر داخل ہوئی۔ خاور اُسے نفرت آمیز نظروں سے دیکھنے لگا جیسے اس کی موجودگی بھی گراں گزر رہی ہو۔

''نہیں....!'' وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''تم اپنی صورت مجھے مت دکھاؤ۔ جو کچھ کہنا ہے کہہ جاؤ۔''

''کیا بات ہوئی۔'' تارا نے غرا کر نقاب الٹی۔ ''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔''

''اوہو....!'' خاور ہنس پڑا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے کوشش کرکے ہنسا ہو۔ پھر بولا۔ ''مجھے کیا سروکار کہ دنیا میں کیا ہوتا ہے۔ مجھے صرف اپنے فرائض کا خیال رکھنا چاہئے۔''

''میں نہیں سمجھی آپ کیا کہہ رہے ہیں۔''

''میں کچھ بھی نہیں کہہ رہا۔ تم اپنے کان بند کرلو اور مجھے صرف یہ بتاؤ کہ اب تمہیں کیا ہے؟''

دفعتاً تارا کے چہرے پر خجالت کے آثار نظر آئے۔ ایک بار خاور سے نظریں ملیں اور خاور

نے ٹھنڈی سانس لے کر سر جھکا لیا۔ اس کی آنکھوں سے غم جھانک رہا تھا۔

تارا نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ ہلائے لیکن آواز نہ نکلی۔

"کچھ مت کہو۔ مجھے سب معلوم ہے۔ تم اجالے کی تلاش میں اپنی روح کو تاریکیوں میں دھکیل چکی ہو۔"

تارا نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا۔ خاور اُسے چند لمحے گھورتا رہا پھر بولا۔ "کیا سارے شہر میں اس ذلیل کے علاوہ فریدی کا اور کوئی دشمن نہیں ملا تھا۔ جانتی ہو وہ کبھی تمہیں بلیک میل بھی کر سکتا ہے.... تم اندھی ہو گئی تھیں.... بتاؤ مجھے کیا اب کبھی تم اس کے جال سے نکل سکو گی۔ کبھی نہیں۔ ہرگز نہیں.... وہ تمہارا غلام تھا۔ لیکن اب وہ تمہیں انگلیوں پر نچائے گا۔ تمہارا آقا بن بیٹھا ہے۔ اب اگر کبھی فریدی تمہاری طرف ملتفت بھی ہوا تو وہ اسے سب کچھ بتا دے گا۔ پھر تمہاری کیا حیثیت ہو گی فریدی کی نظروں میں۔"

تارا نے چہرے پر سے ہاتھ ہٹائے بغیر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔ مجھے بتاؤ وہ کب میری طرف متوجہ ہو گا۔ اسکے رویہ میں اب بھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔"

"کبھی نہ کبھی ضرور آئے گا تمہاری طرف لیکن افسوس......!"

"اب کیا کہنا چاہتے ہو۔" تارا نے جھلاہٹ میں چہرے سے ہاتھ اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"یہی کہ سیکریٹری اُسے سب کچھ بتا دے گا۔ اس کی نظروں میں تمہیں ذلیل کر دے گا۔"

"میں اُسے جان سے ماردوں گی۔" تارا دانت پیستی ہوئی ناگن کی طرح پھپھکاری۔

"لیکن....!"

"میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔ خاموش رہو۔" وہ پیر پٹخ کر بولی۔ برقعہ اٹھایا اور اس کی دھجیاں اڑا دیں.... اور پھر اسی عالم میں تنتناتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

خاور کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ سفاکی اور تضحیک سے بھرپور۔

سیکریٹری نے قہقہہ لگایا اور دیر تک ہنستا رہا۔ سنگرام دل ہی دل میں جھلس رہا تھا۔ اس کا [illegible] تھا کہ وہ رحمو والے معاملے پر نروس ہو جائے گا۔

"سنگرام....!" اس نے کہا۔ "تم شاید خوفزدہ ہو۔ ہاہا.... چلو یہ بھی اچھا ہوا کہ کالی بھیڑ [illegible] گلے سے نکل بھاگی.... اور ہاں سنو کوئی تہہ خانے میں بھی داخل ہوا تھا۔"

"نہیں....!" سنگرام نے تحیر زدہ رہ جانے کی بڑی اچھی ایکٹنگ کی۔

"ہاں.... اور داخل ہونے والا فریدی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔"

"مگر وہ یہاں داخل کیسے ہو سکا ہو گا جناب۔"

"کتے صبح کو بیہوش پائے گئے تھے۔"

"تو پھر....!" سنگرام نے متفکرانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "تو پھر کیا رحمو تہہ خانے [میں] داخل ہونے کا طریقہ جانتا تھا۔"

"تم جانتے ہو۔" سیکریٹری اُسے گھورتا ہوا بولا۔

"نہیں جناب.... میں کیا جانوں۔"

"تب پھر رحمو کے جاننے کے سوال کیسے پیدا ہو سکتا ہے۔ میں فریدی کو اتنا حقیر بھی نہیں [سمجھت]ا کہ وہ کسی تہہ خانے میں داخلے کا راستہ بھی نہ تلاش کر سکے۔"

سنگرام نے احمقانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں اور اس طرح اس کی طرف دیکھتا رہا جیسے [کچ]ھ سمجھ میں نہ آئی ہو۔

"لیکن....!" سیکریٹری لاپروائی کے اظہار میں شانوں کو جنبش دے کر بولا۔ "وہ اب بھی [میرا کچ]ھ نہیں بگاڑ سکتا۔ جب چاہوں اُسے ایک حقیر کیڑے کی طرح مسل کر رکھ دوں۔"

"ٹھیک ہے سرکار.... لیکن میں نے یا میرے آدمیوں نے تو اس رات کے بعد سے [عما]رت کے باہر قدم ہی نہیں نکالا۔ محض اس لئے کہ کہیں اس کے شکاری کتے ہمارا خاتمہ ہی نہ

کر دیں۔"

"اوہ....!" سیکریٹری مٹھیاں بھینچ کر بولا۔ "وہ تم میں سے کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔ کیونکہ تم ورگوری اسٹیٹ کے نمک خوار ہو۔ یقین نہ ہو تو تجربہ کر کے دیکھ لو اور پھر تم ڈرتے کیوں ہو اب وہ اس شہر میں نہ دکھائی دے گا۔"

"کیوں....؟"

"میں ان آفیسروں کے تبادلے کرا دیتا ہوں جو مجھے پسند نہ ہوں۔"

"مگر سرکار....ایسے مواقع پر جب اس کی بات گر رہی ہو وہ استعفیٰ تک پیش کرنے کو تیار رہتا ہے۔"

"اس کے بعد تو وہ اور بھی زیادہ آسانی سے مارا جا سکے گا۔"

"دیکھئے!" سنگرام نے ٹھنڈی سانس لی۔

"تم اتنے مایوس کیوں ہو۔" سیکریٹری اُسے گھورنے لگا۔

"میں اُسے سالہا سال سے جانتا ہوں جناب۔ کئی بار اسی کے ہاتھوں شکست کھا کر سلاخوں کے پیچھے جا چکا ہوں۔"

"تب تو تم ہی اُسے قتل بھی کرو گے۔ اب خوش ہو جاؤ۔"

"کاش....!" سنگرام پھر ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

سیکریٹری ہنستا ہوا اٹھ گیا۔

❖

اسی رات پرنسز تارا اپنی خواب گاہ میں سونے کی تیاری کر رہی تھی کہ کسی نے باہر سے دروازے کو ہولے ہولے کھٹکھٹایا۔

"کون ہے۔" اس نے بند دروازے کو گھورتے ہوئے اونچی آواز میں پوچھا۔

"خادم....!" باہر سے آواز آئی اور تارا کے ہونٹ نفرت سے سکڑ گئے۔ اس نے بآسانی آواز بہ آسانی پہچان لی تھی۔

"میں سونے جا رہی ہوں۔" وہ غرائی۔

"سرِ شام ہی.... یور ہائی نس۔" باہر سے آواز آئی۔

"جاؤ....فضول باتیں نہ کرو۔" تارا جھلا گئی۔

"ذرا اسے بھی ملاحظہ فرمائیے۔" باہر سے آواز آئی اور پھر دروازے اور فرش کے درمیانی رخنے سے ایک لفافہ اندر سرک آیا۔ تارا تیزی سے آگے جھکی اور اُسے اٹھا کر کھولنے لگی۔

یہ ایک تصویر تھی جس پر نظر پڑتے ہی تارا کے اوسان بجا نہ رہے۔ ہاتھ کانپے اور تصویر گرفت سے نکل کر فرش پر جا پڑی۔

"دیکھا آپ نے۔" باہر سے آواز آئی۔ "آپ کا چہرہ کیمرہ کے سامنے ہے اور خدوخال اتنے واضح ہیں کہ ایک بچہ بھی آپ کو بہ آسانی پہچان سکے گا اور میری پشت کیمرے کی طرف ہے اس لئے میرے پہچان لئے جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا۔"

تارا کچھ نہ بولی۔ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا اور وہ بُری طرح ہانپ رہی تھی۔

"سنئے۔" باہر سے آواز آئی۔ "جس دن بھی آپ نے میرا کوئی مطالبہ ٹھکرا دیا وہ آپ کی عزت اور نیک نامی کا آخری دن ہوگا۔ اس تصویر کی ہزاروں کاپیاں ورگوری اسٹیٹ میں مفت تقسیم کر دی جائیں گی۔"

تارا کی حالت ابتر ہوتی جا رہی تھی۔ خاور کے الفاظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔
"کیا سارے شہر میں اس ذلیل کے علاوہ فریدی کا اور کوئی دشمن نہیں ملا تھا۔ جانتی ہو وہ کبھی تمہیں بلیک میل بھی کر سکتا ہے۔ کیا اب کبھی تم اسکے جال سے نکل سکو گی۔ کبھی نہیں ہرگز نہیں۔"

اس کے کانوں میں سیٹیاں سی بجتی رہیں....دماغ جھنجھلاتا رہا۔ آنکھوں کے سامنے سیاہ رنگ کے گنجان دائرے تیزی سے گردش کر رہے تھے۔ پھر وہ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے

آگے بڑھی اور درواز کی چٹخنی گرادی۔

''بابا.... میں ڈوب رہی ہوں۔'' رشیدہ خاور کے سامنے دو زانو بیٹھی گڑگڑا رہی تھی ''اُسے بچائیے۔ خدا کے لئے بچائیے۔ وہ بہت کم ہوش میں رہتا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں انسپکٹر فریدی اُسے پاگل خانے نہ بھجوادے۔''

''کیوں؟''

''بس بیٹھے بیٹھے اٹھتا ہے کپڑے پھاڑ کر باہر نکل جاتا ہے اور پھر انسپکٹر فریدی کی کوٹھی ہی کا رخ کرتا ہے.... اور وہاں.... اس سے جو حرکت سرزد ہوتی ہے اسے پاگل خانہ بھجوادینے کے لئے کافی ہوگی۔''

''کیا کرتا ہے۔''

''کوٹھی پر پتھراؤ.... حلق پھاڑ پھاڑ کر گالیاں دیتا ہے انسپکٹر کو.... کئی بار وہ اُسے پکڑوا کر فلیٹ میں بھجوا چکا ہے۔ اب سنا ہے کہ اگر اس سے ایسی حرکت سرزد ہوئی تو وہ اُسے پاگل خانے ہی بھجوادے گا۔''

''یہ دنیا بڑی خودغرض ہے بیٹی۔ ہاں مجھے علم ہے کہ اس کا دماغ قابو میں نہیں لیکن اس بربادی کا باعث بھی فریدی ہی بنا ہے۔ یہ پولیس آفیسر کبھی کسی کے ہوئے ہیں۔ میں تمہیں بتاؤں شاید نہ جانتی ہو۔ ندامت نے اُس کا دماغ الٹ دیا ہے۔ اس نے فریدی کے کہنے میں آکر بڑے علاف سازشیں تیار کی تھیں لیکن پھر ندامت نے اس کا سر جھکا دیا۔ تم ڈرو مت بیٹی۔ وحیدہ بانو شاید تمہاری راہ میں اب نہ آسکے۔ ستاروں کی چال بدل گئی ہے۔''

''لیکن اُس کی ذہنی حالت اعتدال پر کیسے آئے گی.... مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ میری

جگہ کیسے ملے گی۔ میں تو اسے اچھی حالت میں دیکھنا چاہتی ہوں۔''

''تم بہت گریٹ لڑکی ہو۔'' خاور نے کہا۔ ''اچھا ٹھہرو۔ میں دیکھتا ہوں کہ تم کس طرح اس کے کام آسکو گی۔''

خاور نے آنکھیں بند کرلیں۔ تقریباً پانچ منٹ تک کمرے کی فضا پر بوجھل سی خاموشی مسلط رہی پھر خاور نے آنکھیں کھول کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''ایک ہی تدبیر ہے۔ لیکن تم سے نہ ہوسکے گا۔ بڑا کٹھن کام ہے۔ تمہاری دلیرانہ افتادِ طبع سے بھی واقف ہوں تم دس آدمیوں پر متواتر گولیاں برسا سکتی ہو۔ پھر بھی عورت ہو۔ عورت تاریکی اور ویرانہ۔ ناممکن ہے کہ تم خوفزدہ نہ ہوجاؤ۔''

''میں اس کے لئے جان بھی دے سکتی ہوں بابا۔''

''اچھا تو سنو.... ایک ایسا تالاب تلاش کرو جس کے کنارے جامن کا درخت ہو۔ اتنا نزدیک کہ اس کا سایہ تالاب پر پڑ سکے۔ انور کی ایک ایسی ٹوپی چاہئے جسے اس نے کم از کم تین سال تک استعمال کیا ہو۔ میں ایک نقش دوں گا۔ اسے ٹوپی کے اندر رکھ کر تالاب کے کنارے جا بیٹھنا.... منگل کی رات ہونا چاہئے۔ گھڑی بالکل صحیح وقت دے رہی ہو۔ جیسے ہی بارہ بج کر ایک منٹ ہو ٹوپی میں تالاب کا پانی بھر لینا۔ مگر نہیں تم ایسا نہیں کرسکو گی۔ شہر میں تمہیں ایک بھی تالاب نہ مل سکے گا۔ ظاہر ہے کہ اس کے لئے تمہیں ویرانوں ہی کا رخ کرنا پڑے گا۔ نہیں لڑکی اس چکر میں نہ پڑو۔ بارہ بجے رات۔ ویرانہ اور پھر تمہیں تالاب بھی ایسا تلاش کرنا پڑے گا جس کے کنارے جامن کا درخت بھی ہو۔''

رشیدہ تنی کھڑی خلاء میں گھور رہی تھی پلکیں جھپکائے بغیر.... دفعتاً اس کے ہونٹ ہلے اور ہلکی سی آواز نکلی۔ ''میں اس کے لئے سب کچھ کرسکتی ہوں۔ سب کچھ۔''

پھر جھرجھری سی لے کر اس طرح چونکی جیسے گہری نیند سے جاگی ہو۔

''خدا تم پر رحم کرے۔'' خاور نے بھرائی ہوئی مغموم آواز میں کہا۔ ''اچھا.... آج سنیچر ہے۔ دوشنبہ کو مجھ سے نقش لے جانا۔ اسی وقت ہدایات بھی دوں گا۔''

''میں بے حد شکر گذار ہوں گی بابا۔ زندگی بھر آپ کا یہ احسان یاد رکھوں گی۔''

''اچھا بس اب جاؤ..... یہ میری عبادت کا وقت ہے۔'' خاور نے کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔ رشیدہ چند لمحے کھڑی کچھ سوچتی رہی پھر مغموم انداز میں دروازے کی طرف مڑ کر پنجوں کے بل بے آواز چلتی ہوئی کمرے سے باہر آ گئی۔

انجام

رات کے نو بجے تھے اور یہ پہلا اتفاق تھا کہ کیپٹن اسمتھ کی گاڑی فریدی کی کوٹھی کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی تھی۔

فریدی نے متحیرانہ انداز اختیار کر کے اس کا استقبال کیا۔ لیکن وہ فریدی کو گھورے جا رہا تھا۔ آخر کچھ دیر بعد بولا۔ ''آج حشرات الارض کی بین الاقوامی نمائش کا پہلا دن تھا۔''

''جی ہاں.... سنا تھا میں نے بھی۔''

''یہ تم نے کیا کیا فریدی۔'' اسمتھ کی آواز کانپ رہی تھی۔

''میں نہیں سمجھا جناب۔''

''نمائش میں تمہارے نام کا بھی ایک اسٹال ہے۔''

''جی ہاں.... میرے پاس بھی کچھ نایاب نمونے تھے۔ مجھے بھی کبھی حشرات الارض کے موضوع سے دلچسپی رہی ہے۔''

دفعتاً اسمتھ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہو۔ لیکن غصے کی زیادتی کی وجہ سے مناسب الفاظ کے انتخاب کا سلیقہ فنا کر بیٹھا ہو۔

کچھ دیر بعد وہ میز پر ہاتھ مار کر بولا۔ ''تم نے میرے ساتھ فراڈ کیوں کیا؟''

''یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔''

''یاد رکھو اس کا نتیجہ بہت خراب ہوگا۔ بہت خراب۔ تم سازشی ہو بلیک میلر ہو۔ میں مہاراج کمار کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا اور اب میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ڈاکٹر ڈف اور اس کی لڑکی کے قاتل بھی تم ہی ہو۔''

''محض اس لئے کہ میرے اسٹال پر دو انسانی ہاتھ موجود ہیں۔'' فریدی مسکرایا ''اور ان ہاتھوں کی کہانی بھی وہی ہے جو میں نے کچھ دن پہلے آپ کو سنائی تھی۔ ایک ایسے کیڑے کی تصویر بھی شوکیس میں لگی ہوئی ہے جس کا کوئی وجود نہیں۔''

اسمتھ اُسے گھورتا رہا۔ فریدی پھر بولا ''بس آپ دیکھتے جایئے کہ چوہا کس طرح آتا ہے چوہے دان میں۔''

''پھر تم نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا تھا کہ ڈاکٹر ڈف کے یہاں تمہیں کچھ بھی نہیں ملا تھا۔''

''یہ حقیقت تھی سو پر۔''

''پھر یہ ہاتھ کہاں ملے۔''

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک ملازم نے کسی کا کارڈ چاندی کی چھوٹی سی کشتی میں رکھ کر پیش کیا۔

''اُوہ.... مہاراج کمار....!'' فریدی کارڈ دیکھ کر مسکرایا۔

''مہاراج کمار۔'' اسمتھ اچھل پڑا۔ ''اوہ فریدی تم نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔''

فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ''ہمیں برآمدے میں چلنا چاہئے کیونکہ وہ آپ کے دوست ہیں۔''

وہ دونوں برآمدے میں آئے۔ مہاراج کمار کو پر جوش انداز میں ریسیو کیا گیا۔ اسمتھ کچھ بڑا جھینپا سا نظر آیا۔ البتہ فریدی بے حد اسمارٹ لگ رہا تھا۔

پھر وہ ڈائننگ روم میں آ بیٹھے۔ مہاراج کمار کے دونوں مسلح اے ڈی سی باہر ہی ٹھہرے تھے۔ اسمتھ نے محسوس کیا کہ مہاراج کمار کا موڈ بھی درست نہیں ہے اور وہ فریدی کو اس طرح گھور رہا تھا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔

یہ ادھیڑ عمر کا ایک وجیہہ اور بارعب آدمی تھا۔

"تم ہی انسپکٹر فریدی ہو۔"

"آپ کا خیال درست ہے۔" فریدی مسکرایا۔ "فرمائیے میرے لائق کوئی خدمت۔"

"تم کیا چاہتے ہو۔" مہاراج کمار کی غراہٹ کمرے میں گونجی۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔"

دفعتاً مہاراج کمار نے ریوالور نکال لیا اور اسے فریدی کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

"کیپٹن اسمتھ یہ بڑی اچھی بات ہے کہ تم بھی اس وقت یہیں موجود ہو۔ جس بلیک میلر کا تذکرہ میں نے کیا تھا وہ یہی ہے۔ نہیں خبردار اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کرنا۔ گولی ماردوں گا۔"

"آپ کو خواہ مخواہ وہم ہو رہا ہے کہ میں جنبش کرنے کی زحمت گوارا کروں گا کیونکہ یہ ریوالور خالی ہے اور آپ کا ہرگز نہیں ہے۔"

اب مہاراج کمار نے غور سے ریوالور کی طرف دیکھا اور اس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار نظر آئے۔

"سوپر.... پلیز....!" فریدی نے اسمتھ کو مخاطب کیا۔ "یہ میرا سرکاری ریوالور ہے۔ آج ہی غائب ہوا تھا۔"

ریوالور مہاراج کمار کے ہاتھ سے چھوٹ پڑا اور فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"پرواہ مت کیجئے۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "مجھے علم تھا کہ آپ بہت غصہ ور آدمی ہیں آپ کا کارڈ دیکھتے ہی میں نے اندازہ کرلیا تھا کہ آپ کہاں سے اور کس موڈ میں آئے ہوں گے لہٰذا یہ رہا آپ کا ریوالور....!"

فریدی نے اپنی جیب سے ہاتھی دانت کے دستے کا نکل پولشڈ خوبصورت سا ریوالور نکالتے ہوئے کہا۔ پھر وہ ریوالور بڑے احترام کے ساتھ مہاراج کمار کے سامنے پیش بھی کردیا گیا۔

مہاراج کمار کے چہرے پر بوکھلاہٹ کے آثار بڑے مضحکہ خیز تھے۔ اسمتھ بھی مسکرایا پھر مہاراج کمار گڑبڑا کر بولا۔ "میں نے تمہیں کہیں دیکھا ہے اور کچھ ایسا جان پڑتا ہی جیسے بہت زیادہ دیکھا ہے لیکن کہاں.... یاد نہیں آتا۔"

"آپ نے میرے ڈیڈی کو دیکھا ہوگا۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"کیا مطلب....!"

"مجھے علم ہے کہ میرے ڈیڈی نواب عزیز الدین خان....!"

"عزیز الدین خان۔" مہاراج کمار اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ "نواب عزیز الدین.... بائی گوڈ تم انہیں سے مشابہ ہو۔ وہ تمہارے ڈیڈی....!"

"جی ہاں۔"

"اور.... یہ انسپکٹری....!"

"ان باتوں کو چھوڑئیے.... ہاتھ اب میرے قبضے میں ہیں۔ لیکن محض ہاتھ ہی تو سب کچھ نہیں.... بائی دی وے.... سوپر اسمتھ نے یہ کیس راز داری کا حلف لینے کے بعد میرے سپرد کیا تھا اور میں عرصہ سے اس پر کام کر رہا ہوں اور اب اس منزل میں ہوں کہ ہاتھ میرے قبضے میں آچکے ہیں۔ ہاں سوپر آپ بھی سنئے۔ یہ ہاتھ مجھے ڈف کے تہہ خانے میں نہیں ملے تھے۔"

"اُوہ.... پھر....!" اسمتھ بھی کچھ نروس سا نظر آنے لگا۔

"تاوقتیکہ پوری طرح ثبوت نہ فراہم کرلوں کسی کا نام لینا مناسب نہیں سمجھتا۔" وہ مہاراج کمار کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا اور مہاراجکمار نے گڑبڑا کر اس کے چہرے سے نظر ہٹالی۔

"لیکن....!" فریدی نے چند لمحے ٹھہر کر کہا۔ "جب تک کہ مجھے پورے حالات کا علم نہ ہوجائے میں اس بلیک میلر کا کیا بگاڑ لوں گا۔"

"اُوہ.... لڑکے.... لڑکے.... صرف تمہارے باپ ہی اس راز سے واقف تھے۔" مہاراجکمار نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ پھر چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "پرائیویسی۔"

"آپ کے اے ڈی سیز کے علاوہ آس پاس اور کوئی بھی موجود نہ ہوگا۔"

"میں چاہتا ہوں کہ وہ جہاں ہیں وہیں رہیں۔"

"تو پھر آئیے۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ وہ انہیں اپنی تجربہ گاہ میں لے جارہا تھا۔ اسمتھ کو ریوالور کے مسئلے نے چکر میں ڈال دیا تھا۔ فریدی نے استفسار پر بتایا۔ "انہیں ریسیو کرتے

وقت صرف ہاتھ کی صفائی۔ میرا خالی ریوالور ان کی جیب میں نہ صرف منتقل ہوا تھا بلکہ ان کا ریوالور میری جیب میں بھی پہنچ گیا تھا۔''

''بالکل باپ کی طرح ہو۔'' مہاراج کمار مضطربانہ انداز میں ہنسا۔ ''لیکن تمہاری انسپکٹری میری سمجھ میں نہیں آئی۔''

فریدی نے بات ٹال دی۔ اب وہ تجربہ گاہ میں کھڑے چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔

''میں نے تمہاری تجربہ گاہ کے متعلق سنا ضرور تھا لیکن سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ اتنی بڑی ہوگی۔ تم ہر معاملہ میں متحیر کردینے کے عادی ہو۔'' اسمتھ نے کہا۔

فریدی مہاراج کمار سے کہہ رہا تھا۔ ''ہاتھوں کی کہانی مجھے معلوم ہے.... وہ لاش سے کاٹے گئے تھے۔ میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں اُوہ.... آپ کھڑے کیوں ہیں تشریف رکھیے سوپر پلیز۔''

اسمتھ اور مہاراج کمار بیٹھ گئے۔ لیکن فریدی کھڑا رہا۔ اس کی بات جاری تھی۔

''جی ہاں میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ بلیک میلر نے کس مضبوطی کی بناء پر آپ کو بلیک میل کیا تھا۔ محض ہاتھ ہی تو سب کچھ نہیں ہوسکتے۔''

مہاراج کمار نے ٹھنڈی سانس لی چند لمحے خاموش رہا پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ''یہ بڑی دردناک کہانی ہے بیٹے اور میرے لئے باعث شرم بھی۔ لیکن جو کچھ بھی ہوا میری لاعلمی میں ہوا۔ یہ تو تمہیں معلوم ہی ہوگا کہ میرے والد صاحب کو بعض الزامات کے تحت معزول کرکے اسٹیٹ مجھے سونپی گئی تھی اور والد صاحب یورپ چلے گئے تھے۔ انہیں وظیفہ ملتا تھا لیکن چونکہ بے حد فضول خرچ آدمی تھے اس لئے وہ ان کے لئے ناکافی ہوتا تھا۔ ضدی بھی تھے۔ بہرحال ان کے وہ مصارف جو وظیفے سے نہیں پورے ہوتے تھے میں پورے کرتا تھا۔ ان کا ذاتی سرمایہ بھی تھا لیکن زیادہ دنوں نہ چل سکا۔ پھر انہوں نے قرضے لینے شروع کئے ان کی ادائیگی بھی میرے ہی ذمہ تھی۔ ادا ہوجاتے۔ ایک بار کسی بات پر اتنے خفا ہوگئے کہ وظیفہ کے علاوہ اور دوسری رقومات لینے سے انکار کردیا۔ میری شکل تک دیکھنے کے روادار نہ رہے۔ وہیں

ے ان کی بربادی کا دور شروع ہوتا ہے۔ میری امداد کو تو ٹھکرا ہی چکے تھے لیکن اپنی عادت میں ِئی تبدیلی نہ کرسکے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں اپنے دونوں ہاتھ کسی بلیک میلر کے ہاتھوں زِونت کردینے پڑے۔''

''اوہ....!'' فریدی نے دائرے کی شکل میں ہونٹ سکوڑے۔

''اس نے انہیں پانچ سو پونڈ دیئے تھے اور تحریر لی تھی کہ وہ ان کی موت کے بعد ان کے وں ہاتھ کاٹ لینے کا مجاز ہوگا۔ دستاویزات پر ہمارا خاندانی نشان اور والد صاحب کی ذاتی ہر بھی موجود ہیں.... دستخط بھی انہیں کے ہیں.... میں نے اس تحریر کے متعلق کئی یورپین ماہرین ی رائے لی تھی وہ سب اس پر متفق تھے کہ تحریر سو فیصدی والد صاحب ہی کی ہے۔''

''لیکن وہ دستاویز آپ کے ہاتھ کیسے لگی۔''

''دستاویز کا بہت عمدہ فوٹو گراف اس نے اپنی دھمکی سمیت مجھے بھیجا تھا۔ اب تک وہ زیباً پچاس لاکھ روپے مجھ سے وصول کرچکا ہے۔ کہتا ہے کہ جب بھی میں نے اس کے خلاف ی کارروائی کے متعلق سوچا وہ ان ہاتھوں کی نمائش کرڈالے گا اور دستاویز کے فوٹو کی لاکھوں یاں سارے ملک میں تقسیم ہوجائیں گی۔ تم خود سوچو اس کا تصور ہی کتنا بھیانک ہے۔ یہ ائی۔ خدا کی پناہ۔ یعنی میرے باپ نے مفلس ہوکر اپنے ہاتھ تک فروخت کردیئے تھے اور ائش کررہا تھا اس وقت۔ میں اس سے پہلے ہی مرجانا پسند کروں گا بیٹے۔''

راج کمار نے خاموش ہوکر سر جھکا لیا۔

''میرا خیال ہے کہ اس دوران میں اس نے آپ سے کوئی بڑی فرمائش کی ہے۔''

''میں اُسے دہرانا پسند نہیں کروں گا۔''

''خیر چھوڑیئے.... بہرحال اسی فرمائش کے سلسلے میں اس نے دھمکی دی ہوگی کہ ہاتھوں اعام نمائش کرکے اس کہانی کی پبلسٹی کرائے گا۔ اگر اس کا مطالبہ پورا نہ کیا گیا۔''

''ہاں.... یہی بات ہے۔''

''اور آپ احتیاطاً حشرات الارض کی نمائش میں جا پہنچے۔''

''اتفاقاً نہیں۔ بلکہ کیپٹن اسمتھ نے شبہ ظاہر کیا تھا کہ کہیں اسی نمائش میں یہ حرکت نہ ہو جائے۔''

''تم سے مباحثہ کے بعد۔'' اسمتھ نے فریدی سے کہا۔

''اور پھر وہ ہاتھ آپ کو میرے اسٹال پر نظر آئے۔''

''بس غلط فہمی ہو گئی تھی۔ مجھے بے حد افسوس ہے۔''

''پرواہ نہ کیجئے۔ جب تک میں اصل دستاویز بھی حاصل کر کے آپ کے حوالے نہ کر دوں ہاتھ میرے ہی قبضے میں رہیں گے۔''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں۔''

''مگر سنو۔ تم نے یہ حرکت کس بناء پر کر ڈالی۔ ان ہاتھوں کو نمائش میں رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔'' اسمتھ نے سوال کیا۔ ''کیا وہ دستاویز کی تصاویر اب نہیں تقسیم کرا سکتا۔ اب تو جھلاہٹ میں وہ بہت کچھ کر ڈالے گا۔''

فریدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

''وہ ایسا نہیں کر سکے گا۔'' فریدی نے خود اعتمادی کے ساتھ کہا۔ ''کیونکہ اب میں اُسے بلیک میل کر رہا ہوں۔ ہاتھ اس لئے رکھوائے ہیں نمائش میں کہ وہ مجھے بے بس سمجھتا تھا۔ میں اُسے دکھانا چاہتا ہوں کہ آدمی خواہ کتنا ہی اونچا کیوں نہ ہو اگر معاشرہ کے لئے نقصان دہ ہے تو کسی چیونٹی ہی کی طرح ایک نہ ایک دن ضرور خاک میں مل جائے گا اس نے ہاتھ چھپا کر رکھے تھے میں نے کھلی نمائش میں رکھ چھوڑے ہیں۔ محض اس لئے کہ وہ انہیں دیکھے اور پیچ و تاب کھائے لیکن ہاتھ بھی نہ لگا سکے۔''

''اوہ.... تو کیا.... سک....!''

''سو پر پلیز....!'' فریدی نے اسمتھ کو ٹوک دیا اور وہ جملہ پورا نہ کر سکا۔

اسمتھ مضطرب بھی تھا۔ اس لئے اس طرح برمحل ٹوکے جانے پر نروس ہو کر جیب میں سگریٹ کا پیکٹ ٹٹولنے لگا۔

ایک بار تو رشیدہ سچ مچ ڈر ہی گئی۔ کوئی بہت بڑا پرندہ کریہہ سی آوازیں نکالتا ہوا جامن رخت سے اڑا تھا۔ قریب تھا کہ اس کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکل جاتی اس نے تھوں سے اپنا منہ دبا لیا۔

نی رات گئے اس پر ہول ویرانے میں تنہا چلے آنا آسان کام نہیں تھا۔ انور کے لئے اتنی ہی تشویش تھی کہ اُسے بھی خاور کی روحانی قوتوں کا قائل ہو جانا پڑا تھا۔ ورنہ پہلے تو دنوں تک وہ اس کا اور اس کے معتقدین کا مضحکہ اڑاتی رہی تھی۔ لیکن پھر جب وحیدہ بانو ام پر انور دیوانگی کے دوروں کا شکار ہونے لگا تو اُسے پھر خاور ہی کی چوکھٹ پر جھکنا پڑا۔ ے اتنی ضعیف الاعتقاد بھی نہیں تھی کہ ٹونے ٹوٹکے کرتی پھرتی۔ لیکن انور کی بربادی نے اُسے سب نے پر مجبور کر دیا۔

اس وقت رات کے پونے بارہ بجے تھے اور وہ شہر سے تقریباً دس میل دور ایک ویرانے ٹی سنائی بیٹھی تھی۔ بمشکل تمام ایک ایسا تالاب مل سکا تھا جس کے کنارے جامن کا ت بھی ہوتا۔

اس کے ہاتھ میں انور کی پرانی فلٹ ہیٹ تھی جس کے اندر خاور کا دیا ہوا نقش رکھا تھا۔ بارہ بجکر ایک منٹ پر اسے اس میں تالاب کا پانی بھر لینا تھا پھر اس وقت تک اُسے پانی ح سے اوپر اٹھائے رکھنا پڑتا جب تک کہ سارا پانی فلٹ ہیٹ سے چھن کر دوبارہ تالاب ں نہ گر جاتا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اس میں بھی کافی وقت صرف ہوگا۔ فلٹ سے پانی کا گزرنا ان تو نہیں.... ممکن ہے کہ صبح تک بیٹھنا پڑتا۔

وہ بار بار ریڈیم ڈائل والی گھڑی دیکھ رہی تھی۔

اب بارہ بجنے میں دس منٹ باقی تھے.... یوں بھی سردی شباب پر تھی۔ پھر یہاں کھلے ں اس طرح بیٹھے رہنا آسان تو نہیں تھا۔ کبھی کبھی وہ اتنی شدت سے اپنے دانت بھینچتی کہ

جبڑوں میں چٹخن سی ہونے لگی۔

پھر وہ لمحہ بھی آ پہنچا جب وہ جھک کر فلٹ ہیٹ میں پانی بھر رہی تھی۔ دفعتاً ایسا محسوس ہوا جیسے ناک کے رستے حلق میں مرچوں کی دھانس سما گئی ہو۔ وہ کھانسنے لگی۔ ایسی جھٹکے دار کھانسیاں تھیں کہ پانی سے بھری ہوئی فلٹ ہیٹ ہاتھوں میں نہ سنبھل سکی۔

پھر وہ بے تحاشہ کھانستی ہوئی پیچھے ہٹی۔ ہر کھانسی کا جھٹکا سر میں ایسی ہی دھمک پیدا کرتا جیسے کوئی مغز پر ہتھوڑا چلا رہا ہو اور ہر ضرب پر رات کی تاریکی میں بتدریج مزید اضافہ ہو رہا ہو۔ پھر اُسے یاد نہیں کہ کیا ہوا۔ وہ تو اسی طرح کھانستے کھانستے چکرا کر گری تھی اور بیہوش ہو گئی تھی۔

ٹھیک اسی وقت تالاب کے کنارے والی اونچی جھاڑیوں سے ایک طویل قامت انسانی سایہ ابھرا اور تیزی سے رشیدہ کی طرف جھپٹا۔ کیا مجال کہ جھاڑیاں سرسرائی بھی ہوں۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ اُس پر جھکا ہوا تھا۔ پھر اُس نے اُسے ہاتھوں سے اٹھایا اور تالاب سے دور ہٹ کر پھر زمین پر ڈال دیا۔

"خبردار۔" کی آواز کے ساتھ ہی سائے پر جامن کے درخت سے گویا روشنی کی بارش ہو گئی۔ سایہ بھی تیزی سے جامن کی جانب مڑا۔ غالباً درخت پر سرچ لائٹ روشن تھی جس کا فوکس نیچے کی جانب تھا۔ سائے کے ہاتھ میں ریوالور نظر آیا۔

"ریوالور زمین پر ڈال دو۔" سامنے والی جھاڑیوں سے آواز آئی۔

"ہاہا.... انور.... آؤ آؤ میرے بچے۔" سائے نے کہا۔

انور نے سامنے والی جھاڑیوں سے سائے کی طرف چھلانگ لگائی لیکن اب وہ سایہ تو نہیں کہا جا سکتا تھا کیونکہ اس کے آس پاس روشنی ہی روشنی تھی۔

"بابا خاور....!" انور کی ساری تیزی دھری رہ گئی۔

"ہاں میرے بچے۔"

"آپ یہاں۔"

"ہاں میرے بچے.... ستاروں کی چال۔"

رشیدہ زمین پر چت پڑی تھی۔

"لیکن تم نے اس کا کوٹ کیوں اتار دیا ہے۔" انور غرایا۔

"خود ہی دیکھ لو۔" خاور نے لاپرواہی سے کہا۔ "اگر مجھے یہاں پہنچنے میں ایک منٹ کی دیر ہوتی تو یہ زندہ نہ ہوتی اس وقت.... قریب آؤ.... یہ دیکھو.... اس کی پیشانی پر کیا ہے۔ جلدی کرو.... اسے اٹھا کر میری گاڑی تک لے چلو.... لیکن ٹھہرو۔ کیا اس وقت تم ہوش میں ہو۔"

"ہوش میں نہ ہوتا تو اس جامن پر سرچ لائٹ کہاں سے آتی.... بوڑھے گیدڑ۔" انور نے خاور کا رخ اس کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

بائیں جانب والی جھاڑیوں سے کیپٹن اسمتھ دانت پر دانت جمائے خاور کو گھور رہا تھا۔

"اب دیر کیوں کر رہے ہو۔" اس نے فریدی سے سرگوشی کی۔ "سمجھ میں آ گیا اس سؤر کے بچے کا طریق کار۔"

جھاڑیوں کے باہر انور بھی خاور کو خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔

"بیوقوف لڑکے۔" خاور نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "تم اس وقت بھی ہوش میں نہیں ہو۔ تمہارے ریوالور کی گولی میرے جسم سے اسی طرح گزر جائے گی جیسے کوئی چیز پانی میں گرتی ہے۔ پانی کی سطح دوبارہ اپنی اصلی حالت پر آ جاتی ہے۔ کرو فائر.... احمق کہیں کے۔ یہ بیوقوف ... ڈر کے مارے بیہوش ہو گئی.... ورنہ میں نے اسے یہی دکھانے کی لئے یہ اسکیم بنائی تھی ... اور تمہیں اور مجھے کس طرح بیوقوف بنا رہا ہے۔ اندھے لڑکے میں غیر فانی اور لامحدود ...۔ بلاؤ اپنے آدمیوں کو اور کر گزرو جو کچھ کرنا چاہتے ہو۔"

"کیا میں تنہا کافی نہیں تمہارے لئے۔" انور کا لہجہ زہریلا تھا۔ "میرے ساتھ کوئی بھی

نہیں ہے۔"

"پھر یہ سرچ لائٹ۔"

"یہ اس لئے لگائی تھی کہ تمہاری تصویر آسانی سے لی جا سکے۔"

"تو اب مجھے بھی بلیک میل کرو گے۔" خاور ہنس پڑا۔

"ہاں.... یہ دیکھو....!" انور نے شانے سے لٹکے ہوئے کیمرے کی طرف اشارہ کیا۔

"میں نے اس وقت تمہاری تصویر لی ہے جب تم رشیدہ کا کوٹ اتار رہے تھے۔"

"اچھی بات ہے۔" خاور غرایا۔ "جہنم میں جاؤ۔ میں جا رہا ہوں۔ تم مجھے ضرور بلیک میل کرنا۔"

وہ مڑا ہی تھا کہ انور نے ریوالور جیب میں ڈالتے ہوئے اس پر چھلانگ لگائی لیکن خدا کی پناہ۔ خاور تو اس طرح پلٹا تھا جیسے سر کے پچھلے حصے پر بھی دو آنکھیں رکھتا ہو۔ اس کا ہاتھ انور کی کنپٹی پر پڑا اور انور تیورا کر گر پڑا۔ انور سے اندازے کی غلطی ہوئی تھی۔ لہٰذا یہ حملہ غیر متوقع ہی ثابت ہوا۔ نتیجہ ظاہر ہے.... ہاتھ ایسا ہی جچا تلا تھا کہ وہ پھر نہ اٹھ سکا۔ ذہن اندھیرے میں ڈوبتا ہی چلا گیا۔ چند لمحوں کے بعد وہ بھی رشیدہ ہی کے پاس بیہوش پڑا تھا۔

فریدی کا مووی کیمرہ بے آواز چل رہا تھا۔ دفعتاً اسمتھ نے لینس پر ہاتھ رکھتے ہوئے جھلا کر کہا۔ "ختم بھی کرو۔ وہ درندہ ہوتا جا رہا ہے۔"

فریدی نے کیمرے کی حرکت روک دی اور اُسے وہیں جھاڑی میں ایک طرف رکھتے ہوئے خاور کو للکارا۔ اس بار خاور بُری طرح اچھلا.... لیکن قبل اس کے کہ اس کا ہاتھ جیب میں داخل ہو سکتا فریدی اس کے سر پر تھا۔

خاور اس سے لپٹ پڑا.... دوسری طرف سے کیپٹن اسمتھ خاور کو گالیاں دیتا ہوا بڑھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ہتھکڑیوں کا جوڑا تھا۔

خاور کسی چکنی مچھلی کی طرح فریدی کی گرفت سے نکل گیا۔ وہ ایک طرف دوڑا جا رہا تھا۔ چشم زدن میں سرچ لائٹ کے فوکس کے دائرے سے بہت دور جا نکلا۔ فریدی نے قریب کی ایک جھاڑیوں کے سلسلے میں چھلانگ لگائی تھی اور اسمتھ بے تحاشہ خاور کے پیچھے دوڑا جا

رہا تھا۔ ستاروں کی چھاؤں میں اس کا ہیولا اُسے صاف نظر آ رہا تھا۔

یک بیک اسمتھ کو خیال آیا کہ کہیں وہ پلٹ کر فائر نہ کر دے۔ اس کے پاس ریوالور بھی موجود ہے۔ پھر اُس نے سوچا ممکن ہے اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر وہ نکل ہی نہ جائے۔ کیوں نہ فائر کیا جائے۔ اس کے خلاف واضح ترین ثبوت فریدی کے مووی کیمرہ میں موجود ہے اور یوں تو اس کے خلاف اس وقت سرتا پا زہر ہو رہا تھا جس شخص کا آج تک اس قدر احترام کرتا تھا اسے ایسی حرکات کا مرتکب ہوتے دیکھ کر وہ اچانک ابھرنے والی نفرت کو کیسے دبا سکتا تھا۔

پھر اس نے کچھ سوچے سمجھے بغیر اپنا ریوالور نکالا اور خاور کے دھندلے سائے پر جھونک مارا۔

ایک چیخ سناٹے میں گونجی اور سایہ لڑکھڑا کر ڈھیر ہو گیا۔

کسی طرف سے فریدی نے آواز دی۔ "یہ کیا ہوا"

"آؤ.... میں نے مار لیا ہے۔" اسمتھ نے اونچی آواز میں کہا۔ وہ خاور کی لاش سے قریب ہی تھا۔

دفعتاً لاش نے اس پر چھلانگ لگائی اور بے خبری میں دبوچ لیا۔ گرفت آہنی تھی۔ اسمتھ نے محسوس کیا کہ وہ تو ہاتھ پیر بھی نہ ہلا سکے گا۔

فریدی جھاڑیاں پھلانگتا ہوا ان کی جانب جھپٹ رہا تھا۔ دفعتاً اس نے ایک کراہ سنی اور صرف ایک سائے کو بھاگتے دیکھا۔

"ٹھہریئے سوپر۔" اس نے آواز دی۔ "میں یہاں ہوں.... کیا ہوا۔ کیا وہ مر گیا۔"

سایہ رک گیا۔

لیکن جیسے ہی فریدی قریب پہنچا اس نے اس پر بھی چھلانگ لگائی۔ اب فریدی کو اپنی غلطی کا احساس ہوا لیکن وہ ہوشیار ہو چکا تھا۔ خاور کی پیش نہ گئی فریدی نے اُس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر ٹانگ ماری اور وہ دھڑام سے نیچے چل گیا۔ خاور اتنا احمق نہیں ہو سکتا تھا کہ مسلح ہونے کے باوجود بھی لپٹا جھپٹی کی حماقت اس سے سرزد ہوتی۔ حقیقتاً اس کا ریوالور اسی وقت جیب سے گر گیا تھا جب جامن کے درخت کے نیچے فریدی سے پہلی جھڑپ ہوئی تھی۔

خاور نے پھر اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس بار اس کے سینے پر ایک زوردار ٹھوکر پڑی اور فریدی مضطربانہ انداز میں چیخا۔ ''سوپر....سوپر....آپ کہاں ہیں۔''

لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ اس نے پھر پکارا لیکن بے سود۔ پھر وہ خاور سے بھڑا ہوا اسے پکارتا ہی چلا گیا۔

آخر اس نے خاور سے کہا۔ ''ذلیل آدمی میں ہوشیار ہوں۔ تمہارا حربہ مجھ پر کامیاب نہیں ہوگا۔ اب آخری سفر کے لئے تیار ہو جاؤ۔''

''میں تمہیں کتے کی موت مار ڈالوں گا۔'' خاور دانت پیس کر غرایا۔ لیکن شاید اسے اپنا کوئی مقابل بھی پہلی ہی بار ملا تھا۔ یک بیک فریدی نے اُسے دونوں ہاتھوں پر بلند کر کے زمین پر دے مارا۔ خاور کی چیخ کریہہ اور طویل تھی۔

انگریز آئی جی کیپٹن اسمتھ کی لاش کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔

''مگر یہ مرا کیسے۔'' اس نے فریدی سے کہا۔

''اس کا جواب یا تو پوسٹ مارٹم دے سکے گی یا مسٹر بارن۔'' فریدی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

''کیا بک رہے ہو۔'' آئی جی اس پر چڑھ دوڑا۔

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔'' فریدی نے خاور کی طرف اشارہ کیا جو ایک کرسی میں رسی سے جکڑا ہوا تھا۔ ''یہ بارن ہے.... رانا پرمود کا سیکریٹری بارن.... ڈاکٹر ڈف اور اس کی لڑکی کا قاتل.... سوپر اسمتھ کا قاتل۔ سوپر کی گردن پر بھی دانتوں کا نشان موجود ہے۔ کالر ہٹائیے۔''

آئی جی مضطربانہ انداز میں لاش پر جھکا اور پھر سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ ''ہاں نشان ہے

مگر تم نے بارن بارن کی کیا رٹ لگا رکھی ہے۔''

فریدی اُسے کوئی جواب دیئے بغیر آگے بڑھا اور خاور کے ہاتھی جیسے کان پکڑ کر کھینچنے لگا۔ لیکن خاور کے چہرے پر کرب یا تکلیف کے آثار نہ دکھائی دیئے۔ زبان سے بھی کچھ نہ نکلا۔ وہ سکتے کی سی حالت میں تھا۔

''یہ کیا بیہودگی ہے۔'' آئی جی گرجا۔ ''میری موجودگی میں تشدد۔''

''نہیں جناب۔'' فریدی مڑ کر پرسکون انداز میں مسکرایا۔ ''اگر میں کسی کی آستین پکڑ کر کھینچوں تو اُسے تشدد نہیں کہیں گے.... البتہ بداخلاقی ضرور ہے۔''

''کیا کہہ رہے ہو۔''

''آستین کھینچی تھی میں نے.... یہ دیکھئے۔'' فریدی خاور کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر چاروں طرف کچھ ٹٹولنے لگا۔ خاور اب بھی کسی بت ہی کی طرح بیٹھا تھا۔ آنکھوں کی پتلیاں تک جنبش نہیں کر رہی تھیں۔ پلکیں جھپکانا تو بڑی بات۔

دفعتاً دوسرا ہاتھ بھی گریبان ہی میں رینگ گیا اور اب فریدی کچھ اس طرح زور کر رہا تھا جیسے کسی چیز کو اس کی جگہ سے اکھاڑنے کی کوشش کر رہا ہو۔ یک بیک خاور کے چہرے سے ایک چھلکا سا اتر گیا۔

''مسٹر بارن۔'' آئی جی بوکھلا کر دو چار قدم پیچھے ہٹ گیا۔

''مسٹر بارن۔'' فریدی نے طویل سانس لی اور بے تعلقانہ انداز میں دوسری طرف دیکھنے لگا۔

پھر خود اس نے سکوت توڑا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''اگر اتفاقاً مجھے اس آدمی کی انگلیوں کے نشانات نہ دستیاب ہو جاتے تو شاید میرے فرشتے بھی اندازہ نہ کر سکتے کہ خاور ہی بارن بھی ہو سکتا ہے۔ اس پر ایک شخص ڈینی کے قتل کا الزام بھی عائد کیا جا سکتا ہے۔''

دوسرے لوگ بارن کو حیرت سے دیکھ رہے تھے کیونکہ اسکے اصل کان غائب تھے اور ان کی جگہ صرف دو سوراخ نظر آ رہے تھے۔ غالباً اسی لئے وہ اس قسم کی پگڑی استعمال کرتا تھا جس

کے نیچے کانوں کے سوراخ چھپ سکتے اور کانوں کی غیر موجودگی بھی نہ ظاہر ہو سکتی۔

"یہ جنسی جنونی ہے۔" فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔ "اس لئے دوہری زندگی گزار رہا تھا۔ اس کے گرد عورتوں کی بھیڑ رہتی تھی ایک طرف وہ انہیں کسی راہ پر لگاتا تھا اور دوسری طرف بارن ہی یا خاور کی حیثیت سے وہاں موجود ہوتا تھا۔ عورتوں کو بیہوش کر دینے کے لئے ایک قسم کا خواب آور سفوف استعمال کرتا تھا۔ ادھر کچھ دنوں سے بہت زیادہ محتاط ہو گیا تھا یعنی میرے خوف سے بارن کی حیثیت سے باہر نہیں نکلتا تھا۔ اس لئے اس وقت ہم نے اسے خاور ہی کے روپ میں دیکھا تھا۔ ورنہ خاور کے روپ میں کسی پر حملہ نہ کرتا ہوگا کیوں دوست بارن۔ مگر اب تمہارے حلق سے آواز نہ نکلے گی۔"

لیکن خلاف توقع لوگوں نے بارن کا قہقہہ سنا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "تم جیت گئے واقعی بڑے جیالے ہو۔ میں دل سے تمہاری قدر کرتا ہوں.... اور میں ہاں میں جنسی جنونی ہوں۔ اذیت رساں ہوں.... ایذا طلب ہوں لذت کا متلاشی۔ خواہ وہ کسی صورت میں ملے۔"

اس نے خاموش ہو کر سسکاری لی اور اس کی آنکھیں نیم وا سی نظر آنے لگیں۔ نشے میں ڈوبی ہوئی خواب ناک سی.... بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے وہ کسی لذت انگیز تصور سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔

کچھ دیر بعد اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں قاتل ہوں۔ تم صرف تین کی بات کر رہے ہو۔ میں درجنوں کا قاتل ہوں۔ کاش تم میں سے کوئی اس وقت بھی میرے دانت اپنے جسم میں چبھتے محسوس کر سکتے۔"

اس نے دانت پر دانت جما کر سسکاری لی.... آنکھیں کچھ اور نشیلی ہو گئیں۔

❖

مہاراج کمار بہت نروس نظر آ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ خود اپنے لئے پھانسی کے احکام کا منتظر ہو۔

"آپ خواہ مخواہ پریشان ہیں۔" فریدی مسکرایا۔ "بلاشبہ وہ پھانسی پا جائے گا۔ لیکن یقین کیجئے کہ آپ کے معاملات اس کی زبان پر نہیں آئیں گے۔"

"عدالت میں اس کی زبان کون روک سکے گا۔ وہ مجھے یقیناً ذلیل کرے گا اور گوری سے ہمارے کچھ کھلے ہوئے تنازعات بھی چل رہے ہیں۔"

"آپ مطمئن رہئے.... وہ قطعی زبان نہیں کھولے گا۔ ذرا یہ تو سوچئے کہ اس نے اسی دوران میں آپ کا راز کیوں نہیں ظاہر کر دیا جب میں نے وہ ہاتھ اپنے اسٹال پر رکھوائے تھے۔ چاہتا تو اسی وقت دستاویز کی عکسی تصویریں کم از کم آپ کی اسٹیٹ میں تو تقسیم کرا ہی دیتا۔"

"مجھے خود بھی حیرت ہے کہ اس نے ایسا کیوں نہیں کیا۔"

"نہیں کر سکتا ہے۔ اُسے خدشہ لاحق ہے کہ میں اس کی روح کو شاید دوسری دنیا میں بھی سکون سے نہ رہنے دوں۔"

"کیا مطلب....؟"

"یہ ایک راز ہے جسے میں صرف اپنی ذات تک محدود رکھنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "میں اس سے ان ہاتھوں کے متعلق سارے کاغذات بھی حاصل کر لوں گا۔"

مہاراج کمار کچھ دیر بعد چلا گیا اور پھر ملازم نے پرنسز تارا کا کارڈ پیش کیا جو دیر سے آؤٹ ہاؤز میں اس کی منتظر تھی۔ لیکن ملازم کو ہدایت کر دی تھی کہ مہاراج کمار کی موجودگی میں اس کا کارڈ پیش نہ کیا جائے گا۔

فریدی خود ہی آؤٹ ہاؤز تک آیا۔ اسے ڈائننگ روم میں نہیں بلوایا۔ لیکن تارا جس حال میں بھی نظر آئی فریدی کے لئے غیر متوقع تھا۔ بال پریشان، آنکھیں سرخ، پلکیں اتنی متورم تھیں جیسے کئی دن سے متواتر روتی رہی ہو۔ ہونٹوں پر پپڑیاں تھیں اور چہرے کا گندلا پن کہہ رہا تھا جیسے کبھی آئینہ دیکھنے کی بھی زحمت نہ گوارہ کی جاتی ہو۔

وہ آرام کرسی پر پڑی اونگھ رہی تھی۔ فریدی کی آہٹ پر چونک پڑی۔

بس وہ اُسے کسی سحر زدہ کی طرح گھورے جا رہی تھی۔ پلکیں جھپکائے بغیر۔

''میں تمہیں اپنی کہانی سنانے آئی ہوں۔'' دفعتاً وہ اتنی اونچی آواز میں بولی جیسے فریدی بہرہ ہو۔ ''سنو گے۔ تمہیں سننی پڑے گی کیونکہ میں تمہاری وجہ سے لٹ گئی ہوں۔ مجرم تمہارے قبضے میں ہے لیکن کیا تم مجھے وہ چیز واپس دلا سکو گے جو محض تمہارے لیۓ لوٹی گئی تھی۔''

''میں نہیں سمجھا! محترمہ آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔'' فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

''نہیں سمجھو گے.... اچھا تو سنو۔''

وہ چیخ چیخ کر اپنی کہانی دہرانے لگی اور فریدی کے چہرے کا رنگ اڑتا رہا۔ جب وہ خاموش ہوئی تو اُسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے خود اس نے ہزاروں میل کا سفر پیدل طے کیا ہو۔ چہرہ زرد ہو گیا تھا اور پیروں کی قوت جواب دینے لگی تھی۔ وہ ایک آرام کرسی کے ہتھے سے ٹک گیا۔

تارا آنکھیں بند کیۓ گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ دفعتاً وہ اٹھی اور بولی ''بارن.... یا خاور.... میری موت کا باعث نہیں۔ تم ہو.... تم....!''

''مگر محترمہ۔ مجھے کیا پتہ کہ آپ میرے متعلق کیا سوچتی رہی ہیں۔ آپ مجھے کیوں الزام دے رہی ہیں اور پھر یہ بات.... یعنی کہ۔'' فریدی ہکلا کر رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ کیا کہے۔ یہ وہ عظیم ترین فریدی تھا جس نے بڑے بڑے سرکشوں کی گردنیں توڑی تھیں.... الجھی ہوئی گتھیاں سلجھانے کا ماہر تھا۔ وہ ہکلا رہا تھا۔ ایک لڑکی کے اظہار عشق پر.... اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ جواب میں اس سے کیا کہے۔

''اُوہ.... سنبھالو.... مجھے۔'' تارا لڑکھڑاتی ہوئی چیخی۔ فریدی نے جھپٹ کر اُسے بازو کا سہارا دیا اور وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرائی۔

''میں اسی طرح مرنا چاہتی تھی۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''کیا تم مجھے یاد رکھو گے۔''

فریدی کے ہاتھ کانپنے لگے.... اور وہ جلدی سے بولی۔ ''نہیں.... خدا کے لیۓ صرف چند لمحے اور مجھے اسی طرح اپنے ہاتھوں پر سنبھالے رہو۔ یہ میری آخری خواہش ہے۔ پھر کبھی نہیں آؤں گی کوئی خواہش ظاہر کرنے.... میں نے زہر پیا تھا۔ لیکن توقع نہیں تھی کہ اس طرح

مر سکوں گی جیسے چاہتی تھی۔ خدا کا شکر ہے.... اُو.... دیکھو ادھر دیکھو میری طرف۔''

وہ مسکرائی اور اس کی آنکھیں بند ہوتی گئیں۔ لیکن ہونٹ اب بھی مسکراہٹ کے سے انداز میں پھیلے ہوئے تھے۔ البتہ جسم روح سے خالی ہو چکا تھا۔

پھر کچھ دیر بعد اس کی بھینچی ہوئی مٹھی سے ایک پرچہ نکالا گیا جس پر تحریر تھا۔

''میں زہر پی کر بارن کے ایک جرم کی تفصیل بتانے آئی ہوں۔

انسپکٹر فریدی کا میری موت سے کوئی تعلق نہیں۔ میں انسپکٹر فریدی کو سب کچھ بتادوں گی۔

تارا آف ورگوری اسٹیٹ۔''

فریدی دروازے کی سلاخیں پکڑے بارن کو خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔

''میں مہاراج کمار کو خاک میں ملادوں گا۔'' بارن آنکھیں نکالے کہہ رہا تھا۔ ''ذرا عدالت میں تو پیش ہونے دو مجھے۔''

''تارا نے زہر کھالیا مرگئی۔'' فریدی نے پرسکون آواز میں کہا۔

''کیا....!'' بارن دہاڑ کر اٹھا۔

''ہاں.... رانا پرمود....!''

''اوہ....!'' وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹا اور دیوار سے ٹک کر ہانپنے لگا۔ فریدی نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔ ''رانا پرمود.... اب صرف میں ہی اس راز سے واقف ہوں کہ تم رانا پرمود ہو۔ وہ بوڑھا بھی تمہارے ہی ہاتھوں مارا جاچکا ہے جو تمہارے راز سے واقف تھا۔ وہ ورگوری کے ولنگڈن ہوٹل میں اس وقت مارا گیا تھا جب میرے آدمی اس سے ایک سربند لفافہ حاصل

کرنے کے لئے وہاں اس کے منتظر تھے۔ لفافہ ورگوری پولیس کے انسپکٹر نے غائب کر کے تم تک پہنچا دیا تھا اور تم مطمئن ہو گئے تھے کہ تمہارا راز مجھ تک نہیں پہنچ سکا لیکن یہ تمہارا وہم ہے۔ آج سے دس سال پہلے مجھے تمہارے متعلق جرمنی کے ڈاکٹروں سے معلوم ہوا تھا۔ وہی ڈنٹسٹ جس نے تمہارے لئے وہ زہریلا دانت ڈھائی ہزار پونڈ میں بنایا تھا۔ بہرحال اس وقت مجھے تمہاری ذات سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ میں نے تمہیں بارن کی حیثیت سے بھی کبھی نہیں دیکھا تھا۔ صرف نام سنا تھا لیکن یہ حقیقت ہے کہ خاور کے چہرے پر مجھے پلاسٹک میک اپ کا گمان بھی نہیں تھا۔ اگر ایک بار بھی تم مجھے کہیں نظر آ گئے ہوتے تب تو میں یقینی طور پر خاور کو بھی پہچان لیتا۔ بہرحال وہ بوڑھا جسے تم نے ولنگڈن میں قتل کرایا تھا خود ہی آیا تھا میرے پاس.... کیونکہ اُس نے بھی تمہیں اچانک ہی دیکھا تھا اور....!''

''بس خاموش رہو۔'' وہ ہاتھ اٹھا کر دہاڑا۔ چند لمحے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپائے رہا پھر اسی طرح چہرہ ڈھانپے ہوئے بولا۔ ''سنو.... میں بالکل بے قصور ہوں۔ بچپن ہی سے کریک تھا اور میرا باپ بھی جنسی جنونی تھا اور ماں بھی ایسی ہی تھی۔ وہ اتنے بیہودہ تھے کہ خیر ہٹاؤ.... میں اس وقت صرف پندرہ سال کا تھا.... میری ایک بڑی سوتیلی بہن تھی۔ ان دنوں فرانس سے آئی تھی اور لندن میں ہمارے ہی ساتھ مقیم تھی۔ ایک رات جب میں ایک خادمہ کے لئے مضطرب تھا اسی کے دھوکے میں میں نے اس سوتیلی بہن کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ وہ چیخی تھی.... باپ جاگ پڑا.... وہ بہت غصہ ور بھی تھا۔

بس پاگل ہو جاتا تھا۔ اس نے مجھے زمین پر گرا کر میرے دونوں کان کاٹ دیئے تھے۔ میں رات بھر بیہوش پڑا رہا تھا۔ پھر یہ بات چھپائی گئی تھی۔ وہی بوڑھا جس نے تمہیں کچھ بتانے کی کوشش کی تھی ہمارا ملازم تھا اور میرے کان اسی کے سامنے کاٹے گئے تھے۔ اس سے راز داری کا حلف اٹھوایا گیا کہ وہ کسی سے اس کا تذکرہ کبھی نہ کرے گا۔ اس کے معاوضے کے طور پر اسے ایک بڑی رقم بھی دی گئی تھی۔ لیکن پھر جب اس نے مجھے بارن کے روپ میں Incest کا مرتکب ہوتے دیکھا تو تمہارے پاس دوڑا آیا ہوگا۔ کاش مجھے پہلے ہی معلوم

ہو جاتا۔ میں اُسے کبھی زندہ نہ چھوڑتا لیکن ٹھہرو.... مجھے اپنی حرکتوں پر ندامت نہیں ہے کیونکہ مجھ پر بھی ظلم ہوا تھا۔ خواہ مخواہ میرے کان کاٹے گئے تھے اس وقت مجھ میں Incest کا رجحان موجود نہیں تھا۔ اس کے بعد پھر نہ جانے کیوں میں خطرناک قسم کا جنسی جنونی بنتا گیا۔ شاید ہی کوئی مقصدی یا Orjective قسم کا deviation مجھ سے بچا ہو۔ میں نے زہریلا دانت اس لئے بنوایا تھا کہ خود کو ایک خونخوار اژدھا محسوس کر کے مجھے جنسی تلذذ حاصل ہوتا تھا۔ تم ڈاکٹر کے متعلق سوچ رہے ہوگے۔ وہ دراصل میرا راز دار تھا اور وہ بھی میری ہی طرح جنسی جنونی تھا۔ جب میں نے دیکھا کہ تم اس کی طرف متوجہ ہونے لگے ہو۔ خصوصیت سے اس وقت جب بین الاقوامی نمائش شروع ہو رہی ہے تو مجھے شبہ ہوا اور میں نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ کمزور دل کا آدمی تھا یقینی طور پر سب کچھ اگل دیتا۔ لیکن اب میں تم سے ایک سودا کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے بارن ہی کی حیثیت سے مرجانے دو۔ رانا پرمود کی حیثیت سے نہیں۔ میں مہا راجکمار والا معاملہ اپنی زبان پر نہیں لاؤں گا.... اس کے برعکس ہوا تو....''

''ہاں میں جانتا ہوں.... تمہاری بہتیری بھانجیاں اور بھتیجیاں بھی خودکشی کر لیں گی۔''

''نہیں.... مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ کون مرتا ہے کون زندہ رہتا ہے۔ میں رانا پرمود اپنے آباؤ اجداد کی بدنامی کا باعث نہیں بننا چاہتا۔ اس خاندان کا مستقبل تاریک ہو جائے گا۔ اگر میں نے رانا پرمود کی حیثیت سے پھانسی.... ہائے پھانسی۔''

اس نے خاموش ہو کر سسکاری لی اور اس کی آنکھیں نشیلی ہو گئیں۔ جسم کانپ گیا۔ لیکن یہ خوف کی حالت تو نہیں تھی۔ لذت سو فیصدی کسی قسم کی لذت کا احساس تھا جس کے تحت جسم کانپا تھا۔ آنکھیں چڑھتی چلی گئی تھیں۔

پھر وہ آہستہ آہستہ اعتدال پر آ گیا اور اب اس کے ہونٹوں پر ایک جھینپی ہوئی سی مسکراہٹ تھی اور اس نے اپنی طرف سے فریدی کا دھیان ہٹانے کے لئے ہنس کر کہا تھا۔ ''تم بہت چالاک آدمی ہو پیارے.... تم میرے اس سانپ سے بھی مرعوب نہیں ہوئے تھے جو تم پر چھت سے گرا تھا۔ شاید تم نے اندازہ کر لیا ہوگا کہ چھت میں کوئی میکنزم موجود ہے۔''

''اس دانت کا تم پر کیوں نہیں اثر ہوتا۔'' فریدی نے پوچھا۔

''میں خود بھی زہریلا ہوں نشہ کے لئے سنکھیا استعمال کرتا ہوں۔'' پرمود نے قہقہہ لگایا۔

فریدی چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ ''میرا بس چلے تو میں اپنے دانت تمہارے نرخرے میں پیوست کردوں۔ ذلیل آدمی۔ تم نے میری آڑ میں تارا کا شکار کیا تھا۔ ورنہ کم ازکم وہ تو تم سے محفوظ ہی رہتی۔''

''چلے جاؤ۔'' وہ حلق پھاڑ کر دہاڑا۔ ''چلے جاؤ.... میرا موڈ نہ خراب کرو۔ میں اس وقت پھانسی کے تصور سے شہد نچوڑ رہا ہوں۔'' اس کی آنکھیں پھر نشیلی ہوگئیں اور جسم بھی کانپنے لگا۔

فریدی سوچ رہا تھا۔ تارا بہرحال سکون سے مری۔ اگر اسے بارن کی اصلیت معلوم ہوجاتی؟

ختم شد